سلطان ٹیپو شہید

27.29

الماس ایم اے

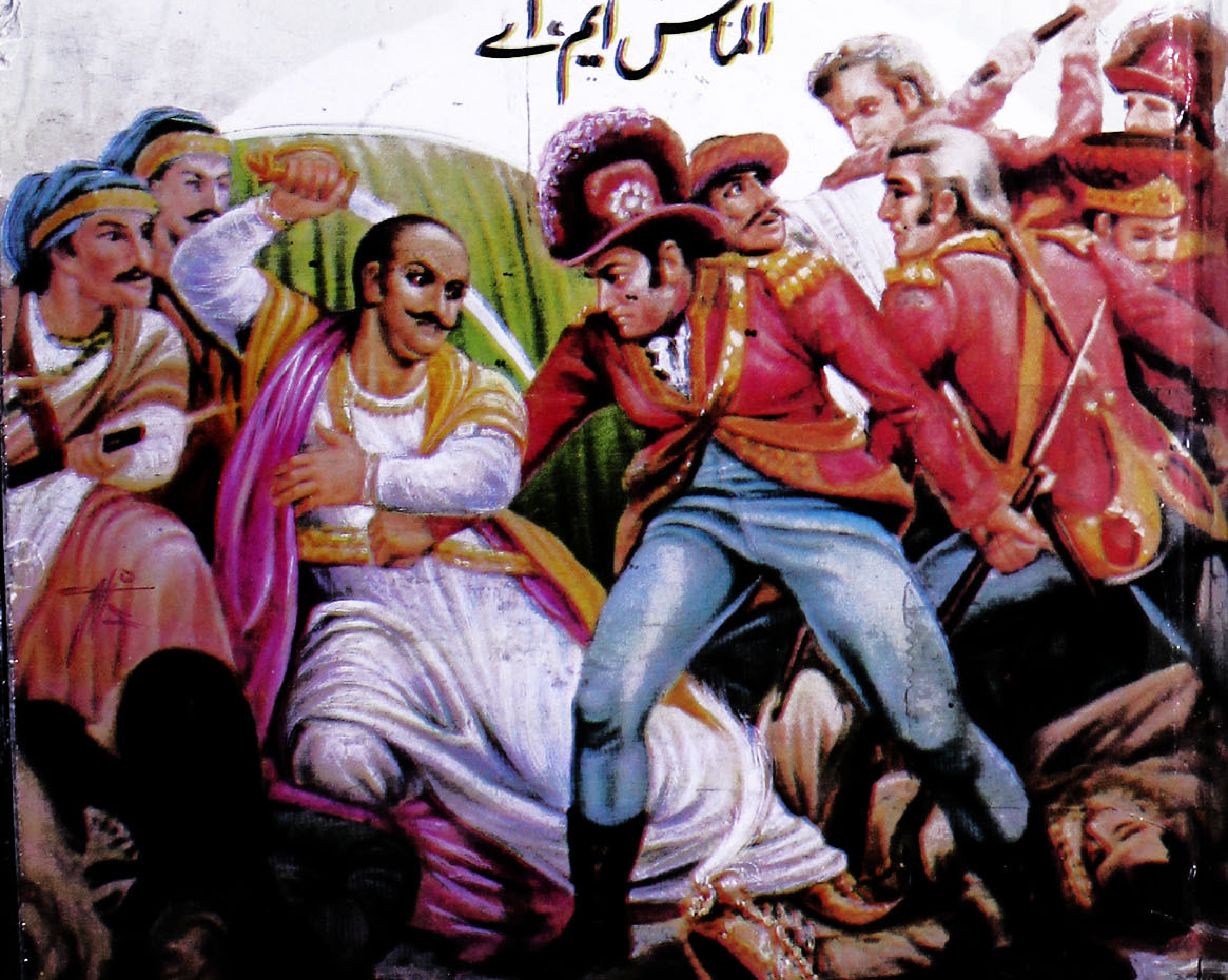

Marfat.com

ولولہ انگیز تاریخی ناول

سلطان ٹیپو شہیدؒ

الماس ایم۔اے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور۔فون: 7231595

Marfat.com

98265

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2010ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلاکس کمپیوٹرز
قیمت	:	-/450 روپے

فون: 042-37231595۔042-37352835

مکتبہ القریش، قذافی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

انتساب:

○

شیر میسور **سلطان ٹیپو شہیدؒ** کے
ایمان افروز اور لرزہ خیز واقعات سے بھرپور
اس ناول کو میں......

شیر پاکستان میاں **محمد** نواز شریف وزیر اعظم پاکستان
کے نام سے منسوب کرتا ہوں!

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف!

الماس، ایم۔ اے
261 خیبر بلاک
اقبال ٹاؤن، لاہور۔
جنوری 93ء

Marfat.com

Marfat.com

●

جنوبی بھارت میں بنگلور سے شمال مشرق کی جانب بائیس میل کے فاصلے پر وہ خوش نصیب قصبہ دیون ہلی ہے جس کی سرزمین کو عظیم حکمران نواب حیدر علی خان کے عظیم بیٹے ابوالفتح فتح علی سلطان ٹیپو کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

یہ لعل شب تاب بروز شنبہ 20 ذی الحجہ 1163ھ مطابق 1752ء پہلی ساعت میں عالمِ وجود میں آیا۔

سلطان کی پیدائش قلعہ کے باہر ایک مکان میں ہوئی تھی۔ اب وہ مکان موجود نہیں البتہ ایک چبوترہ ہے جس پر ایک کتبہ لگا ہے جو سلطان کی تاریخ پیدائش بتاتا ہے۔ اس چبوترے کے گرداگرد ایک چاردیواری بھی کھینچی گئی ہے۔

سلطان ٹیپو کی پیدائش بڑے عجیب وغریب حالات میں ہوئی تھی۔ اُن کے جلیل القدر والد نواب حیدر علی خاں نے دو شادیاں کیں۔ حیدر علی کی عمر جب اُنیس سال کی تھی تو میسور کے وزیر نندراج نے اُن کی شادی اپنے خرچ پر پیرزادہ شاہ میاں ساکن سرا کی لڑکی سے کرادی تھی۔ اُن کی اس بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد وہ بیوی معذور ہوگئی۔

کچھ دنوں بعد معذور بیوی نے خود حیدر علی کو مجبور کردیا کہ وہ دوسری شادی کرلیں۔ چنانچہ حیدر علی نے دوسری شادی میر رضا علی خاں کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم عرف فخر النساء سے کی۔

معذور بیوی نے دوسری شادی کی اجازت اس وجہ سے دی تھی کہ دوسری بیوی کے بطن سے حیدر علی کے اولادِ نرینہ پیدا ہو، تاکہ ان کی نسل برقرار رہے۔

حیدر علی خاں نے بھی دوسری شادی اسی لالچ میں کی تھی کہ اُنہیں نئی بیوی سے بیٹا حاصل ہو گا۔ مگر اُن کی یہ مراد پوری ہوتی دکھائی نہ دے رہی تھی اور چھ سات سال گزرنے کے باوجود اُن کا کاشانہ اقبال اس دُرِ مقصود سے خالی تھا جسے لڑکا کہتے تھے۔

انہی دنوں فاطمہ بیگم کی کسی سہیلی نے اُسے ٹیپو مستانؒ کا پتہ بتایا اور ترغیب دی کہ اُن کے مزار پر جا کر دُعا مانگے تو کیا عجب کہ اُسے اولاد حاصل ہو۔

Marfat.com

فاطمہ کے دل میں سہیلی کی بات لگ گئی۔ اُس نے اس کا تذکرہ شوہر سے اس قدر شد و مد سے کیا کہ حیدر علی بیوی کو لے کر اُسی وقت ٹیپو مستانؒ کے مزار کی طرف چل پڑے۔ یہ مزار ارکاٹ میں تھا۔

دونوں میاں بیوی وہاں پہنچے اور ٹیپو مستانؒ کی وساطت سے بارگاہِ ایزدی میں دُعا مانگی۔ دُعا قبول ہوئی اور جب حسبِ منت بچہ پیدا ہوا تو اُس کا نام ٹیپو مستانؒ کے نام پر ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رکھا گیا۔

ٹیپو سلطان کی پیدائش نے جیسے حیدر علی کی قسمت کھول دی۔ ایک ہی سال کے اندر وہ ترقی کر کے ڈنڈیگل کے گورنر ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایسے زورِ بازو کا مالک بنا دیا کہ ریاستوں اور بادشاہوں کی قسمتیں اُن کے اشاروں کی محتاج ہونے لگیں۔

آئندہ چند برسوں میں ایسا ہوا کہ 33 دیہات پر مشتمل ریاست میسور، دریائے کرشنا کے جنوب میں پورے جنوبی ہند پر محیط ہو گئی اور اس نے ریاست سے ایک عظیم مملکت کا رُوپ دھار لیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ارکاٹ (والا جاہ محمد علی) اور نظامِ دکن جو مضبوط اسلامی ریاستیں تھیں، وہ کبھی تو سلطنت میسور کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتیں اور کبھی میسور کی مضبوط جڑیں اُکھاڑنے میں لگ جاتیں۔

اپنوں کے علاوہ غیروں یعنی انگریزوں، فرانسیسیوں، ولندیزیوں اور مرہٹوں کو بھی حیدر علی سے پرخاش ہو گئی اور وہ تیزی سے بڑھتی ہوئی اس طاقت سے خائف رہنے لگے۔

ایسی منتوں مرادوں سے پیدا ہونے والے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے حیدر علی خاں نے کیسے کیسے اعلیٰ اُستاد اور ماہرین فن مقرر نہ کئے ہوں گے۔ پانچ سال کی عمر سے شہزادہ ٹیپو نے عربی، فارسی زبان میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ ساتھ ساتھ اُنہیں جہانبانی اور جہانگیری سکھانے کے لئے بھی اعلیٰ پیمانے پر انتظامات کئے گئے۔

عجیب بات یہ تھی کہ سلطان ٹیپو کو ابتداء ہی سے "سیف و قلم" سے تقریباً یکساں طور پر دلچسپی تھی۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں شہزادہ ٹیپو ہمیں ایک مکمل شہسوار اور دوسرے فنونِ جنگ میں ماہر سپاہی نظر آتا ہے..... بلکہ اس سے بھی پہلے یعنی گیارہ سال کی عمر میں شہزادہ ہمیں بدنوز کے میدانِ جنگ میں باپ کے ساتھ کھڑا دکھائی دیتا ہے۔

شہزادہ ٹیپو کے بچپن کے حالات میں سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز وہ واقعہ ہے کہ جب ایک روز وہ سرنگا پٹم کی ایک گلی میں ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو ادھر سے ایک فقیر روشن

Marfat.com

ضمیر کا گزر ہوا۔ اُس وقت سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی، راجہ میسور کی فوج میں محض ایک نائیک کی حیثیت سے ملازم تھے اور زیرِ عتاب تھے۔ فقیر روشن ضمیر نے ٹیپو سلطان کے پاس رُک کر اُس سے کہا۔

''تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا بادشاہ بنائے گی۔ جب وہ وقت آئے تو اُس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کرنا جو زمانے میں تیری یادگار رہے۔''

ذہین شہزادے نے مسکراتے ہوئے بزرگ کو جواب دیا تھا۔

''جب میں بادشاہ ہوں گا تو ایسا ضرور کروں گا۔''

ایک بچے کا یہ یقین کس قدر تعجب خیز ہے کہ اس وقت اُس کا باپ حیدر علی خاں، راجہ میسور کا معتوب ہو کر میدانِ جنگ میں کھانڈے راؤ سے اپنی آخری بازی کھیل رہا تھا۔ اُس کی ماں اور دوسرے اعزا قلعہ میں اسیر تھے مگر بچہ پُر یقین انداز میں کہہ رہا تھا کہ فقیر روشن ضمیر کی پیشگوئی کی یقیناً تعمیل ہوگی۔

پھر زمانے نے دیکھا کہ شہزادہ ٹیپو واقعی سلطان بنا اور اُس نے اُسی جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی جس جگہ کھڑے ہو کر فقیر روشن ضمیر نے پیش گوئی کی تھی اور شہزادے نے اس کے پورا کرنے کا عہد کیا تھا۔

سلطان ٹیپو کی بنائی ہوئی اُس مسجد کا نام ''مسجد اعلیٰ'' ہے جو آج بھی سرنگا پٹم میں اُس کی عظمت اور شہادت کی یاد دلاتی ہے۔

شہزادہ پندرہ سال کی عمر میں باقاعدہ طور پر حیدری فوج میں شامل ہو کر ایک بہادر سپاہی کی طرح دادِ شجاعت دینے لگا تھا۔

پھر دو ہی سال کے اندر اُس نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا دوست اور دشمن سے منوالیا اور حیدر علی نے جواں سال بیٹے کو ایک جنرل کی طرح فوجوں کی علیحدہ کمان سپرد کر دی تھی۔

شہزادہ ٹیپو کے تمام جنگی کارنامے جو اُس نے اپنے والد نواب حیدر علی خاں کی حیات میں سرانجام دیئے، اُن کا حال آپ پچھلی اقساط میں ملاحظہ فرما چکے ہیں مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قائم کرنے کے لئے ان کا اجمالاً ذکر کیا جا رہا ہے۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''حیدر علی'' ملاحظہ کیجئے۔)

1774ء میں جب شہزادے کی عمر صرف اکیس سال تھی، حیدر علی خان نے اُسے آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس توپوں کے ساتھ مرہٹہ سردار ترمک راؤ کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ شہزادہ بائیں گھاٹ پہنچ کر میدانِ کاویری میں خیمہ زن ہوا۔

Marfat.com

اُس وقت جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مرہٹہ فوج دھرم پوری کو لوٹ رہی ہے اور اس کے ہمراہ دوسری آبادیوں کا لوٹا ہوا سامان اُونٹوں، بیلوں اور ہاتھیوں پر لدا ہوا بھی موجود ہے۔

شہزادے نے اپنی فوج کے چند دستوں کو مرہٹی لباس پہنوائے اور خود بھی مرہٹہ لباس پہن کر ان دستوں کو ساتھ لے کر دھرم پوری پہنچا۔ مرہٹہ فوج نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی مرہٹہ فوج کا حصہ ہیں، ان پر کوئی توجہ نہ دی۔

جب لوٹ مار ختم ہوئی اور سامان جانوروں پر بار کیا جانے لگا تو شہزادے نے مخصوص انداز اور آواز میں حملہ کا حکم دے دیا۔

اس حکم کے ساتھ ہی شہزادے کے سپاہیوں نے مرہٹوں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ مرہٹے اس اچانک حملے سے ایسا گھبرائے کہ بدحواس ہو کر اور تمام سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ بھاگتے جا رہے تھے اور گولیاں اُن کا تعاقب کر رہی تھیں۔

اس طرح شہزادے کی حکمتِ عملی کے طفیل سینکڑوں مرہٹے قتل ہوئے۔ شہزادے کو اس مہم میں چار ہزار گھوڑے، سینکڑوں بیل، اُونٹ اور بیس ہاتھی بھی ہاتھ آئے جن پر لوٹ کا سارا مال لدا ہوا تھا۔ شہزادہ یہ سارا مال و اسباب لے کر صحرائے ماگڑی کی طرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس میں شہزادے نے فراست اور شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ شہزادہ دریائے ماگری ورگ کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اُس کے ساتھ چھ ہزار سوار، تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار سواروں کے علاوہ توپ خانہ بھی تھا۔

اُدھر دریائے رائے پتی کے کنارے مرہٹوں کا رسد کا قافلہ آ کر ٹھہرا جس میں 38 ہاتھی، اُونٹ اور بیل وغیرہ تھے۔ اُن سب پر سامانِ رسد بار تھا۔ اس قافلہ کی حفاظت پر دس ہزار سوار مامور تھے۔

شہزادے کو خبر ملی تو اُس نے قافلہ پر شب خون مارا۔ رات بھر جنگ ہوتی رہی اور شہزادے کا لشکر مرہٹوں کا قتل عام کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ تمام مرہٹہ لشکر قتل ہو چکا ہے۔ صرف چند گنتی کے افراد جان بچا کر بھاگ سکے تھے۔

شہزادے نے تمام سامانِ رسد اور بہت سا اسلحہ جو اس قافلہ سے حاصل ہوا، فی الفور سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔

1767ء کی میسور کی پہلی جنگ میں شہزادہ ٹیپو نے ایک اور معرکہ مارا۔

حیدر علی خاں نے شہزادے کو سات ہزار کا لشکر دے کر "ڈنگر" کی طرف روانہ کیا جہاں انگریز لشکر مقیم تھا۔ شہزادہ بندرگاہ کوڈیال پہنچا جہاں انگریزوں کے کئی جہاز اُن کی مدد کو موجود تھے۔

Marfat.com

قلعہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ تھا اور قلعہ سے ساحل سمندر تک انگریزوں کا لشکر پھیلا ہوا تھا۔

شہزادے نے فوراً حملے کی نادانی نہیں کی بلکہ باپ کو اطلاع دی کہ دشمن کا لشکر بے شمار ہے جو قلعہ سے ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اب کیا حکم ہے؟

حیدر علی اس مراسلے کے جواب میں خود کمک لے کر پہنچ گئے۔ پھر شہزادے کو قلعہ پر حملے کا حکم دیا۔ شہزادے نے ایسا طوفانی حملہ کیا کہ انگریزوں کو قلعہ چھوڑ کر جہازوں میں پناہ لینی پڑی۔ شہزادے نے دشمن کو ساحل پر بھی نہ ٹھہرنے دیا اور آخر کار انگریز اپنے بحری جہاز لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

انگریزوں کے ساتھ اس پہلی جنگ میں مرہٹے اور نظام دکن انگریزوں کے حلیف تھے اور دونوں نے میسور کے خلاف جگہ جگہ محاذ کھول رکھے تھے۔ حیدر علی نے اس وقت شہزادہ ٹیپو کو ایک لشکر دے کر مدراس پر حملہ کے لئے بھیج دیا۔ شہزادے نے مدراس پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ انگریز سراسیمہ ہو گئے اور اُنہیں حیدر علی کی شرائط پر معاہدہ کرنا پڑا۔

اسی سال نوجوان شہزادے نے بحیثیت سپہ سالار کے کڑپہ، کرنول، بلاری، اناگندی اور دھاڑواڑ پر لشکر کشی کی اور ان تمام معرکوں میں نصرت و فتح مندی نے اُس کے قدم چومے۔

شہزادہ ٹیپو کے ہر معرکہ اور کام میں حیرت اور استعجاب کا ایک پہلو ضرور نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی شادی بھی ایک حیرت انگیز واقعہ بن گئی۔

جب حیدر علی خاں کو لڑائیوں سے کچھ فرصت ملی تو اُنہوں نے شہزادہ ٹیپو اور خاندان کے دوسرے شہزادوں اور شہزادیوں کی شادیوں کی طرف توجہ دی۔ دوسرے شہزادوں اور شہزادیوں کے معاملات تو خوش اسلوبی سے طے ہو گئے مگر شہزادہ ٹیپو کی شادی میں ایک زبردست رخنہ پیدا ہو گیا۔

حیدر علی جس جگہ شہزادہ ٹیپو کی شادی کرنا چاہتے تھے وہاں اُن کے خانداں والے اور خاص کر اُن کی بیوی فاطمہ بیگم رضامند نہیں تھیں۔ فاطمہ بیگم اور دیگر خواتین محل نے شہزادے کے لئے خاندان ہی کی ایک لڑکی رقیہ بانو بنت لالہ میاں، ہمشیرہ برہان الدین کو پسند کر لیا تھا۔ جبکہ نواب بہادر نے اپنی بہو کے لئے امام صاحب بخشی نائطہ کی بیٹی کو منتخب کیا تھا۔ اس معاملہ پر میاں بیوی میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔

آخر کار اس کا حل والدہ حیدر علی خاں کی والدہ محترمہ مجیدہ بیگم نے پیش کیا۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ شہزادے کی شادی ان دونوں لڑکیوں سے کی جائے جنہیں حیدر علی اور فاطمہ بیگم نے الگ الگ پسند کیا ہے۔

Marfat.com

اس طرح ایک ہی رات میں شہزادے کی بارات دو بار چڑھی۔ ایک بار بارات امام صاحب کے گھر گئی اور دوسری بار بارات لالہ میاں کے دولت کدے پر پہنچی۔ دونوں لڑکیوں کا شہزادے کے ساتھ عقد ہوا اور دُلہنیں بیاہ کر شاہی محل میں آ گئیں۔

نواب بہادر حیدر علی خاں ابھی ان شادیوں سے بمشکل فارغ ہوئے تھے کہ اُنہیں مرہٹوں، نظام دکن اور انگریزوں سے کئی جنگوں میں اُلجھنا پڑ گیا۔ ان تمام جنگوں میں نوعمر شہزادہ ٹیپو اُن کے ہمرکاب تھا۔

پہلے قلعہ گتی فتح ہوا۔ پھر قلعہ چتل درگ، علاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ سلطنت خداداد میسور میں شامل کیے گئے۔

میسور کی دوسری جنگ وہ آخری جنگ تھی جس میں شہزادے نے اپنے باپ کے سائے میں جوہر شمشیر دکھائے۔ اس جنگ میں حیدر علی کو انگریزوں کے دو بڑے جرنیلوں، کرنل بیلی اور جنرل کوٹ سے مقابلہ کرنا پڑا۔

حیدری لشکر نے کرنل بیلی کو جو شکست دی اس میں شہزادے ٹیپو کی بہادری اور کارگزاری کو سب سے زیادہ دخل تھا۔

انگریزوں کا دوسرا جنرل سر آئر کوٹ انتہائی تجربہ کار جنرل تھا۔ اُس نے ایک بار حیدری فوج کو شکست بھی دی تھی مگر جس وقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی تو حیدر علی خاں نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادہ ٹیپو کے سپرد کر دی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہزادہ کس درجہ فنونِ جنگ میں ماہر ہو گیا تھا۔

ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم نہ ہوئی تھی کہ شہزادے کا عظیم باپ نواب حیدر علی خاں اس دنیا سے رُخصت ہو گیا۔

حیدر علی خاں کی موت اچانک نہیں ہوئی تھی۔ پچھلے چھ سات سال سے وہ سرطان کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ ہر سال اُن کی پیٹھ پر سرطان کا زہریلا پھوڑا نکلتا تھا جس کا زہر نشتر زنی کے ذریعے نکال دیا جاتا اور نواب بہادر آرام کرنے کی بجائے پھر گھوڑے کی پشت پر نظر آتے۔ یوں موت دھیرے دھیرے اُن کی طرف بڑھتی رہی۔ 1782ء کے آخری دنوں میں وہ بے حد کمزور ہو گئے تھے مگر آرام کے نام سے بھاگتے تھے۔

آخر محبان اور مخلصانِ سلطنت خداداد نے زبان کھولی۔

''شاہا! ہماری جانیں آپ پر نثار۔ اگر مناسب ہو تو شہزادے ٹیپو کو بلوا لیجئے اور کاروبارِ سلطنت اُن کے حوالے کر کے مکمل صحت یابی تک آرام فرمائیے۔''

Marfat.com

مصاحبین ایسی درخواستیں کئی بار پیش کر چکے تھے اور وہ رد ہو چکی تھیں۔ لیکن اس بار نواب بہادر جاں نثاروں کی بات ٹال نہ سکے اور اُنہوں نے شہزادے کو لکھا۔

''نورِ چشم راحتِ جانِ پدر!

درصورتے کہ تمہیں اس نواح کے مفسدوں کی تادیب سے قرار واقعی اطمینان حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدارِ راحت آثار سے جلد روشن اور منور کرو اور اگر کچھ کمک یا فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گزارش کرو۔''

ڈاکٹر درانی نے اپنی کتاب میں حیدر علی خاں کا خط بنام شہزادہ ٹیپو پوری تفصیل سے درج کیا ہے۔ اس کی نقل یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب بہادر نے اس خط کے ذریعے امراء اور مصاحبین کے اصرار پر شہزادے کو تمام اختیارات سونپ دیئے تھے۔

''اگر تم اس علاقے کی تادیب سے مطمئن ہو چکے ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدارِ راحت آثار سے روشن اور منور کرو۔ اس سے پہلے پورے معاملات کا جائزہ لے کر دیکھ لو کہ مزید فوج کی ضرورت ہے کہ نہیں۔ اگر ضرورت ہو تو اپنی مدد کے لئے اور فوج بلوا لو۔

ہم تمہیں امورِ سلطنت کا مختار بناتے ہیں اس لئے ایک پل کے لئے بھی سرکاری کاموں میں تجاہل اور تغافل نہ برتو۔''

جب شہزادے کو حیدر علی خاں کا یہ خط ملا تو وہ پالا گھاٹ میں انگریزوں کے مقابلہ پر خم ٹھونکے کھڑا تھا۔ انگریز لشکر کے سالار ہمبرسٹن اور کرنل روز لینگ تھے۔ دشمن پالا گھاٹ پر قابض تھا۔ 20 نومبر 1782ء کو شہزادے نے ہمبرسٹن پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس طرح پسپا ہوتے ہوتے وہ دریائے پونانی کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر ہمبرسٹن نے ایک جنگی چال چلی اور شہزادہ ٹیپو کی فوجوں کو گھیرے میں لے لیا۔

اُس وقت شہزادہ ٹیپو کے ساتھ فرانسیسی سردار موسیو لال بھی تھا۔ ان دونوں نے کوشش کر کے دشمن کا گھیرا توڑ دیا۔ پھر شہزادہ باپ سے ملنے کے لئے تیار ہوا۔

اسی دوران اُسے باپ کا خط ملا اور 12 دسمبر کو وہ اپنا لشکر لے کر میسور کی طرف روانہ ہو گیا۔

O

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب حیدری لشکر نے ارکاٹ کا قلعہ فتح کر لیا تو والا جاہ محمد علی کے تمام امرا اور ارا کین ریاست گرفتار کر کے حیدر علی کے حضور پیش کئے گئے۔

Marfat.com

ان گرفتار ہونے والوں میں اچنا پنڈت، ارشد بیگ خاں، چشتی یار خاں، سید حمید خاں، تنبو نائٹر اور میر صادق علی وغیرہ شامل تھے۔ ان لوگوں نے حیدر علی سے معافی کی درخواست کی اور سلطنت میسور کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

حیدر علی نے ان امرا ہی کو نہیں معاف کیا بلکہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ والا جاہ کے ان امرا میں میر صادق سب سے زیادہ چالاک، مکار، چرب زبان اور کینہ پرور تھا۔ میر صادق دراصل نظام دکن کے درباری امیر، میر عالم کا بھائی تھا۔ مگر یہ راز آخر وقت تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ میر صادق نے حیدر علی پر ایسا روغن قاز ملا کہ وہ بھی فریب کھا گئے اور اُنہوں نے اُس منافق کو افسر محصولات بنا دیا۔

حیدر علی کے انتقال کی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ مگر یہ خبر شہزادہ ٹیپو کو ملنے سے پہلے سرنگا پٹم پہنچ گئی۔ اور وہاں موجود اراکین سلطنت نے شہزادہ ٹیپو کے چھوٹے بھائی کریم صاحب کو تخت نشین کر دیا۔

کہتے ہیں کہ یہ قدم مصلحتاً اُٹھایا گیا تھا۔ لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ شہزادہ ٹیپو کی بجائے شہزادہ کریم صاحب کو تخت نشین کرانے میں اسکاٹ کے تائب ہونے والے امرا جن میں پیش پیش میر صادق تھا، کا یہ منصوبہ کارفرما تھا کہ اُن کے خیال میں شہزادہ ٹیپو پر قابو پانا مشکل تھا۔ جبکہ شہزادہ کریم صاحب ایک کمزور طبیعت کا جوان تھا جس پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا تھا۔

میسور کے اندرونی حالات اتنے خوفناک نہیں تھے جتنا شہزادہ ٹیپو وہاں سے دُور بیٹھا بنگلور میں محسوس کر رہا تھا۔ تاہم کچھ خطرات تھے ضرور۔

سرنگا پٹم میں اُس کے چھوٹے بھائی کریم صاحب کو تخت نشین کیا جا چکا تھا۔ یہ ایک خوفناک نہیں تو خطرناک بات ضرور تھی۔

دوسرا خطرہ جو زیادہ نمایاں معلوم ہوتا تھا، وہ راجہ میسور کی بغاوت کا امکان تھا جس کا بیج انگریز بوتے چلے آرہے تھے۔

میسور کا کاغذی راجہ کرشن راج دوم 1766ء میں انجہانی ہو گیا تھا۔ اُس کی جگہ نواب مرحوم نے اُس کے بیٹے نند راج کو گدی نشین کیا۔ وہ بھی 1770ء میں مر گیا تو اُس کے چھوٹے بیٹے چامراج کو راجہ بنایا گیا۔ مگر چھ سال بعد وہ بھی چل بسا۔

ان حالات میں نواب مرحوم اگر چاہتے تو شہزادہ ٹیپو کو بڑی آسانی سے گدی نشین کر کے اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتے تھے۔ لیکن اُن کی حمیت نے یہ گوارہ نہ کیا اور اُنہوں نے اسی خاندان کے ایک لڑکے کو خاصہ چمراج کا نام دے کر راج گدی پر بٹھا دیا جو ایک طویل

Marfat.com

عرصے تک گدی نشین رہا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ نواب بہادر نے میسور میں کاغذی راجاؤں کا سلسلہ برقرار رکھ کے اپنی آستین میں سانپ پال رکھے تھے کہ جب ایک مرتا تو وہ فوراً دوسرے کو راجہ بنا دیتے اور یوں مفت میں راجہ بننے والے اور راج محل کی رانیاں ہمیشہ سلطنت خداداد میسور کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں کوشاں رہتے۔ اُن کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ حیدر علی کو معزول کر کے میسور کے ہندو راجہ کو تخت نشین کیا جائے۔

نواب بہادر کے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے اس طرح کی ایک زبردست سازش ہوئی تھی جسے ''معاہدہ رانا'' کا نام دیا گیا۔ اس سازش کا مختصر حال اس طرح سے ہے۔

نواب حیدر علی نے راجہ میسور سے ملکی اور حکومتی اختیارات لے کر اسے محض نام کا راجہ بنا دیا تھا جسے صرف مذہبی رسومات ادا کرنے اور بعض ہندو تہواروں پر نذریں وصول کرنے کے لئے دربار لگانے کی اجازت تھی۔

نواب مرحوم کی رواداری کی یہ انتہا تھی کہ جب کسی تہوار پر راجہ دربار سجاتا تو اس کے تمام اخراجات خزانہ حیدری سے ادا کئے جاتے تھے۔ راجہ کو اگرچہ اخراجات کے لئے ایک بھاری رقم وظیفے کے طور پر ادا کی جاتی تھی لیکن ایسے درباروں پر راجہ اس قدر رقم خرچ کرواتا جو اُس کے سالانہ وظیفے سے دس گنا سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

آپ کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ ہندو مذہب میں آئے دن تہوار ہوا کرتے ہیں اور ہر ماہ ایک بڑا تہوار ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ راجہ سال میں کم از کم چار تہواروں پر دربار لگانے کی درخواست ضرور کرتا اور نواب بہادر کو اُس کے اخراجات برداشت کرنا پڑتے تھے۔

اگر سوال صرف کثیر رقم کے خرچ کا ہوتا تو بھی اسے برداشت کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسے درباروں میں سلطنت میسور کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے بڑے بڑے ہندو پنڈت، پوجا پاٹ کے نام پر بلائے جاتے جو در پردہ راج محل میں خفیہ اجلاس کرتے جن میں نواب بہادر کو معزول کرنے کے طریقے سوچے جاتے۔

سب سے زیادہ لطف کی بات یہ تھی کہ ان درباروں میں جن کے پس پردہ نواب بہادر کے خلاف سازشیں تیار ہوتی تھیں، ان میں اکثر نواب حیدر علی اپنے تمام اراکین سلطنت کے ساتھ بہ نفس نفیس شرکت کرتے اور ایک عام آدمی کی طرح راجہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور اُسے نذر پیش کرتے تھے۔

لیکن......

Marfat.com

یہ سانپ اور سنپولیے جنہیں نواب بہادر دُودھ پلا پلا کر زندہ رکھے ہوئے تھے، نواب کو ہر دم ڈسنے کے لئے آمادہ رہتے۔

اسی طرح ایک تہوار پر راج محل کی رانیوں، سری رنگناتھ کے مندر کے بڑے پجاری اور بیلور کے گنگا سیوا مندر کے پیشوا تے نواب بہادر کا تختہ اُلٹنے کی سازش تیار کی۔ اس سازش کا سرغنہ راج محل کی بڑی رانی کا گماشتہ ترمل راؤ تھا۔

ان سازشیوں کو معلوم تھا کہ اس سے پہلے بھی اس طرح کی کئی سازشیں ہو چکی ہیں جو سب عین موقع پر بے نقاب ہوگئی تھیں اور ان میں حصہ لینے والوں کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے آپس میں طے کیا کہ اس مرتبہ وہ اپنی اس سازش میں حیدر علی کے سب سے بڑے دشمن یعنی انگریز کو بھی شریک کریں گے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ ترمل راؤ بھیس بدل کے مدراس جائے گا اور وہاں انگریزوں کی حمایت اور سازش کی تفصیلات طے کرے گا۔

ترمل راؤ کسی زمانے میں پونا میں رہ چکا تھا اور اُس کے مرہٹہ سرداروں سے بھی تعلقات تھے۔ پس ترمل راؤ مسلمان کا بھیس بدل کر راج محل سے نکلا اور سیدھا مدراس پہنچا۔

اُن دنوں میسور کی دوسری لڑائی ہو رہی تھی اور انگریز حیدری لشکر کے سامنے زچ ہو کر رہ گئے تھے۔ ترمل راؤ نے جب انگریز گورنر کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا تو وہ اُچھل پڑا اور اُس نے اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ مگر اس منصوبہ میں کچھ ایسی خامیاں تھیں کہ اگر یہ منصوبہ ناکام ہو جاتا تو اس میں کئی ہزار انگریز مارے جاتے۔

اس خطرے کے پیش نظر گورنر مدراس نے منصوبے کو منظوری کے لئے کلکتہ (بنگال) بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ گورنر مدراس، بنگال کے لارڈ گورنر کے ماتحت تھا۔

کلکتہ جانے کے لئے بھی ترمل راؤ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ ترمل راؤ دراصل یہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو یہ سازش کامیاب ہو جائے اور راجہ رانی کے وعدے کے مطابق وہ میسور کے پہلے وزیراعظم کا عہدہ حاصل کر لے۔

مدراس کے گورنر نے اپنے ایک کپتان کے ساتھ ترمل راؤ کو کلکتہ بھجوا دیا۔ سازش واقعی کچھ ایسی خطرناک تھی کہ بنگال کا لارڈ گورنر بھی اس کی ذمہ داری لینے پر آمادہ نہ ہوا اور اُس نے گورنر مدراس کو مشروط اجازت دی۔ اُس نے یہ شرط عائد کی کہ جب تک میسور کے محاذ پر لڑنے والا جنرل اس منصوبے کو منظور نہ کرے اُس وقت تک اس پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔

اُس وقت حیدر علی کے خلاف میسور کے محاذ پر سر آئر کوٹ تمام فوجوں کا کمانڈر تھا۔ اس کی حیدر علی سے کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ ایک دفعہ اُسے کامیابی بھی ہوئی اور حیدر علی کو پسپا ہونا پڑا

Marfat.com

تھا۔اس کے باوجود جب جنرل کوٹ کو یہ منصوبہ پیش کیا گیا تو اُس نے فوراً ہی منظور نہیں کیا بلکہ اُس پر صرف غور کرنے کا وعدہ کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

رانی کے گماشتے ترمل راؤ کو اس منصوبے کی کامیابی کا اس قدر یقین تھا کہ کلکتہ جانے کے علاوہ وہ مدراس سے اس انگریز کپتان کے ساتھ جنرل آئر کوٹ سے ملنے کے لئے میسور کے محاذ پر بھی گیا۔

پھر ایسا ہوا کہ جب وہ جنرل کوٹ سے مل کر مسلمانوں کے بھیس میں محاذِ جنگ سے واپس آ رہا تھا تو اُسے سرنگا پٹم کے ایک سوار نے شناخت کر لیا۔

''ترمل راؤ! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' سوار نے گھوڑے سے اُتر کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

ترمل راؤ ایک مسلمان کی زبان سے اپنا نام سن کر گھبرا گیا اور بوکھلاہٹ میں بولا۔

''میں ترمل راؤ نہیں بلکہ تمہاری طرح ایک مسلمان ہوں۔

سوار کا غصہ بڑھ گیا۔اُس نے کمر سے خنجر کھینچا اور ترمل راؤ کے سینے پر رکھ دیا۔

''او کافر کے بچے! سچ بول دے۔ورنہ یہ خنجر تیرے سینے کے پار کر دوں گا۔''

ترمل راؤ کا خون خشک ہو گیا۔

''مجھے نہ مارو...... میں...... میں......'' وہ گھگھیانے لگا۔

سوار نے خنجر پر زور دیا اور خنجر ترمل راؤ کے کرتے سے گزر کر سینے سے ٹکرایا۔

''سچ بولنے کا یہ آخری موقع ہے۔'' سوار دانت پیس کر بولا۔

''ہاں، ہاں...... میں ترمل راؤ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے رانی ماتا نے لالچ دیا تھا۔ میں بہک گیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔''

سوار کے لئے صرف اقبالِ جرم ہی کافی تھا۔

''معافی یا موت کا حکم تو صرف نواب بہادر ہی دے سکتے ہیں۔''

ترمل راؤ کو گرفتار کر کے نواب بہادر کے پاس بھیج دیا گیا۔نواب بہادر نے ترمل راؤ کو قتل اور راجہ کے قبضے میں جتنے محلات تھے، اُن کے داروغاؤں کو معزول کر دیا۔رانی ماتا اور راجہ کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا اور اُن کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا۔

اس سلسلے میں ہندو قوم کی احسان فراموشی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ حالانکہ حیدر علی نے ہندو پنڈتوں اور پیشواؤں کے علاوہ اُن کی عبادت گاہوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا تھا۔

قارئین کو یہ پڑھ کر شاید تعجب ہو کہ حیدر علی نے بیلور کے گنگا سیوا مندر کے درمیانی قبہ کو خود تعمیر کرایا تھا۔

Marfat.com

اس کے علاوہ سرنگا پٹم کے سری رنگناتھ مندر کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جسے حیدر علی نے ازسرِنو تعمیر کرایا تھا۔ اس مندر کے متعلق میتھک سوسائٹی جرنل (اپریل 1939ء) اپنے صفحہ 454 پر اس طرح رقم طراز ہے:۔

''1774ء میں قدیم الدین خاں نامی ایک شخص کے مکان میں آگ لگ گئی۔ یہ مکان سری رنگناتھ کے متصل واقع تھا۔ آگ اس قدر شدید تھی کہ قدیم الدین خاں کا مکان اور سری رنگناتھ کا مندر دونوں ہی جل کر خاکستر ہو گئے۔

چنانچہ حیدر علی خاں نے جہاں قدیم الدین خاں کا مکان دوبارہ تعمیر کرا دیا وہاں اُس نے اس مندر کو بھی دوبارہ تعمیر کیا۔''

اور اس مندر کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ حیدر علی سے لے کر سلطان ٹیپو کی شہادت تک سلطنتِ خداداد میسور کے خلاف مرہٹوں، نظام دکن اور انگریزوں کے علاوہ میسور کے راجہ اور رانیوں نے جتنی سازشیں کیں، جتنے منصوبے بنائے ان میں اس مندر کا کوئی نہ کوئی پنڈت یا پیشوا ضرور شامل رہا۔

''معاہدہ رانا'' کے بارے میں تاریخ لکھتی ہے:۔

''مدراس میں انگریزوں اور ہندوؤں کے درمیان جو معاہدہ (رانا) ہندو خاندان کے لئے تخت کی بازیابی کے لئے ہوا تھا، اس پر رانی کے گماشتے ترمل راؤ اور کمپنی کے نمائندے جان سلیوان نے دستخط کئے تھے۔ یہ معاہدہ سر آئر کوٹ کے پاس بھی آیا تھا جس پر اُس نے مناسب توجہ نہ دی۔ معاملہ وقتی طور پر دب گیا مگر چنگاری سلگتی رہی۔''

O

شہزادہ ٹیپو کو باپ کے انتقال کی خبر 11 دسمبر کو مل گئی تھی اور وہ 12 دسمبر کو چل بھی پڑا۔ مگر وہ ارکاٹ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔

وہ باپ کے انتقال کی خبر سے رنج والم میں مبتلا تھا اور جلد از جلد خیمہ گاہ پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر مصلحت اُس کے قدم روک رہی تھی۔ کیونکہ معاملہ اُس کے بھائی کا تھا جو اس وقت تخت نشین ہو چکا تھا۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ حیدر علی کا انتقال ارکاٹ کے قریب تمری کے مقام پر ہوا تھا۔ پھر جب اس کی خبر سرنگا پٹم پہنچی تو وہاں ارا کین سلطنت نے فوراً چھوٹے شہزادے کریم صاحب کو تخت نشین کر دیا۔ یہ دونوں خبریں شہزادہ ٹیپو کو ملیں تو وہ مصلحتاً ارکاٹ کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔

Marfat.com

دراصل وہ مرحوم باپ کی خیمہ گاہ اور سرنگا پٹم کے دربار کا اپنے بارے میں ردِعمل معلوم کرنا چاہتا تھا۔

مؤرخین نے اس سلسلے میں اس بات کا شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ شہزادہ ٹیپو کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایسا نہ ہو وہ خیمہ گاہ پہنچے اور اُس کا بھائی کریم جو بادشاہ بن چکا تھا، سرنگا پٹم سے شاہی فوج لے کر اُس کے مقابلہ پر آ جائے۔

شہزادے کے خدشات ایک حد تک درست تھے۔ اس لئے کہ کریم صاحب کو تخت نشین کرانے میں میر صادق آگے آگے تھے۔ یہ وہی نمک حرام تھا جسے حیدر علی نے افسر مالیات بنایا تو محمد علی کمیدان نے فوراً اعتراض کیا تھا کہ:۔

> ''نواب بہادر! آپ سلطنت کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سولی پر چڑھا دیں۔ مگر میں یہ گستاخی کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ پرانے نمک خواروں کو نظر انداز کر کے آپ نے والا جاہ کے سب سے زیادہ قریبی مصاحب میر صادق کو افسر مال بنایا ہے۔ قدیم وفادار خواہ زبان سے شکوہ نہ کریں مگر ان کے دلوں کو ٹھیس ضرور پہنچے گی۔''

نواب بہادر اپنے وفادار سردار کے اس بے باکانہ مگر ایک سچے اعتراض پر چونک ضرور پڑے تھے۔ اُنہوں نے دل میں سوچا بھی ہو گا کہ واقعی اُنہوں نے پرانے وفاداروں کی حق تلفی کی ہے۔ مگر راج ہٹ تو راج ہٹ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے فوراً بات بنا دی تھی کہ:۔

> ''محمد علی! کوئی بات نہیں۔ میں اپنے وفاداروں کو اس سے بہتر عہدے دُوں گا۔ مگر اب میں میر صادق کو افسر مالیات بنا چکا ہوں، اسے بغیر کسی وجہ کے معزول کر دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ ہاں تم بھی خیال رکھو۔ اگر اس کی طرف سے ذرا بھی بد دیانتی ہو تو اُسے نہ صرف معزول کیا جائے گا بلکہ ایسی سزا ملے گی کہ اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔''

مگر...... اس کا وقت ہی نہ آ سکا اور نواب بہادر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب اُن کی جانشینی کا مسئلہ اُلجھ گیا تھا۔

جب سرنگا پٹم کے امرا کو معلوم ہوا کہ شہزادہ ٹیپو، ارکاٹ کے قریب ٹھہر گیا۔ اور وہ نواب مرحوم کی خیمہ گاہ تک جانے میں پس و پیش کر رہا ہے تو وہ بہت فکر مند ہوئے۔ محمد علی کمیدان نے اس وقت بھی سب سے پہلے زبان کھولی۔

''کیوں میرزا خاں! ہم نے کریم صاحب کو تخت نشین کر کے غلطی تو نہیں کی؟''

Marfat.com

میرزا خاں سب سے زیادہ پریشان تھا۔ کیونکہ میر صادق کے اس منصوبے کی اُسی نے سب سے پہلے تائید کی تھی کہ کریم صاحب کو وقتی طور پر تخت نشین کر دیا جائے تاکہ دشمنوں کو سازشیں کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

''سردار محترم!'' میرزا خاں نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''اس وقت میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ دشمنوں کی مخالفت سے بچنے کے لئے ہمیں فوراً شہزادہ ٹیپو کے متبادل کو تخت نشین کر دینا چاہئے۔ اس لئے میں نے افسر مالیات میر صادق کے اس منصوبہ کی تائید کی تھی۔ بخدا میرے دل میں اس کے سوا اور کوئی ارادہ ہرگز نہ تھا۔''

''میرزا خاں! اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ پر شبہ کر رہا ہوں۔ جو غلطی ہونا تھی وہ تو ہو گئی۔'' محمد علی کمیدان نے کہا۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ شہزادہ بہادر نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ جب تک سرنگا پٹم کی فضا صاف نہیں ہو جاتی اُس وقت تک نہ تو وہ ارکاٹ کی خیمہ گاہ میں داخل ہوں گے اور نہ ہی سرنگا پٹم آئیں گے۔''

محمد علی کمیدان بڑا صاف گو بلکہ منہ پھٹ سردار تھا۔ سچ بولنے کے معاملے میں وہ حیدر علی خاں کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ شہزادہ ٹیپو کو سرنگا پٹم کے امرا کی نیتوں پر شبہ ہے اس لئے اُس نے اپنے قدم روک لئے ہیں۔

اس گفتگو کے وقت وہاں دوسرے سرداروں کے ساتھ وزیر مال میر صادق بھی موجود تھا۔ وہ محمد علی کمیدان اور میرزا خاں کی گفتگو سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ انہیں کریم صاحب کی تخت نشینی سخت ناگوار گزری ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اُسے معزول کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔ اس صورت میں کریم صاحب کی تخت نشینی کی پوری ذمہ داری اس پر عائد ہو جائے گی۔ یہ سوچتے ہی وہ روہانسا منہ بنا کر بولا۔

''سردارانِ گرامی! یہ غلطی تو مجھ بدنصیب سے ہوئی ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات دوسرا رُخ اختیار کر لیں گے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ میرا سر قلم کر کے شہزادہ ٹیپو کے حضور روانہ کر دیجئے۔ اور اُن کو مطلع کیجئے کہ وہ بدبخت انسان اب اس دنیا میں نہیں رہا جس نے ملک وملت کے مفاد کی خاطر ایک غلط منصوبہ پیش کیا تھا۔'' اور اس کے ساتھ ہی اُس کی مکار آنکھوں سے جھما جھم آنسو برسنے لگے۔

میرزا خاں نے آگے بڑھ کر اُسے تسلی دی۔ ''تم فکر نہ کرو افسر مالیات! یہ غلطی تو ہم سب سے ہوئی ہے۔ اور ہم سب مل کر اس کا تدارک کریں گے۔ تم نے تو بھلائی سوچ کے یہ مشورہ دیا تھا۔ اب ہماری قسمت کہ اس کا اثر اُلٹا ہوا۔''

Marfat.com

محمد علی کمیدان پر میر صادق کے رونے دھونے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اُس نے میرزا خاں کو مخاطب کیا اور کہا۔ ''میرزا خاں! بہتر ہے کہ ہم اس سلسلے میں شہزادہ ٹیپو سے گفتگو کر کے فوراً کسی نتیجے پر پہنچیں۔''

میرزا خاں نے تائید کی۔ ''میں آپ کے ساتھ ہوں سردار! چلئے شہزادے کے پاس چلتے ہیں۔ یہ مسئلہ فوراً حل ہونا چاہئے۔''

میر صادق نے ایک قدم آگے بڑھا کر محمد علی کمیدان کی چاپلوسی کی۔ ''آپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے سردار! ہم سب کو فوراً شہزادہ بہادر کے پاس چلنا چاہئے۔''

''وہاں تم نہیں جاؤ گے میر صادق علی!'' کمیدان نے ترش لہجے میں کہا۔

میر صادق کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو گیا۔ مگر اُس نے خوشامد کا دوسرا تیر چلایا۔

''دیکھئے نا سردار! بات پہلے میں نے شروع کی تھی۔ میں شہزادے سے معافی طلب نہیں کروں گا تو سارا الزام میرے سر آ جائے گا۔''

محمد علی کمیدان کی آواز میں کچھ زیادہ تلخی گھل گئی اور لہجہ تند ہو گیا۔

''معافی ہم سب کو مانگنا ہے۔''

پھر اُس نے میر صادق کی طرف سے منہ پھیر کر میرزا خاں سے کہا۔

''صرف آپ شہزادے کے پاس جائیں گے اور ہم سب کی طرف سے عرض کریں گے کہ شہزادے کے سرنگا پٹم نہ آنے کی وجہ سے ہم تمام سردار مغموم اور دل شکستہ ہو رہے ہیں۔ ہم نے شہزادہ کریم صاحب کو تخت نشیں کر کے جو اضطراری غلطی کی ہے ہم اس کی تحریری معافی مانگتے ہیں۔ خدا کے لئے کسی شبہ کو دل میں جگہ نہ دیجئے۔''

''ٹھیک ہے سردار! مگر وہ معافی نامہ......''

محمد علی کمیدان نے میرزا خاں کو بات پوری نہ کرنے دی اور بولا۔

''آپ تمام لوگ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیجئے کہ ہم نے شہزادہ کریم صاحب کو تخت نشین کرنے کی غلطی کی ہے۔ اس کے لئے ہم دست بستہ معذرت خواہ ہیں۔ یہ تمام معافی نامے میرزا خاں اپنے ساتھ لے جائیں گے اور شہزادے کے حضور پیش کریں گے۔''

مجلس میں موجود تمام سرداروں نے اپنے معافی نامے لکھ کر میرزا خاں کے حوالے کر دیئے۔ میرزا خاں نے ایک لمحہ کی دیر نہ کی اور معافی نامے سمیٹتے ہی وہ ارکاٹ کے لئے روانہ ہو گیا۔

○○○

Marfat.com

●

شہزادہ ٹیپو گزشتہ تمام رات نہ سو سکا تھا۔ کبھی خیمہ کے اندر اور کبھی خیمہ کے باہر ٹہل ٹہل کر اُس نے سویرا کیا تھا۔

یوں تو پچھلی کئی راتیں اُس نے بے چینی سے کاٹی تھیں لیکن یہ رات اُس کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن تھی۔ اُس کو بار بار یہی خیال ستا رہا تھا کہ خدا معلوم وہ لوگ کون تھے جنہوں نے مجھے نظر انداز کر کے میسور کا تخت شہزادہ کریم کو پیش کر دیا۔

''شہزادہ بہادر! سرنگا پٹم سے میرزا خاں تشریف لائے ہیں اور اذنِ قدم بوسی کے آرزومند ہیں۔'' ایک پہریدار نے خیمہ میں داخل ہو کر شہزادے کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

شہزادے کا چہرہ کھل اُٹھا۔ مگر اُس نے خود پر قابو رکھا۔

''مہا[1] میرزا خاں کو آنے دیا جائے۔''

میرزا خاں نے داخل ہو کر شہزادے کو سلام پیش کیا پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے انتظار کیا کہ شاید مہا میرزا خاں کچھ کہے گا مگر وہ خاموش رہا۔ تب شہزادہ ٹیپو نے خود ہی سکوت توڑا۔

''مہا میرزا خاں! خوش آمدید۔ کہو کیسے آنا ہوا؟''

میرزا خاں نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔

''شہزادہ بہادر! میں اور تمام امرا نے جو اس وقت سرنگا پٹم میں جمع ہیں، ایک اضطراری اور سیاسی غلطی کی ہے، اُس کی معافی مانگنے حاضر ہوا ہوں۔''

شہزادے کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔

''اس غلطی کی کوئی وجہ، کوئی جواز تو ضرور ہو گا۔'' شہزادے نے اپنی طمانیت کے لئے سوال کیا۔

''شہزادہ عالی مقام!'' میرزا خاں نے سنبھل کے کہنا شروع کیا۔ ''سرنگا پٹم کے امرا کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ نواب والا تبار کے انتقال پُر ملال کی خبر چاروں طرف پھیل چکی ہے۔ شہزادہ

[1] میرزا خاں، مہا میرزا خاں کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔

Marfat.com

عالی مقام کو بھی مطلع کیا جا چکا تھا مگر آپ کی آمد میں تاخیر نے سردارانِ فوج اور امرا کو بدحواس کر دیا کہ سلطنت کے بدخواہ کہیں یہ سمجھ کر کہ میسور کے تخت و تاج کے لئے اندرونِ خانہ اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، سرنگا پٹم پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ پس امرا اور سرداروں نے یہ بہتر خیال کیا کہ شہزادہ کریم کو مصلحتاً وقتی طور پر تخت نشین کر دیا جائے اور آپ کے سرنگا پٹم پہنچنے پر شہزادہ کریم تخت سے دست بردار ہو جائیں۔''

شہزادہ ٹیپو کچھ دیر سوچتا رہا، پھر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ ''دوسرے سرداروں نے کیا فیصلہ کیا ہے اس سلسلے میں؟''

''سب امیر، وزیر اور سردارانِ فوج بیک وقت معافی کے طلبگار ہیں شہزادہ بہادر! میرے پاس اس کا دستاویزی ثبوت بھی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میرزا خاں نے بغل میں دبا ہوا ایک پلندہ شہزادے کی طرف بڑھا دیا اور ساتھ ہی کہا۔ ''یہ وہ معافی نامے ہیں جو امراء، وزراء اور دیگر عمائدین سلطنت نے الگ الگ اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔''

شہزادے نے پلندہ ایک طرف رکھ دیا، پھر مہا میرزا خاں کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میرزا خاں ہاتھ باندھے آگے بڑھا۔ شہزادے نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔

''اے سلطنت میسور کے چمکتے دمکتے ستارے! آ اور میرے گلے سے لگ جا۔''

میرزا خاں نے بھی کمالِ مسرت سے بازو وا کر دیئے اور شہزادے کو اپنے بازوؤں میں کھینچ لیا۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا اور اس خوشی کا اظہار اُس کے بہتے ہوئے آنسوؤں سے بخوبی ہو رہا تھا۔

میرزا خاں سے بغل گیر ہونے کے بعد شہزادے نے سرداروں کے معافی ناموں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ دوسرے سرداروں کے علاوہ ان معافی ناموں میں افسر مالیات میر صادق علی کا معافی نامہ بھی شامل تھا۔

شہزادے اور میرزا خاں نے اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں حیدر علی خاں کو عارضی طور پر دفن کیا گیا تھا۔ فاتحہ سے فارغ ہو کر شہزادے نے مسرت سے کہا۔

''مہا میرزا خاں! میرا دل اپنے امرا کی طرف سے صاف ہو گیا ہے۔ اب مجھے سرنگا پٹم جانے میں کوئی تکلیف نہیں۔''

''تو پھر کوچ کا حکم فرمایئے شہزادہ بہادر!'' میرزا خاں نے سر خم کر کے کہا۔ ''سرنگا پٹم کا تخت و تاج اور بچہ بچہ آپ کا منتظر ہے۔''

شہزادے نے اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

Marfat.com

میرزا خاں نے روانگی سے پہلے دو تیز رفتار سوار سرنگا پٹم اس اطلاع اور حکم کے ساتھ روانہ کئے کہ وارثِ تاج وتخت اپنے تاج وتخت کی طرف آ رہا ہے۔ خاص وعام استقبال کے لئے تیار رہیں۔

سرنگا پٹم میں شہزادے کی آمد کی خبر پہنچتے ہی عوام وخواص نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔ امرا اور وزراء نے طے کیا کہ وہ سرنگا پٹم کی سرحد پر شہزادے کو خوش آمدید کہیں گے۔

○

شہزادہ ٹیپو جلد از جلد سرنگا پٹم پہنچنا چاہتا تھا لیکن اُس کی آمد کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی اس لئے سرنگا پٹم جانے والے راستے پر عوام دو رویہ قطار بنا کر کھڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شہزادے کو مجبوراً اپنی رفتار کم کرنا پڑی۔ اُسے جگہ جگہ ہاتھ ہلا کے اُن کے پُر جوش نعروں کا جواب دینا پڑتا تھا۔

شہزادے کے لئے آنکھیں تو فرشِ راہ تھیں لیکن عوام نے اُس پر پھولوں کی اس قدر بارش کی کہ راستے پر پھولوں کا ایک فرش بچھ گیا۔

سرنگا پٹم کی سرحد پر تمام امرا اور وزرا نے شہزادے کا پُر جوش استقبال کیا۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار تھا اس لئے استقبال کو آنے والے تمام لوگ شہزادے کے احترام میں پاپیادہ ہو گئے۔

استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے شہزادہ کریم تھا جس کی حیثیت اس وقت تک میسور کے سلطان کی تھی۔ وقتی سلطان یعنی شہزادۂ کریم پاپیادہ، پُر وقار قدم اُٹھاتا اپنی جگہ سے شہزادے کے مرکب تک پہنچا اور بڑے خلوص سے شہزادے کی رکاب کو بوسہ دیا۔

"میں شہزادۂ عالی مقام کی سرنگا پٹم آمد پر تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اپنی اس وقتی سلطانی کے اعزاز کو جو مجھے مصلحتاً بخشا گیا تھا، سے خود کو سبکدوش کر کے شہزادہ بہادر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔"

شہزادہ کریم کی آواز میں محبت اور خلوص کا ایسا درد بھرا تھا کہ شہزادہ ٹیپو بے چین ہو گیا۔ وہ فوراً گھوڑے سے اُترا اور بھائی کو سینے سے لگا لیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ دونوں بھائی گلے لگے ہوئے تھے اور اُن دونوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں۔

امرا اور وزرا نے شہزادہ ٹیپو سے درخواست کی کہ انہیں سلطنت خداداد میسور (بعض تاریخوں میں سرکارِ خداداد میسور ہے) کے شایانِ شان تاجپوشی اور جشن تاجپوشی کی اجازت دی جائے تاکہ سرنگا پٹم میں ویسا ہی جشن منایا جا سکے جیسا کہ دہلی کے شہنشاہوں کی تاجپوشی کے مواقع پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ مگر شہزادہ ٹیپو نے اس کی اجازت نہ دی۔

98265

Marfat.com

شہزادے کا جلوس سرنگا پٹم میں ڈوبتے سورج کے وقت پہنچا تھا اس لئے طے پایا کہ رسم تاج پوشی دوسرے دن صبح کو ادا کی جائے۔

اُس رات شہزادے نے مخصوص امرا کو کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں محمد علی کمیدان اور مہا میرزا خاں خصوصیت سے مدعو کئے گئے تھے۔

شہزادے نے کھانے کے دوران اچانک میرزا خاں سے سوال کیا۔

''میرزا خاں! ہمیں محسوس ہوا ہے کہ ہمارے استقبال کے لئے آنے والوں میں بعض امیر اور وزیر شریک نہیں ہوئے۔ کیا اس کی وضاحت ہو سکتی ہے؟''

میرزا خاں کے ہاتھ میں نوالہ تھا۔ اُس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ وہ جواب سوچ رہا تھا کہ محمد علی کمیدان نے شہزادے کو اپنی طرف مخاطب کر لیا۔

''شہزادہ بہادر! اس کا جواب میں عرض کرتا ہوں۔''

شہزادے نے حیران نظروں سے اُسے دیکھا۔

''شہزادہ بہادر!'' محمد علی کمیدان نے سنبھل کے کہنا شروع کیا۔ ''دراصل میر صادق علی کے اطوار و عادات شروع ہی سے خراب ہیں۔ یہ شخص والا جاہ محمد علی کا منہ چڑھا مصاحب تھا اور اس کے لئے شراب و کباب کی محفلیں آراستہ کرتا تھا۔ سرنگا پٹم میں آنے کے بعد اس کے اطوار درست ہونے کی بجائے اور بگڑ گئے......''

شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے محمد علی کمیدان کو روک دیا۔

''بزرگ سردار! آپ ایک عظیم فوجی سالار ہیں اس لئے آپ کو میدانِ جنگ اور جنگی حکمت عملی پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ اگر کسی امیر کے اطوار بگڑے ہوئے ہیں تو اس کی ذمہ داری کوتوالِ شہر اور قاضی شہر پر عائد ہوتی ہے۔ آپ اپنے سر ان ذمہ داریوں کو کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟''

محمد علی کمیدان نے شہزادے کا احترام تو برقرار رکھا مگر جواب دیتے وقت اُس کے لہجے میں تھوڑی سی تلخی پیدا ہو گئی۔ ''شہزادہ بہادر! میر صادق پر شبہ ہے کہ اس نے شہزادہ کریم کو سلطان بنانے کا جو منصوبہ پیش کیا تھا اس میں وہ مخلص نہیں بلکہ بددیانت تھا۔ اسی شبہ پر میں نے اُسے اُس کی حویلی میں پابند کر دیا ہے۔''

''بزرگ سردار! یہ آپ نے کیا، کیا؟'' شہزادے کی آواز ایک دم تیز ہو گئی۔ ''کیا آپ کے پاس میر صادق کی بددیانتی کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجئے۔''

''شہزادہ بہادر! ثبوت بہت جلد مہیا ہو جائے گا۔'' محمد علی کمیدان نے شہزادے کی ناراضگی

Marfat.com

کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میر صادق پر یہ بھی شبہ ہے کہ اُس نے آپ کی سرنگا پٹم آمد پر بھی آپ کو نقصان پہنچانے کا منصوبہ بنایا تھا مگر میں نے اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو اُن کے گھروں میں قید کر دیا ہے تا کہ وہ کوئی ہنگامہ نہ برپا کر سکیں۔''

''یہ تو تم نے اور بھی ظلم کیا محترم سردار!'' شہزادے کو سخت غصہ آ گیا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ بابا مرحوم نے ارکاٹ پر قبضہ کے بعد میر صادق کو میسور کا افسر مال مقرر کیا تھا۔ کیا اس کے خلاف غبن یا بد دیانتی کا کوئی مقدمہ پیش ہوا؟''

''مقدمہ تو پیش نہیں ہوا لیکن......''

محمد علی کمیدان نے جواب دینے کی کوشش کی مگر شہزادے نے سختی سے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''پھر میر صادق کو کیوں نظر بند کیا گیا؟'' شہزادے کے لہجے میں شاہانہ گھن گرج پیدا ہو گئی تھی۔

محمد علی کمیدان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس لئے کہ اُس کے پاس کوئی تحریری ثبوت یا شہادت موجود نہ تھی۔ شہزادے نے میرزا خاں کو حکم دیا۔

''میرزا خاں! یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ میر صادق اور دوسرے تمام لوگ جو ہمارے خلاف بغاوت اور فتنہ و فساد پیدا کرنے کے شبہ میں گرفتار ہوئے ہیں اُنہیں فوراً رہا کیا جائے۔ ہم اُنہیں کل کی رسم تاجپوشی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ مرحوم بابا حضور نے امرا کو جن عہدوں پر سرفراز کیا تھا وہ اسی طرح برقرار رہیں گے۔ دوسری بات یہ کہ آج سے کسی شخص کو محض شبہ کی بنا پر گرفتار نہیں کیا جائے گا جب تک ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو۔''

تمام نظر بندوں کو رات ہی میں رہائی مل گئی اور دوسرے دن وہ رسم تاجپوشی میں شریک تھے۔

رسم تاجپوشی کے لئے نہ دربارِ سلطانی کو کروفر سے سجایا گیا تھا اور نہ شہر میں آرائشی محرابیں لگائی گئی تھیں۔ اس لئے کہ شہزادہ ٹیپو ایک سادہ طبیعت انسان تھے اور اُنہیں تخت نشینی کے رسمی لوازمات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

رسم تاجپوشی بڑی سادگی سے ادا کی گئی۔

یک شنبہ (پیر) 20 محرم الحرام 1196ھ مطابق 1783ء شہزادہ ٹیپو نے تاجِ شاہی زیب سر کیا اور ''سلطان'' کا لقب اختیار کیا۔ واضح رہے کہ ''سلطان'' کا لفظ اُس کے نام کا ایک حصہ بھی تھا۔

ارکانِ دولت کو لباسِ فاخرہ عطا ہوا۔ سلطان نے اپنے جانثاروں اور سرداروں کو بیش قیمت

Marfat.com

انعامات دیئے۔ تمام قلعداروں، حوالداروں، گورنروں اور دیگر عمالِ دولت کو رقعے، خط ار فرمان اس موضوع کے روانہ کئے گئے کہ جو شخص مرحوم نواب بہادر کے حکم سے جس عہدے پر سرفراز ہوا تھا وہ اس پر قائم رہے گا۔

سرکاری طور پر جشن کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا مگر عوام کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے طور پر خوشی منا اور جشن کر سکتے ہیں۔

رسم تاجپوشی کے اختتام پر سلطان نے دربار میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کی خاص خاص باتیں درجِ ذیل تھیں۔

1- میں ایک معمولی انسان ہوں۔

2- یہ زندگی ناقابل اعتبار ہے۔

3- حکومت اور وجاہت مٹ جانے والی چیز ہے۔

4- میں جب تک زندہ رہوں گا وطن والوں کے لئے جدوجہد کروں گا۔

5- مجھے ظاہری شان وشوکت سے مرعوب کیا جا رہا ہے۔

6- مجھے نہ مظاہرے ڈرا سکتے ہیں نہ دھمکیاں پیچھے ہٹا سکتی ہیں اور نہ قہر وجلال کے مناظر سے میرے ارادے متزلزل ہو سکتے ہیں۔

7- اگر برقِ ستم مجھے ہلاک کر دے تو اس وقت بھی میری زبان پر یہ الفاظ ہوں گے:

''اے زندہ رہنے والو!
آگے بڑھو۔ خدائے قدوس تمہاری کوشش میں برکت دے اور تم اپنی منزل کو پہنچو۔''

8- آزادیٔ وطن کے لئے ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اُتر سکتے ہیں۔ لیکن حب وطن کے جذبات کبھی نہیں مٹ سکتے۔

ایک تاریخ کے مطابق سلطان ٹیپو شہید نے اپنی پہلی تقریر میں مادرِ وطن کو مخاطب کر کے یہ الفاظ ادا کئے تھے:

''اے میرے پیارے وطن!
میری محبت اور میرا دل تیرے لئے ہے۔ میری حیات اور میرا وجود تیرے لئے ہے۔ میرا خون اور میری جان تیرے لئے ہے۔''

جشن تاجپوشی کے اختتام سے پہلے امرا اور وزرا میں عہدوں کی تقسیم ہوئی۔ کچھ کے عہدے تبدیل ہوئے اور کچھ کو ترقی دی گئی۔

Marfat.com

میر صادق جو پہلے افسر مال تھا اُسے ترقی دے کر سلطان ٹیپو نے وزیر اعظم (دیوان) کا عہدہ عطا کیا جو کہ سلطنت کا سب سے اہم عہدہ تھا۔

میر صادق کے ساتھ پورنیا کو وزیر مالیات بنا دیا گیا۔

O

سلطان ٹیپو نے جنوبی ہند کی سب سے بڑی سلطنت یعنی "سلطنت خداداد میسور" کی باگ ڈور ایک ایسے وقت میں سنبھالی تھی جب ہر طرف فرنگی کافروں کا دور دورہ تھا۔ عیسائی مشنریاں جگہ جگہ کام کر رہی تھیں۔ ہندو راج کے منصوبے بنانے والے پونا میں اکٹھے ہو رہے تھے اور دربارِ دہلی کی سطوت قلعہ دہلی میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ گلستانِ اسلام میں جھاڑ جھنکاڑ اُگ آئے تھے۔

ان حالات میں ایک ایسے سچے مسلمان کی ضرورت تھی جس کی دُور رس نظریں مستقبل کی تحریر پڑھ سکیں۔ بدعت اور کفر کے اُٹھتے ہوئے فتنہ کا سر کچلنے کے لئے سر سے کفن باندھ کر میدانِ کارزار میں نکلے اور اپنی زندگی اسلام کے احیا اور بقا کے لئے وقف کر دے۔

ایسے پُر آشوب دور میں سلطان ٹیپو جیسا صاحب یقین شخص اُفق اسلام پر آفتاب بن کر اُبھرا۔ اُس کی آمد گلستانِ وطن میں بادِ بہاری لے کر آئی۔ اُس نے اسلام کے دشمنوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

مگر...... اس کو کیا کہا جائے کہ کچھ اہل وطن نے اپنے مفاد کی خاطر قبائے وطن کو تار تار کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

سلطان قدم قدم پر اُگے ہوئے خار و خاشاک کو اُکھاڑتا رہا۔ وہ آگے بڑھتا رہا اور غدارانِ ملت اُس کا دامن کھینچتے رہے اور یہ سلسلہ ایک زمانے تک یونہی چلتا رہا۔

O

حیدر علی خان کے انتقال کے وقت انگریزوں سے جنگ ختم نہ ہوئی تھی۔ جنرل اسٹوارٹ اور جنرل لینگ (لانگ) کے زیر کمان انگریزی فوج وانڈی واش میں ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔

سلطان ٹیپو ایک لشکر لے کر مرو اور عملور کے راستے آگے بڑھا اور وانڈی واش سے پانچ میل دُور انگریزوں کے سامنے خیمہ زن ہوا۔

سلطان نے رات میں فوجوں کی ترتیب کا نقشہ تیار کیا۔ کچھ دستے مختلف مقامات پر رات ہی میں تعینات کر دیئے گئے مگر صبح کو عجب گل کھلا۔ انگریزی فوج جو بڑے طمطراق سے سامنے جمی ہوئی تھی، صبح ہوتے ہی اپنا بوریا بستر لپیٹ میدان سے روانہ ہو گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ

Marfat.com

گورنر مدراس نے اس لشکر کو فوراً مدراس واپس آنے کا حکم دیا تھا۔

سلطان بھی اپنے لشکر کو لے کر تر دتور کی طرف بڑھا اور وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔

نواب حیدر علی خاں مرحوم کے زمانے میں لوگوں کو گڑبڑ کرنے یا بغاوت کی جرأت کم ہوتی تھی۔ مگر اُن کے دنیا سے اُٹھتے ہی مفسدہ پردازوں نے پھر سر اُٹھایا۔ اُن کا خیال تھا نوجوان سلطان میں حیدر علی جیسی خوبیاں نہ ہوں گی اور وہ اچھی طرح فوجوں کی کمان نہ کر سکے گا۔ چنانچہ بغاوتیں اور سازشیں جگہ جگہ ٹوٹ پڑیں۔

سلطان ٹیپو ابھی یہیں خیمہ زن تھا کہ اُسے بیک وقت چار بغاوتوں اور سازشوں کی اطلاع ملی۔

ایک سازش حیدر نگر میں ہوئی۔ حیدر نگر وہی جگہ ہے جسے مرحوم حیدر علی خاں نے ایک معمولی قصبہ سے ایک خوبصورت شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اُنہوں نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں اور دفاتر قائم کر کے اُسے دوسرا دارالسلطنت بنایا۔

حیدر نگر، جو نگر کے نام سے زیادہ مشہور تھا، کا گورنر ایاز خاں تھا۔ اس ہندو بچے کو حیدر علی خاں نے پال پوس کے جوان کیا تھا اور اپنا لے پالک بنایا تھا مگر اس احسان فراموش نے اُن کی آنکھیں بند ہوتے ہی انگریزوں سے سازش کی اور کوڈیال اور حیدر نگر کا سودا کر کے یہ دونوں شہر انگریزوں کے حوالے کر دیئے۔

دوسری سازش کی اطلاع دارالسلطنت سرنگا پٹم سے موصول ہوئی۔ وہاں انچے شامیا نے قلعدار سے مل کر سازش کا ڈول ڈالا اور دونوں میں یہ طے ہوا کہ محلاتِ شاہی پر قبضہ کر کے حرمِ سلطانی کو قید کر لیا جائے۔

تیسری خبر کڑپہ سے عبدالحلیم خاں کے بھائی کی بغاوت اور خود مختاری کے اعلان کی آئی۔ اُس نے مچھلی بندر میں انگریزوں سے معاہدہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

چوتھی اور آخری خبر کنامہ میں بغاوت کی تھی۔ وہاں بالیا بنو نے سرکشی پر کمر باندھی تھی۔

سلطان ٹیپو نے تمام معاملات پر ایک ساتھ توجہ دی اور اُن کے لئے ایک ہی وقت میں احکامات صادر کئے۔

سلطان نے بدر الزماں نائطہ، صلابت خاں بخشی، میر غلام علی اور میر معین الدین خاں کو انگریزوں سے نمٹنے کے لئے پائیں گھاٹ میں چھوڑا اور خود حیدر نگر کی طرف چلا۔

چنگی گھاٹ پہنچ کر سلطان نے محمد علی کمیدان کو انچے شامیا کی سرکوبی کے لئے سرنگا پٹم کی طرف بھیجا۔ خیال رہے کہ یہ وہی انچے شامیا ہے جو پہلے والا جاہ محمد علی والیء ارکاٹ کے

Marfat.com

درباریوں میں شامل تھا۔ والا جاہ کے زوال پر یہ میر صادق وغیرہ کے ساتھ مرحوم نواب حیدر علی خاں کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔

کڑپہ کی طرف قمر الدین کو بھیجا گیا۔ وہاں عبدالحلیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے معاہدہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

ان سب کی روانگی کے بعد خود سلطان دیون ہلی، مدگری اور سرا کے راستے چتلارگ کے نواح میں پہنچ گیا۔

ان چاروں بغاوتوں اور سازشوں کے قتل وخوں اور غارت گری کے دوران ایک دلچسپ اور پراسرار داستان نے بھی جنم لیا۔ یہ پراسرار داستانی کیفیت میسور کے دارالسلطنت سرنگا پٹم میں پیدا ہوئی جو شروع دن ہی سے سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

نواب بہادر حیدر علی مرحوم کے عہد حکومت میں بھی یہاں کئی سازشیں جنم لے کر اپنی موت آپ مر چکی تھیں اور اب سلطان ٹیپو کے خلاف بھی ایک زبردست سازش کا آغاز ہوا تھا جس کی اطلاع سلطان کو مل چکی تھی اور اس سازش کو کچلنے کے لئے سردار محمد علی کمیدان کو سرنگا پٹم جانے کا حکم دیا گیا تھا۔

دارالسلطنت سرنگا پٹم میں ہونے والی ہر سازش میں راج محل کی رانیاں، خود راجہ، رنگناتھ اور دوسرے مندروں کے پنڈت وغیرہ بالواسطہ شریک ہوتے تھے۔ اس سازش میں بھی یہ سب لوگ شریک تھے مگر نام صرف شاہی محلات کے قلع دار انچے شامیا کا سامنے آیا تھا۔

ممکن تھا کہ یہ سازش کامیاب ہو جاتی اور پھر پتہ نہیں کہ اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔ مگر وہ جو مشہور ہے کہ گولیوں کی سنسناہٹ اور گولوں کی گھن گرج میں بھی عشق جنوں پیشہ کی کارفرمائیاں جاری رہتی ہیں، ایسی ہی کچھ صورت حال یہاں بھی پیش آئی۔

کہتے ہیں کہ نگو نام کی ایک کنیز قلعہ دار سرنگا پٹم کے محل میں تھی۔ یہ کنیز حسن صورت اور حسن سیرت میں جواب نہیں رکھتی تھی۔ نگو کی ذات اور مذہب کا کوئی پتہ نہ تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ راج محل میں کیسے پہنچی؟ بہر حال اس بات کا تو ثبوت موجود ہے کہ نگو نے ایک سال کے قریب راج محل میں گزارا تھا اور اپنے حسن سیرت اور حسن صورت کے طفیل تمام رانیوں، راج ماتا اور راج محلوں کے ملازمین کے دل جیت لئے تھے۔

ہندو رانیوں میں اس قدر مقبول ہو جانے کے بعد بھی نگو کو وہاں چین نہ ملا اور راج ماتا اور ایک رانی کے اختلاف کی وجہ سے اُسے راج محل سے نکلنا پڑا۔ راج ماتا اور رانی دونوں کو شبہ تھا کہ نگو دوسرے فریق کے لئے اُس کی جاسوسی کرتی ہے۔ اس طرح اُسے مردود کر کے انچے

Marfat.com

شامیا کے سپرد کیا گیا کہ اس فتنے کو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن کر دیا جائے۔

انچے شامیا نے نگو کے حسن کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور اُس نے کنیز کو یہ کہہ کر فاطمہ بیگم (والدہ سلطان ٹیپو) کے حضور پیش کیا کہ یہ ایک بے سہارا مسلمان لڑکی ہے اور آپ کے زیر سایہ رہ کر زندگی گزارے گی۔

فاطمہ بیگم کو نگو کی صورت ایسی پسند آئی کہ اُنہوں نے اُسے اپنی کنیزوں میں داخل کر لیا۔ یہ نگو کے عروج کا زمانہ تھا مگر کچھ دنوں بعد محل میں ایک سازش ہوئی اور اس سازش کا پورا الزام نگو کے سر تھوپ دیا گیا۔

نگو والدۂ سلطان کی خدمت میں نئی نئی آئی تھی اس لئے اپنی صفائی پیش نہ کر سکی اور فاطمہ بیگم نے اُسے قلعہ دار کے حوالے کیا کہ اس سازشی کنیز کو قتل کر دیا جائے۔

مگر...... بدقسمت یا خوش قسمت نگو قتل ہونے سے بچ گئی کہ اُس کی بھولی صورت نے یہاں بھی کام کیا اور قلعہ دار نے اُسے اپنی داشتہ بنا کے رکھ لیا اور فاطمہ بیگم کو یقین دلا دیا کہ نگو اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

نگو کو فاطمہ بیگم سے بہت محبت تھی۔ فاطمہ بیگم بھی اُس کا بہت خیال رکھتی تھیں مگر جب فاطمہ بیگم نے نگو کی آہ وزاری کا خیال نہ کیا اور اُسے سازشی سمجھتے ہوئے اُسے قتل کرنے کے لئے قلعہ دار کے حوالے کر دیا تو نگو کو بہت صدمہ ہوا اور اُس نے سوچ لیا کہ ایسی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔

مگر...... موت نے بھی اُسے نہیں پوچھا اور قلعہ دار نے اُسے داشتہ ہی نہیں بنایا بلکہ اُسے ایک زرخرید لونڈی کی طرح اپنے دوست احباب کو پیش کرنا شروع کر دیا۔

نگو کو تو اب ساری دنیا سے نفرت ہوگئی اور وہ اپنی زندگی ختم کرنے کی فکر میں لگ گئی۔ اسی دوران ایک شب نگو نے قلعہ دار اور انچے شامیا کی گفتگو کے دو ایک مکالمے سنے تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انچے شامیا اور قلعہ دار شراب پینے میں ایسے دھت تھے کہ اُنہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ ایک کنیز پردے کے پیچھے کھڑی اُن کی باتوں کو غور سے سن رہی ہے۔

بات یہ تھی کہ انچے شامیا اور قلعہ دار نے یہ منصوبہ بنایا کہ شاہی حرم کی تمام خواتین کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے اور قلعہ میں سلطان ٹیپو کے جس قدر ہمدرد اور طرف دار ہیں، اُن سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔

یہ کام کرنے کے بعد سلطان ٹیپو کو اطلاع دی جائے کہ فاطمہ بیگم سخت بیمار ہیں۔ ظاہر ہے سلطان والدہ کو دیکھنے کے لئے محاذ چھوڑ کر واپس آئے گا۔ پھر جیسے ہی سلطان قلعے میں داخل

Marfat.com

ہو، قلعہ دار کے وفادار فوجی اُس پر حملہ کر کے اُس کا خاتمہ کر دیں۔

یہ باتیں سن کر نگو اپنا دُکھ بھول گئی اور فاطمہ بیگم اور سلطان ٹیپو کو بچانے کی فکر میں لگ گئی۔ چنانچہ اُسی رات جب قلعہ دار اور اُنچے شامیا شراب پی کر ایسے مدہوش ہوئے کہ اُنہیں تن بدن کا ہوش نہ رہا تو نگو چپکے سے قلعہ دار کی حویلی سے نکلی اور سیدھی فاطمہ بیگم کے محل پر پہنچی۔

نگو کو قلعہ دار کی حویلی اور فاطمہ بیگم کے محل کی تمام کنیزیں اور غلام جانتے تھے اس لئے اُس کی کوئی روک ٹوک نہ ہوئی۔ صرف اس وقت بات ذرا کچھ بگڑتی ہوئی معلوم ہوئی جب نگو نے فاطمہ بیگم کی کنیز خاص سے فاطمہ بیگم کو بیدار کرنے کو کہا۔

کنیز خاص فاطمہ بیگم کو جگاتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ اُسے یہ تو معلوم تھا کہ جس جگہ آج وہ کام کر رہی ہے اس جگہ نگو بھی کام کرتی رہی ہے اور فاطمہ بیگم اُس کا بہت خیال رکھتی تھیں مگر سوال ان کو جگانے کا تھا جبکہ اس وقت شب نصف سے زیادہ گزر رہی تھی۔

''دیکھو نگو! میں تمہارے مقام اور مرتبہ کو جانتی ہوں۔'' کنیز خاص نے معذرتانہ انداز میں کہا۔ ''مگر بغیر کسی خاص سبب کے میں مادر ملکہ کو کس طرح بیدار کر سکتی ہوں؟ تم بھی اگر میری جگہ ہوتیں تو یہ جرأت نہ کرتیں۔''

نگو بہرصورت اسی وقت فاطمہ بیگم سے ملنا چاہتی تھی۔ اس لئے اُس نے انتہائی خوشامدانہ انداز سے ایک بار پھر درخواست کی۔

''میری نیک بہن! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں بلا سبب رات کے اس پہر مادر ملکہ سے نہیں ملنا چاہتی۔ بلکہ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرے پاس ایک شاہی راز ہے جو میں فوراً مادر ملکہ تک پہنچانا چاہتی ہوں۔ کاش! میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی۔ ہاں میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ مادر ملکہ اگر ناراض ہوئیں تو اس کی ساری ذمہ داری میں اپنے اُوپر لے لوں گی۔''

''مگر نگو...... دیکھو نا...... میں...... میں ایک معمولی کنیز......'' کنیز خاص نے کہنا چاہا مگر نگو نے اُسے بولنے نہ دیا۔

''ایک بات کان کھول کر سن لو!'' اُس نے تلخی سے کہا۔ ''اگر میں اس وقت مادر ملکہ سے نہ مل سکی اور صبح اُنہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں قاضی کی عدالت میں صاف کہہ دُوں گی کہ اس کی ذمہ دار تم ہو۔ تم نے مجھے مادر ملکہ سے ملنے نہیں دیا تھا۔''

نگو کا یہ حربہ کامیاب ہوا اور کنیز فوراً مادر ملکہ کے پاس چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد نگو کو اور فکر ستانے لگی۔ وہ یہ کہ قلعہ دار نے مادر ملکہ کو بتا دیا تھا کہ اُس نے نگو کو قتل کرا دیا ہے۔ اب جب کنیز خاص یہ کہے گی کہ نگو ان سے ملنا چاہتی ہے تو مادر ملکہ کو کیسے یقین آئے گا؟

Marfat.com

نگو اسی شش و پنج میں مبتلا تھی کہ کنیز خاص واپس آتی دکھائی دی۔ نگو کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔

''نگو! عجیب بات ہے۔ مادر ملکہ تو تمہیں مُردہ سمجھتی ہیں۔ جب میں نے اُنہیں بتایا کہ نگو نے خود مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تو اُنہیں بڑی مشکل سے یقین آیا۔ مجھے بتاؤ تو یہ تمہارے مُردہ ہونے کا کیا قصہ ہے؟''

''میری بہن!'' نگو نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ ''میں تمہیں سب بتا دوں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ مادر ملکہ نے مجھ سے ملنے کے بارے میں کیا کہا ہے؟''

''ارے نگو! مادر ملکہ تو تم سے ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُنہیں تمہارے زندہ ہونے کی بہت خوشی ہے۔'' کنیز خاص نے نگو کو بڑی مسرت سے بتایا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کے مادر ملکہ کی خواب گاہ میں لے گئی۔

نگو کو دروازے پر چھوڑ کر وہ ایک لحہ کے لئے اندر گئی، پھر واپس آ کر بولی۔ ''جاؤ نگو! مادر ملکہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔''

نگو جھپاک سے اس خواب گاہ میں داخل ہوئی جہاں کبھی اُس کا بے دھڑک آنا جانا تھا۔ سامنے بڑے چھپر کھٹ پر بیٹھی مادر ملکہ آنکھیں پھاڑے اُسے آتا دیکھ رہی تھیں۔

''اری نگو! تو زندہ ہے...... خدا کا شکر ہے۔ مجھے سب معلوم ہو گیا۔ دشمنوں نے تجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔''

اور نگو نے فرش پر بیٹھ کر مادر ملکہ کے پیر پکڑ لئے۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے آنسو جاری ہو گئے۔ فاطمہ بیگم نے نگو کے سر پر ہاتھ تھپتھپا کر اُسے تسلی دی۔

''نگو! اب بتا کہ تجھ پر کیا گزری اور تیری زندگی کس طرح بچی؟''

نگو نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ ''مادر ملکہ! یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ میں تو آپ کو یہ اطلاع دینے آئی ہوں کہ قلعہ دار اور انچے شامیا نے آپ کو گرفتار کرنے اور میرے منہ میں خاک، سلطان معظم کو قتل کرنے کی سازش کی ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس سازش میں اور کون کون لوگ شامل ہیں بہر حال آپ اپنا جو انتظام کر سکیں کر لیں۔''

فاطمہ بیگم بہت فکر مند ہوئیں۔ اُنہوں نے پوچھا۔ ''نگو! کم از کم یہ تو بتا کہ تجھے یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں اور ان کا ثبوت کیا ہے؟''

''مادر ملکہ!'' نگو افسردگی سے بولی۔ ''میں کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتی۔ مگر میں نے یہ باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ قلعہ دار نے مجھے اپنی داشتہ بنا کر اپنی حویلی میں

Marfat.com

رکھ چھوڑا ہے۔ اُس نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ مجھے اپنے دوستوں کی خدمت اور اُنہیں خوش کرنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔ آج وہ دونوں حد سے زیادہ شراب پی گئے اور......"

"دونوں سے تیری کیا مراد ہے نگو؟ یہ دوسرا کون ہے؟" مادر ملکہ نے قطع کلام کرتے ہوئے اُس سے دریافت کیا۔

نگو نے سنبھل کے اور واضح الفاظ میں جواب دیا۔ "مادر ملکہ! قلعہ دار کے بہت سے دوست ہیں جو اُس کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن انچے شامیا اُس کا گہرا دوست ہے اور وہ اپنی راتیں قلعہ دار کے ساتھ اُس کی حویلی میں ہی گزارتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اور قلعہ دار شراب میں مدہوش پڑے ہیں اور میں اُن کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر آپ کے پاس آئی ہوں۔"

"اچھا۔ اب تو اطمینان سے میرے پاس رہ۔ میں ان کم بختوں کا ابھی انتظام کرتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے فاطمہ بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہ مادر ملکہ! ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔" نگو ہاتھ جوڑ کر اُن کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "یہاں کے کسی آدمی پر اعتماد نہ کیجئے۔"

فاطمہ بیگم نے اُسے پیار سے دیکھا اور بولیں۔ "اری تو باؤلی تو نہیں ہو گئی؟ آخر میں اپنی حفاظت کا کوئی انتظام تو کروں گی نا۔"

"آپ انتظام ضرور کیجئے مادر ملکہ۔" نگو نے جواب دیا۔ "مگر اس طرح نہیں۔ آپ کسی طرح اس سازش کا حال سلطانِ معظم کے کانوں تک پہنچوا دیں۔ وہ خود ہی سب انتظام کر لیں گے۔"

فاطمہ بیگم فکر مند لہجے میں بولیں۔ "اور اگر سلطان کے آنے میں دیر لگی تو یہ بدبخت نہ جانے یہاں کیا کر بیٹھیں۔ میں کیسے سنبھالوں گی؟"

"آپ اطمینان رکھئے مادر ملکہ!" نگو نے اُنہیں تسلی دی۔ "ابھی ان ظالموں کی سازش مکمل نہیں ہوئی ہے۔ وہ ابھی راج محل کی رانیوں سے بات چیت کر رہے ہیں۔ جتنی دیر میں اُن کی بات چیت مکمل ہو گی، سلطانِ معظم کوئی نہ کوئی انتظام کرا دیں گے۔"

"اچھا، میں ابھی کچھ کرتی ہوں۔" فاطمہ بیگم نے اپنے محل کے داروغہ کو بلانے کے لئے ایک کنیز کو بھیج دیا۔

"اچھا مادر ملکہ! اب مجھے اجازت دیجئے۔" نگو اُٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ "خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔"

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے پگلی؟" فاطمہ بیگم نے اُسے گھور کے دیکھا۔ "اب میں تجھے ان

Marfat.com

ظالموں میں واپس نہیں جانے دوں گی۔"

"مادرِ ملکہ!" نگو نے اطمینان سے کہا۔ "میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اگر میں واپس نہ گئی تو بات کھل جانے کا خطرہ ہے۔ پھر اور مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

نگو نے مادرِ ملکہ کو بمشکل سمجھایا اور بات اُن کی سمجھ میں آ گئی۔

نگو کی اس اطلاع پر فاطمہ بیگم نے خفیہ طور پر ایک قاصد سلطان ٹیپو کے پاس روانہ کیا اور قاصد سے اس سازش کا پتہ چلتے ہی سلطان نے محمد علی کمیدان کو دارالسلطنت سرنگا پٹم کے حالات کی درستی کے لئے بھیج دیا۔

محمد علی کمیدان، بنگلور کے راستے سے سرنگا پٹم کے قریب پہنچا اور اُس نے اپنی مختصر فوج کے ساتھ کڑی گٹہ میں قیام کیا۔ یہاں اُس نے مشہور کیا کہ وہ کرگ ہوتا ہوا حیدر نگر جا رہا ہے۔ جہاں کے حالات کچھ بگڑے ہوئے ہیں۔

کڑی گٹہ، سرنگا پٹم سے صرف چند میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے اُس نے ایک قاصد کے ذریعے قلعہ دار سرنگا پٹم کو ایک خط بھیجا جس میں اُس نے درخواست کی کہ وہ کرگ کے راستے حیدر نگر جا رہا ہے اس لئے اگر قلعہ دار اجازت دے تو وہ ایک رات اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گزار لے۔

محمد علی کمیدان کا خط لے کر جب قاصد قلعہ دار کے پاس پہنچا تو اتفاق سے اس وقت انچے شامیا اُس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ قلعہ دار نے خط پڑھ کر قاصد کو انتظار کرنے کے لئے باہر بھیج دیا۔ پھر اس سلسلے میں اُس نے انچے شامیا سے مشورہ کیا۔

قلعہ دار نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"انچے شامیا! سردار محمد علی کمیدان کا حیدر نگر جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے منصوبے کا ابھی تک کسی کو رتی بھر پتہ نہیں اور سلطان اور اُس کے حواری اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔"

انچے شامیا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "قلعہ دار بہادر! وہ منصوبہ ہی کیا جس کا راز کھل جائے۔ ہم نے اس قدر خفیہ طریقے سے کام شروع کیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" قلعہ دار نے پوچھا۔ "محمد علی کمیدان کو ایک رات کے لئے قلعہ میں آنے کی اجازت دے دی جائے، کوئی حرج تو نہیں اس میں؟"

"لو جی۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" انچے شامیا ہنسا۔ "محمد علی کمیدان کو ایک رات قلعہ میں بسر کرنے کی اجازت ضرور ملنی چاہئے۔ یہ تو ہمارے منصوبہ کے لئے اور بھی بہتر ہوگا۔

Marfat.com

اگر اس وقت تک کسی کو ہماری نیتوں پر شبہ ہو گا تو محمد علی کمیدان کے قلعہ میں رات گزارنے سے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔"

پس قلعہ دار نے قاصد کو بلا کر دریافت کیا۔ "کتنے لوگ ہیں؟"

"صرف بیس پچیس سوار ہیں۔" قاصد نے بتایا ہوا جواب دُہرا دیا۔

قلعہ دار نے اطمینان سے کہا۔ "سردار محمد علی کمیدان کو ہمارا سلام کہنا اور ہماری طرف سے عرض کرنا کہ دارالسلطنت سرنگا پٹم آپ کا گھر ہے۔ آپ بے تکلف تشریف لا سکتے ہیں اور اپنے بال بچوں میں جتنے دن چاہیں، گزار سکتے ہیں۔"

قاصد سلام عرض کر کے واپس ہو گیا۔

اجازت ملتے ہی محمد علی کمیدان نے پچاس سوار اپنے ساتھ لئے اور باقی لشکر کو قلعہ کے اِردگرد چھپ جانے کا حکم دیا۔ اُنہیں سمجھا دیا گیا کہ جب قلعہ کے اندر بگل بجنے کی آواز بلند ہو تو وہ سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ آئیں اور پہریداروں کو قتل کر کے قلعے پر قبضے کی کوشش کریں۔

قلعہ دار نے قلعہ کے صدر دروازے کے پہرے داروں کو حکم بھجوا دیا تھا کہ محمد علی کمیدان اور اُس کے چند آدمیوں کو صدر دروازے کے اندر کے چھوٹے دروازے سے قلعے میں داخل کر لیا جائے۔ چنانچہ جب محمد علی کمیدان اپنے 50 آدمیوں کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر پہنچا اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی تو قلعہ کے پہرے داروں نے چھوٹا دروازہ کھول کر محمد علی کمیدان اور اُس کے ساتھیوں کو اندر داخل کر لیا۔

قلعہ سرنگا پٹم میں داخل ہوتے ہی محمد علی کمیدان اور اُس کے ساتھیوں نے تلواریں سونت لیں اور پہرے داروں پر ٹوٹ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے بگل بجانے شروع کر دیئے۔ بگل کی آواز سنتے ہی فصیل قلعہ کے قریب چھپی ہوئی محمد علی کمیدان کی فوج فصیل پر حملہ آور ہوئی اور سیڑھیاں لگا کر اُوپر چڑھ گئی۔

فصیل کے پہریدار گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

دوسری طرف محمد علی کمیدان کے ساتھیوں نے پہریداروں کا صفایا کر کے قلعے کا بڑا دروازہ کھول دیا اور باقی کا لشکر صدر دروازے سے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس دو طرفہ مار سے گھبرا کر محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے یا پھر قتل ہو گئے اور محمد علی کمیدان نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے فوراً بعد محمد علی کمیدان نے قلعہ دار اور انچے شامیا کی رہائش گاہوں کو گھیرے میں لے کر دونوں کو گرفتار کر لیا۔

Marfat.com

یہ تمام کام اس قدر تیزی اور سلیقہ سے ہوا کہ قلعہ کے باسیوں کو اس کی اطلاع بھی نہ ہو سکی۔ صبح جب وہ سو کر اُٹھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قلعہ کے محافظوں کی بجائے قلعہ پر محمد علی کمیدان کا لشکر قابض ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد قلعہ والوں کو قلعہ دار اور انچے شامیا کی سازش اور اُن کی گرفتاری کا حال معلوم ہو گیا۔

قلعہ دار کی گرفتاری کے وقت اس خطرناک سازش کی مخبر نگو، قلعہ دار کی حویلی میں تھی۔ وہ فوراً وہاں سے نکل کر شاہی محل پہنچی اور فاطمہ بیگم کے حضور پیش ہوئی۔ اُنہوں نے اُسے بہت سا انعام دیا اور پھر اپنی خاص کنیزوں میں شامل کر لیا۔

ایک روایت کے مطابق مادر ملکہ (فاطمہ بیگم) نے نگو کا عقد مغربی دروازے کے سردار کے جواں عمر بیٹے سے کر دیا تھا مگر نگو نے شوہر سے یہ اجازت حاصل کر لی تھی کہ وہ تمام دن فاطمہ بیگم کی خدمت میں رہے گی اور رات اپنے شوہر کے گھر گزارا کرے گی۔

O

دوسری صبح قلعہ دار اور انچے شامیا کا مقدمہ مادر ملکہ کے حضور پیش ہوا اور محمد علی کمیدان نے فاطمہ بیگم کے حکم سے قلعہ دار اور اُس کے کئی ساتھیوں کو توپ کے منہ سے باندھ کر اُڑا دیا۔

انچے شامیا کے لئے حکم ہوا کہ سلطان کی واپسی تک اُسے پابہ زنجیر قید خانہ میں رکھا جائے۔ چنانچہ اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اسد خاں رسالدار کو قلعہ دار اور سید محمد خاں کو گورنر سرنگاپٹم مقرر کیا گیا۔

سرنگاپٹم سے فراغت حاصل کر کے محمد علی کمیدان اپنے لشکر کے ساتھ منزلیں مارتا ہوا سلطان ٹیپو کے حضور پہنچا اور اُسے سرنگاپٹم میں گزرے ہوئے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سلطان اُس کی کارگزاری سے بہت خوش ہوا اور اُسے خلعت فاخرہ عطا کی۔

اس کے بعد سلطان، محمد علی کمیدان کو ساتھ لے کر حیدر نگر کی طرف بڑھا جہاں نواب مرحوم کے لے پالک ایاز خاں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

حیدر نگر پہنچنے سے پہلے یہ بتانا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑے بڑے کارکن بلکہ کرنل جنرل تک آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔

1781ء میں جنرل میکارٹنی بنگال سے مدراس کا گورنر ہو کے آیا۔ میکارٹنی اور جنرل کوٹ میں ہمیشہ سے کھٹ پٹ چلی آ رہی تھی۔

Marfat.com

جنرل میگارنٹی، جنرل کوٹ سے اس قدر بغض رکھتا تھا کہ اُس نے بنگال میں اپنے ایک دوست میکفر مین کو خط لکھا تو اس میں جنرل کوٹ کے بارے میں یہ جملے تحریر کیے۔

''میرے خیال میں جنرل کوٹ کی حیثیت ایک عورت سے زیادہ نہیں۔ وہ جب بچوں جیسی حرکتیں کرتا ہے تو مجھے اُس کے حال پر ہنسی آتی ہے۔''

اس وقت جنرل کوٹ کے پاس کرناٹک کے محاذ کی کمان تھی۔ جنرل میگارنٹی نے مدراس کا گورنر ہوتے ہی آئر کوٹ کو بنگال واپس بھجوا دیا اور اُس کی جگہ جنرل جیمز اسٹوارٹ کو کرناٹک اور پائیں گھاٹ کا محاذ سونپ دیا۔

انہی دنوں نواب حیدر علی خاں کا انتقال ہو گیا اور انگریز فوجوں کو آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔ جیمز اسٹوارٹ فوراً لشکر لے کر آگے بڑھا مگر ابھی وہ وانڈی واش ہی پہنچا تھا کہ گورنر میگارنٹی نے اُسے مدراس واپس بلا لیا اور اُس کی جگہ جنرل میتھوز کو یہ محاذ دیا گیا۔

جنرل میتھوز کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حیدر نگر کے زرخیز علاقہ پر جلد از جلد قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔

قارئین کرام جانتے ہیں کہ مرحوم نواب حیدر علی خاں نے 1763ء میں بدنور پر قبضہ کر کے اس کا نام اپنے نام پر حیدر نگر رکھا تھا۔ مرحوم نواب اس علاقہ کی شادابی اور سرسبزی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنہوں نے اسے اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ اُنہوں نے یہاں ٹکسال قائم کی اور بہت سی صنعتیں لگا کر اسے ایک خوشحال شہر میں تبدیل کر دیا۔

حیدر نگر زرخیز زمینوں اور شاداب علاقے پر مشتمل تھا۔ اس کے بیشتر حصے میں قیمتی لکڑی کے جنگلات تھے۔ یہاں کے گورنر ایاز خاں نے نواب بہادر کی موت کے اعلان کے ساتھ ہی علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور انگریزوں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ چنانچہ جب جنرل میتھوز کندہ پور کے علاقہ پر قبضہ کے بعد حیدر نگر کے قریب پہنچا تو احسان فراموش ایاز خاں وہاں اُس کے استقبال کو موجود تھا۔

جنوری 1883ء میں سلطان ٹیپو نے ایک خاص قاصد کے ذریعے حاکم حیدر نگر ایاز خاں کے نائب لطف علی بیگ کے نام ایک خط بھیجا جس میں درج تھا کہ ایاز خاں کی جگہ لطف علی بیگ کو حیدر نگر کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے اور یہ کہ لطف علی کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ایاز خاں کا سر قلم کر کے خود حضورِ سلطانی میں بھجوائے۔

قاصد، سلطان کا خط لے کر حیدر نگر پہنچ تو گیا مگر وہ نہ تو ایاز خاں کو پہچانتا تھا اور نہ ہی لطف

Marfat.com

علی بیگ کو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے کسی شخص سے لطف علی بیگ کا پوچھا تو ایاز خاں کے آدمیوں کو اُس پر شبہ ہو گیا اور وہ اُسے پکڑ کر ایاز خاں کے پاس لے گئے۔ ایاز خاں نے قاصد سے اُس کی جاں بخشی کا وعدہ کیا اور اُس سے سلطان کا خط حاصل کر لیا۔

ایاز خاں بالکل ان پڑھ تھا اس لئے وہ خط لے کر ایک برہمن کے پاس گیا۔ برہمن نے اُسے خط پڑھ کر سنا دیا۔ ایاز خاں خط کا مضمون سن کر گھبرا گیا کہ اگر کسی اور کو اس خط کا علم ہو گیا تو ایک طرف لطف علی اور اُس کے وفادار دستے اُس (ایاز خاں) کے دشمن ہو جائیں گے اور دوسری طرف وہ انگریز فوجوں سے جو معاہدہ کر رہا ہے وہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔

یہ سب سوچ کر اُس نے فیصلہ کیا کہ اس خط کے مضمون کو راز میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس برہمن کو جہنم رسید کر دیا جائے۔

خط پڑھنے والا برہمن اب تک ایاز خاں کے سامنے انعام کی توقع میں کھڑا تھا کہ ایاز خاں نے اُس کے سینے میں خنجر اُتار کر یہ راز جاننے والے اس پہلے اور آخری محرم راز کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

ادھر سے فارغ ہو کر اُس نے انگریز قیدی کپتان ڈونالڈ کیمبل کو بلوایا اور اُس سے جنرل میتھوز کے نام ایک خط لکھوایا جس میں حیدر نگر کا قلعہ انگریزوں کے حوالے کرنے کے سلسلے میں دو شرطیں رکھی گئیں۔

پہلی شرط یہ تھی کہ قلعہ پر قبضہ کے بعد انگریز اُسے (ایاز خاں کو) حسب سابق وہاں کا گورنر برقرار رکھیں گے۔

دوسری شرط میں کہا گیا تھا کہ انگریز ایاز خاں کی دولت چھیننے کی کوشش نہیں کریں گے۔

میتھوز کو خط لکھوا کر ایاز خاں نے کیپٹن کو آزاد کر دیا اور وہ خط لے کر جنرل میتھوز کے پاس پہنچا۔

شرائط میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی چنانچہ جنرل نے دونوں شرائط تسلیم کر لیں۔ ایاز خاں نے قلعہ کے دروازے انگریز فوج پر کھول دیئے اور میتھوز بغیر ایک قطرہ خون بہائے حیدر نگر جیسے خوبصورت اور مالدار شہر پر قابض ہو گیا۔

سقوطِ حیدر نگر کے بعد ایاز خاں کے حکم سے اِرد گرد کے بہت سے قلعے انگریزوں کے حوالے ہو گئے۔ صرف قلعہ اننت پور نے ایاز خاں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور حکومت خداداد کی وفاداری کا اعلان کر دیا۔

انگریزوں نے اس قلعہ پر شدید حملہ کیا۔ قلعہ کے اندر صرف چار سو فوجی تھے مگر اُنہوں نے

Marfat.com

اس قدر سخت مدافعت کی کہ انگریزوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔

سلطان ٹیپو کے یہ وفادار شام تک مقابلہ کرتے رہے۔ لڑتے لڑتے جب اُن کی تعداد 200 سے بھی کم رہ گئی تب اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے مگر انگریزوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ سلطان کے وفادار بڑے جوش و جذبہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔

اس وفاداری کی پاداش میں قلعہ کی آبادی کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریزوں نے بوڑھوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی اور اُن کے پستان کاٹ دیئے۔ تمام خوبصورت لڑکیوں کو انگریز فوجی پکڑ کر لے گئے جن کا کوئی پتہ نہ چلا......

یہ ہیں اس کمپنی اور دغا باز قوم کے سیاہ کارنامے جو تجارت کے پردے میں ہندوستان پر قابض ہوتی چلی جا رہی تھی اور خود ہمارے مفاد پرست بھائی بند اس کی مدد کر رہے تھے۔

انگریز لشکر کی ان سیاہ کاریوں اور بدمعاشیوں پر اس قدر شور مچا کہ پورا ہندوستان گونج اُٹھا۔ لوگوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکایت انگلستان تک پہنچائی۔ وہاں سے جواب طلبی ہوئی۔ 52 افراد پر مشتمل ایک کمیشن بیٹھا اور اُس نے تحقیقات کر کے جو رپورٹ پیش کی اُس میں صرف یہ درج تھا۔

> ''صرف ایک عورت قتل ہوئی اور اُس کے ساتھ بہیمانہ سلوک ہوا جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہو گئی تھی۔ دو بچے لڑائی کے دوران مارے گئے تھے۔''

یہ رپورٹ میجر جے۔ ایس۔ ٹوریانو نے تیار کی تھی۔

اس کے علاوہ شاہی توپ خانہ کے سرجن جان موڈی نے بیان دیا تھا کہ:۔

> ''قتل ہونے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد صرف چھ تھی۔''

ان متضاد بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں نے قلعہ کے عوام، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جو کچھ بھی نہ کیا ہو وہ تھوڑا ہے۔ برطانوی حکمرانوں اور لشکر کی داستانیں اس قدر بھیانک اور بہیمانہ ہیں کہ جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

○

سلطان ٹیپو کو انگریزوں کے ظلم و ستم کی تمام داستانیں ایک ایک کر کے پہنچ رہی تھیں۔ اُس کے غضب کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ آخر وہ چند ہی روز بعد شیر کی طرح گرجتا اور دھاڑتا بدنور کے میدان میں پہنچ گیا۔ انگریز فوجیں بھی اُس کے سامنے آ کر صف آرا ہوئیں۔ اس وقت سلطان نے ایک جنگی چال چلی۔

Marfat.com

وہ انگریزوں کو دھوکہ دے کر اُن کے عقب میں پہنچ گیا اور اُدھر سے حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ مخبری ہوگئی اور انگریزوں کو پتہ چل گیا کہ سلطان ٹیپو کا لشکر پشت سے حملہ آور ہونے والا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی جنرل میتھوز فوراً اپنے لشکر کو لے کر قلعہ میں واپس چلا گیا اور قلعہ بند ہوگیا۔

سلطان ٹیپو نے آگے بڑھ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سلطانی توپ خانے نے قلعہ پر آگ برسانی شروع کردی۔

کہتے ہیں کہ قلعہ کے اندر فصیل کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا کنواں تھا۔ قلعہ کا یہی واحد کنواں تھا جس سے پورے قلعہ والے پانی حاصل کرتے تھے۔ ادھر فصیل قلعہ پر رات دن گولہ باری کا سلسلہ جاری تھا۔

اس شدید گولہ باری کا یہ اثر ہوا کہ فصیل کا وہ حصہ جس کے نیچے بڑا کنواں تھا، ٹوٹ کر کنویں پر گرا اور کنواں بند ہوگیا۔ کنواں کیا بند ہوا ہر طرف سے العطش العطش کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوگئیں اور لوگ پیاس سے تڑپنے لگے۔

قلعہ سے باہر ایک تالاب تھا۔ انگریز فوجی پیاس سے بے دم ہو رہے تھے۔ ایک رات وہ فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے سے باہر نکلے اور پانی بھر بھر کر لے جانے لگے۔ اندھیرے کی وجہ سے پہلی رات تو سلطانی لشکر کو پتہ نہ چل سکا مگر دوسری رات کو سلطان کا لشکر پہلے سے چوکنا تھا۔

قلعہ کے انگریز لشکری جب دوسری رات قلعہ سے نکل کر تالاب پر پہنچے اور اُنہوں نے بڑے بڑے ڈرموں، پیپوں اور برتنوں میں پانی بھرنا شروع کیا تو سلطان کے فوجی جو گھات لگائے بیٹھے تھے، اُن پر ٹوٹ پڑے۔

پانی بھرنے والے انگریزوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی۔ اُنہوں نے مقابلہ کرنا چاہا مگر چند منٹ سے زیادہ نہ ٹھہر سکے اور سر پر پیر رکھ کر قلعہ کی طرف بھاگے۔ اس افراتفری میں اُنہوں نے خود اپنے سینکڑوں آدمیوں کو پیروں تلے کچل ڈالا۔ جو باقی بچے اُن پر سلطانی لشکر گولیاں برسا رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہر آنے والوں کی کثیر تعداد ماری گئی اور بہت کم فوجی زندہ بچ کر جا سکے۔

پانی نہ ملنے کی وجہ سے قلعہ والوں کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی۔ اُن کے پاس سوائے ہتھیار ڈالنے کے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ چنانچہ میتھوز نے نائب قلعہ دار محمد علی شجیع کے توسط سے صلح کی گفتگو شروع کی۔

جنرل میتھوز نے خود اپنی طرف سے مندرجہ ذیل شرطیں لکھ کر سلطان کے پاس بھیجیں اور سلطان کو یقین دلایا کہ اگر سلطان ان شرطوں کو تسلیم کرلیں تو قلعہ اور شہر اُن کے حوالے کر دیا

Marfat.com

جائے گا۔

شرائط:

1- انگریز فوجی جب قلعہ خالی کر کے نکلیں تو شہر کے لوگ اور سلطان کے فوجی اُن کے منہ پر نہ تھوکیں گے نہ گالی دیں گے اور نہ زخمی کریں گے۔

2- انگریز فوج صرف اپنا نجی سامان اپنے ساتھ لے جائے گی۔ بندوقیں، توپیں اور دوسرا سامانِ حرب سلطانی لشکر کے قبضہ میں دے دیا جائے گا۔

3- انگریزی فوج کے قبضہ میں سلطنت خداداد کا جو روپیہ، مال اور سامان ہوگا وہ سب کا سب سلطان کو واپس کر دیا جائے گا۔ اگر کسی فوجی کے پاس سے کوئی رقم یا مال نکلے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

4- انگریزی فوج کو بحفاظت سمندر تک پہنچایا جائے گا۔

5- سلطنت خداداد کے چند جہاز انگریزی فوج کو واپس لے جانے کے لئے دیئے جائیں گے اور سفر کے لئے اُنہیں اناج اور دوسرا ضروری سامان بھی دیا جائے گا جس کی قیمت وہ اپنی منزل پر پہنچ کر بھجوا دیں گے۔

6- جو لوگ خشکی کے ذریعے جانا چاہیں گے اُن کی حفاظت کے لئے بمبئی تک ایک حفاظتی دستہ دیا جائے گا۔

7- سلطنت خداداد کے دو بڑے افسر، انگریزوں کے جہازوں پر سوار ہونے تک بطور یرغمال انگریزوں کے پاس رہیں گے۔ جب سلطانی افسر واپس آ جائیں گے تو انگریز افسر واپس کر دیئے جائیں گے۔

یہ شرائط صبح کو جنرل میتھوز نے لکھ کر اپنے دستخطوں کے ساتھ سلطان کے پاس بھیجیں۔ سلطان نے انہیں تسلیم کرتے ہوئے ان پر دستخط کر دیئے۔ یہ عہد نامہ انگریزی اور فارسی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس طرح 18 روز کی جان توڑ کوشش کے بعد قلعہ پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔
اس فتح کے موقع پر کسی شاعر نے فی البدیہہ یہ تاریخ کہی تھی۔

حیدر نگر گرفتہ

1197ھ

○○○

Marfat.com

●

سلطان ٹیپو اور انگریزی فوج کے جنرل میتھوز (جو حیدر نگر کے قلعہ میں محصور تھا) کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز فوج کی جانیں پوری طرح سلطان کے رحم و کرم پر تھیں اور ان کے چشم و ابرو کے ایک اشارے پر ان کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔

مگر...... سلطان ٹیپو نے بھی اس وقت اسی شرافت اور رحم دلی کا ثبوت دیا جو اُس کے والد مرحوم نواب حیدر علی خان نے صلح مدراس کے موقع پر دکھائی تھی۔ اس صلح نامہ میں بھی ایسی ہی آسان شرائط تھیں جن پر بعد میں مسلمانوں نے خود اعتراض کیا تھا کہ ظالم اور فریب کار انگریزوں کے ساتھ اس قدر آسان شرائط پر نواب بہادر کو صلح نہیں کرنی چاہئے تھی۔

تاہم اس کو کیا، کیا جائے کہ ''چور چوری سے جاتا ہے مگر ہیرا پھیری سے نہیں جاتا'' کے مصداق انگریز قوم کے لئے دنیا کی تمام اقوام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ انگریز دنیا کی سب سے زیادہ مکار، فریبی اور احسان فراموش قوم ہے۔ چنانچہ اس قدر آسان شرائط پر صلح کے باوجود اس قوم نے اپنی فطری مکاری اور فریب کاری کا دامن نہ چھوڑا اور خود اپنے جال میں پھنس گئی۔

اس معاہدہ کا نام ''معاہدہ منگلور'' رکھا گیا تھا۔

اس کی ایک شرط یہ تھی کہ انگریز فوج اپنے ساتھ سوائے اپنے ذاتی سامان کے قلعہ کے اسلحہ، سامان یا مال و دولت میں سے کچھ بھی اپنے ساتھ نہیں لے جائے گی اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس کھلی ہوئی شرط کے باوجود انگریز فوجیوں نے مکاری، فریب کاری اور ہیرا پھیری سے کام لیا۔

سلطان نے معاہدہ کے تحت انگریز فوج کی قلعہ سے روانگی سے پہلے اپنے ایک سردار کو قلعہ میں بھیجا کہ وہ جا کر خزانہ پر قبضہ کر لے اور لوگوں سے دریافت کرے کہ انگریزوں نے کسی معاملہ میں بد دیانتی یا خورد برد سے کام تو نہیں لیا؟ لوگوں سے تو کچھ معلوم نہ ہو سکا البتہ جب خزانہ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل خالی پڑا ہے۔

اس اطلاع پر سلطان کو سخت غصہ آیا۔ اُس نے میتھوز کو بلا کر سخت باز پرس کی۔

''جنرل میتھوز! کیا قصہ ہے کہ خزانہ بالکل خالی پڑا ہے۔ جبکہ اس میں کروڑوں روپے کے

Marfat.com

ہیرے جواہرات موجود تھے؟''

میتھوز نے صاف انکار کر دیا۔ ''میں یا میرے کسی آدمی نے حیدر نگر کے خزانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

سلطان کا غصہ تیز ہو گیا۔ ''تم نے ہاتھ نہیں لگایا تو کیا خزانہ فرشتے اُٹھا کے لے گئے؟''

''مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں۔'' میتھوز اپنے انکار پر اڑ گیا۔

سلطان نے حکم دیا۔ ''انگریز فوج کے ہر سپاہی کے سامان اور لباس کی تلاشی لی جائے۔''

چنانچہ انگریز فوجیوں کو قطاروں میں کھڑا کر کے جامہ تلاشی شروع ہوئی۔

اب ذرا اس قوم اور افرادِ قوم کی مکاری ملاحظہ ہو۔

جس سپاہی کی تلاشی لی گئی اُس کے لباس کی اندر کی تہوں میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے نکلے۔ لباس کے علاوہ فوجیوں نے ساتھ لے جانے والی روٹیوں کے اندر، پائپ اور حقوں کی نے اور بینڈوں کے اندر، یہاں تک کہ ساتھ لے جانے والے بکروں کی گردنوں میں سے بھی ہیرے جواہرات برآمد ہوئے۔

فوجیوں کی جامہ تلاشی سے جو ہیرے برآمد ہوئے اُن کا ایک اُونچا ڈھیر فرش پر لگ گیا۔

سلطان کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اُس نے چیخ کر کہا۔

''کس قدر مکار اور بے ایمان ہو تم لوگ۔ تم نے معاہدے پر عمل کرنے سے پہلے ہی اس کی دھجیاں اُڑا کے رکھ دیں۔ تم لوگ اس ملک کے باسیوں کو احمق سمجھتے ہو۔ تم نے ہماری نرمی اور رحمدلی سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ کوئی رعایت کی جائے۔ ہم اس معاہدہ کو منسوخ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔''

معاہدہ منسوخ کرنے کے بعد سلطان نے حکم دیا۔

''انگریز فوج اور جنرل میتھوز کو سرنگا پٹم پہنچایا جائے اور ان سب کو قید میں رکھا جائے۔''

اس طرح انگریزی فوج جو معاہدہ کے مطابق بغیر ایک جان ضائع کئے بمبئی پہنچ سکتی تھی، خود اپنی بے ایمانی اور مکاری کے ہاتھوں قید خانے میں پہنچ گئی۔

حیدر نگر کا باغی قلعہ دار ایاز خاں پہلے ہی منگلور بھاگ گیا تھا۔ اُسے جب حیدر نگر پر سلطان کے قبضہ اور انگریز فوج کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ منگلور سے بھاگ کر سورت پہنچا۔ پھر جب اُسے وہاں بھی خطرہ محسوس ہوا تو انگریزوں کے پاس بمبئی پہنچ گیا۔

جنرل میتھوز اس شکست اور گرفتاری سے اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ قید کے دوران بیمار ہوا اور کچھ دنوں بعد مر گیا۔

Marfat.com

انگریزوں نے میتھوز کی موت پر بہت شور مچایا۔ اُنہوں نے الزام لگایا کہ سلطان نے اسے زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اگر سلطان کو میتھوز کو ختم کرنا ہی مقصود ہوتا تو اسے زہر کیوں دیتا؟ وہ تو اسے معاہدہ کی بدعہدی کی پاداش میں گولی سے اُڑا سکتا تھا۔

○

حیدر نگر کی تسخیر کے بعد سلطان ٹیپو لشکر لے کر منگلور کی طرف بڑھا۔ راستے میں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ کرنل کیمبل ایک بڑے لشکر کے ساتھ حیدر نگر جا رہا ہے تا کہ وہاں انگریز فوج کی مدد کرے۔

سلطان نے فوراً کرنل کیمبل پر حملہ کا حکم دے دیا۔ اُس وقت سلطان کے پاس ایک لاکھ چالیس ہزار جانبازوں کا لشکر تھا۔

سلطانی لشکر میدان کے کنارے ایک تالاب پر مورچے لگائے اور توپ خانہ نصب کئے کیمبل کا منتظر تھا۔ کیمبل نے بھی سامنے آ کر لشکر ترتیب دیا اور آمادہ جنگ ہوا۔

سلطان نے توپ خانہ کو اشارہ کیا۔ توپ خانہ نے اس قدر گولے برسائے کہ آسمان پر دھوئیں کے بادل چھا گئے۔

کیمبل نے بھی جوابی گولہ باری کی۔ دونوں لشکروں میں دوپہر تک جنگ ہوتی رہی۔ پھر انگریزوں کا گولہ بارود ختم ہو گیا اور کیمبل کو میدان چھوڑنا پڑا۔ اُس کے تین ہزار سپاہی ہتھیار ڈال کر گرفتار ہوئے اور ایک ہزار فوجی انگریز بھی پکڑ لئے گئے۔

جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ سلطان منگلور کی طرف جا رہا تھا کہ درمیان میں کرنل کیمبل سے دو دو ہاتھ کرنا پڑے۔ ادھر سے فارغ ہو کر سلطان پھر منگلور کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرے کو تین ماہ گزرے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا اور اس قدر برسات ہوئی کہ سارا علاقہ جل تھل ہو گیا۔ اس دوران سلطان کو خبر ملی کہ دشمن کو سمندر کے راستے رسد مل رہی ہے۔ چنانچہ سلطان نے چار پانچ جنگی کشتیاں سمندر میں اُتار دیں۔ ان کشتیوں نے سمندر سے آنے والی رسد کو بالکل روک دیا۔

منگلور کے محاصرہ کے طول کھینچنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں معاہدۂ ڈارسائی ہو گیا تھا جس کی سولہویں شق کے مطابق ان دونوں قوموں میں جنگ بند ہو گئی تھی۔ یہ جنگ یورپ میں بند ہوئی تو دونوں فریقوں نے بھارت میں بھی اپنے اپنے طور پر جنگ بند کر دی۔

Marfat.com

سلطان کے لشکر میں فرانسیسی فوج بھی تھی۔ اس معاہدہ کی اطلاع پا کر اُس نے بھی لڑنا بند کر دیا کیونکہ اُس کے مقابلہ پر انگریز تھے۔ فرانسیسیوں کی اس خاموشی نے بھی منگلور کے محاصرہ کو طویل کر دیا۔

موسلا دھار بارشوں کے باوجود سلطان نے منگلور کے محاصرے میں کوئی نرمی نہیں برتی۔ اُس نے فرانسیسی فوج کی خاموشی کو بھی نظر انداز کر دیا۔

جوں جوں محاصرہ طول پکڑ رہا تھا قلعہ کے محصورین کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مدراس کے گورنر لارڈ میکارٹنی کی کوشش تھی کہ کسی بھی طرح سلطان سے صلح ہو جائے۔ لیکن کلکتہ و بنگال کا گورنر لارڈ ہیٹنگز چاہتا تھا کہ سلطان سے اس کی شرائط پر صلح کی جائے۔ اس سلسلے میں اُس نے کلکتہ سے براہِ راست دو کمشنروں کو سلطان ٹیپو کی طرف روانہ کیا تھا جو بارشوں کی وجہ سے راستے میں پھنسے ہوئے تھے۔

سلطان نے منگلور کے محاصرے میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی تھی۔ اس پر گھبرا کر منگلور کے محصورین نے ڈنڈیگل میں انگریز فوج کے کرنل فلرٹن کو مدد کے لئے لکھا۔ کرنل فلرٹن نے اطلاع ملتے ہی فوجوں کو تیار کیا اور ڈنڈیگل سے روانہ ہوا۔ مگر بجائے منگلور جانے کے اُس کا رُخ سرنگا پٹم کی طرف تھا۔

کرنل فلرٹن کا خیال تھا کہ ڈنڈیگل سے منگلور جانا، جو وہاں سے ڈھائی تین سو میل دُور تھا، اس سے زیادہ بہتر اور مفید ہو گا کہ وہ سرنگا پٹم پر حملہ کر دے جو نسبتاً قریب تھا۔ اس حملہ کی خبر جب ٹیپو سلطان کو پہنچے گی تو وہ دارالسلطنت کو بچانے کے لئے منگلور کا محاصرہ ختم کر کے واپس ہو جائے گا۔

چنانچہ کرنل اپنے منصوبہ کے مطابق پالا گھاٹ پہنچا اور اس پر قبضہ کر کے آگے بڑھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بنگال کے لارڈ گورنر ہیٹنگز کے دونوں کمشنر سرنگا پٹم پہنچ چکے تھے اور وہاں کے گورنر معین الدین سید صاحب سے اُن کی صلح کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہو چکی تھی اور بات آگے بڑھ رہی تھی۔

اسی دوران سید صاحب کو کرنل فلرٹن کے پالا گھاٹ پر قبضہ کرنے کی خبر ملی۔

سید صاحب نے اس اطلاع پر صلح کی گفتگو روک دی اور کرنل فلرٹن کو خط کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ ڈنڈیگل واپس ہو جائے۔ مگر مغرور فلرٹن نے اس خط کو پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور اُسے لانے والے کو واپس دے دیا۔ اس کا لشکر اب کوئمبتور پہنچ چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ جلد ہی سرنگا پٹم پر قبضہ کر لے گا۔

Marfat.com

کوئمبتور کے قبضہ کے دوران کرنل فلرٹن کو دونوں کمشنروں کا بھی ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ وہ آگے نہ بڑھے۔ کیونکہ صلح کی گفتگو اپنے آخری مراحل میں ہے۔ مگر کرنل فلرٹن نے اس خط کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور سرنگا پٹم کی تسخیر کے لئے فوجیں آگے بڑھائیں۔

اثنائے راہ کرنل فلرٹن کی ملاقات پادری فریڈرک شوارز سے ہوئی۔ شوارز کمشنروں کا ایک پیغام لے کر سلطان کے پاس جا رہا تھا۔ اُس نے کرنل فلرٹن کا سامنا ہوتے ہی کہا۔

''کرنل! انتہائی افسوس کی بات ہے کہ سلطان سے صلح کی بات چیت چل رہی ہے اور کامیابی کی نوے فیصد اُمید ہے۔ لیکن تم نے ایسے موقع پر پالا گھاٹ اور کوئمبتور کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ سلطان اس اطلاع کے بعد صلح نامے پر دستخط کرے گا؟ میرا خیال ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔'' پادری نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی اس کا جواب دے دیا۔

اس پر کرنل نے مسکرا کر مگر بڑی رُکھائی سے جواب دیا۔ ''فادر! میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یعنی میں آپ کو کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔''

پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور کرنل کی طرف سے رُخ پھیر کر اُسی وقت سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔

O

سرنگا پٹم میں وہاں کے گورنر معین الدین سید صاحب اور دونوں کمشنروں میں صلح کی گفتگو جاری تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کرنل فلرٹن کے برابر آگے بڑھنے کی اطلاعات بھی موصول ہو رہی تھیں۔

اُنہی دنوں سید صاحب کو سلطان کا ایک مختصر مگر انتہائی اہم پیغام ملا۔ یہ پیغام روشن خاں لے کر آیا۔ اُس نے سید صاحب سے بیان کیا۔

''سید صاحب! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کرنل فلرٹن کی پیش قدمی روکنے کے لئے چار ہزار سواروں کا ایک دستہ روانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ دستہ گریٹ ہلی گھاٹ کے قریب فلرٹن کو روکنے کے لئے پہنچ چکا ہے۔''

یہ پیغام سنتے ہی سید صاحب نے دونوں کمشنروں سے مزید گفتگو سے انکار کر دیا اور دونوں کمشنر مایوس ہو کر سلطان سے ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے۔

اُدھر کرنل کیمبل اور اُس کی انگریز سپاہ کا محاصرے میں برا حال ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کرنل کیمبل نے کسی ذریعے سے جنرل میکلوڈ کو بھی اپنی مدد کے لئے بلوا لیا تھا۔

کرنل میکلوڈ کئی جہازوں میں سامان اور فوجی بھر کر منگلور کے قریب ساحل سمندر پر تو پہنچ

Marfat.com

گیا مگر اُسے خشکی پر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی تھی جہاں اُتر کر وہ محصورین کی مدد کے لئے پہنچ سکے۔
ایک دن اُس نے جہاز ساحل سے لگا کر سامان اور فوج اُتارنے کی کوشش کی مگر اُسے جلد ہی یہ احساس ہوا کہ اُسے گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔ یہ محسوس کرتے ہی اُس نے فوراً سامان جہازوں پر لدوا دیا اور سوار ہو کر گہرے سمندر میں پہنچ گیا اور مشہور کر دیا کہ ساحل پر پانی اور رسد کا معقول انتظام نہیں تھا۔

ایک ہفتہ سے زیادہ جہازوں کو سمندر میں گھمانے پھرانے کے بعد کرنل میکلوڈ کنانور کی طرف چلا گیا۔ وہاں کی رانی نے کرنل میکلوڈ کے جہاز کے عملہ اور کچھ فوجیوں کو قید کر رکھا تھا۔
کرنل میکلوڈ نے کنانور پر آسانی سے قبضہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو قید سے آزاد کر لیا۔
اُس نے کنا' سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت پر خود قبضہ کر لیا۔ جب بمبئی کی حکومت نے اُس سے مالِ غنیمت کا حساب مانگا تو اُس نے جواب بھجوا دیا۔
''میں نے مالِ غنیمت کا نصف حصہ یعنی 23121 روپے اپنے لئے رکھ لئے اور باقی نصف حصہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جو اُن کا واقعی حق تھا۔''

○

قلعہ منگلور کا محاصرہ بھی کچھ عجیب تھا۔ سلطان نے بازار کھلوا دیئے تھے اور لوگوں کو سامان خریدنے کی عام اجازت تھی۔ اس کے باوجود قلعہ کی نصف محصورین پر مشتمل آبادی جو بھوک پیاس اور بیماری سے بچ گئی تھی، اُس نے تنگ آ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور صلح کا پرچم لہراتی آ گئی۔ سلطان نے ان سب باہر آنے والوں کو قیدی بنا لیا۔ ان قیدیوں میں کرنل کیمبل بھی شامل تھا۔

کرنل کیمبل کو قلعہ کے محاصرہ کے پہلے ہی دن تپ دق ہو گیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے اُس کی بیماری کے پیش نظر اُسے اپنی فوج کے ہمراہ بمبئی جانے کی اجازت دے دی۔ مگر بدقسمت کرنل کیمبل ایک ماہ بعد ٹی بی کے مرض سے بمبئی میں انتقال کر گیا۔
دونوں کمشنروں کا وفد منگلور کے قریب پہنچا تو سلطان کی طرف سے دو افسروں نے اُن کا استقبال کیا۔ وفد نے سلطان کی خدمت میں جو تحفہ بھیجا اُس میں ایک مرصع طلائی خلعت، سرخ اور سبز زربفت کی ایک چادر، سرخ اور نیلے رنگ کی ایک چادر، ایک تلوار، ایک ہاتھی اور دو گھوڑے شامل تھے۔
وفد سے صلح کی گفتگو کا آغاز ہوا۔
سلطان کی طرف سے پورنیا اور کرشن راؤ نے نیابت کی جو کٹر ہندو تھے۔ سلطان نے جو صلح

Marfat.com

نامہ مرتب کر کے بھیجا، اُس کی شرائط حسب ذیل تھیں۔
1- مالا بار کے ساحل پر انگریزی مقبوضات واگذار کر دیئے جائیں، جن کے بدلے میں اتنی ہی تعداد کے کرناٹک کے قلعے سلطان کو دیئے جائیں۔
2- جزائر نما کے اطراف میں تمام انگریزی مقبوضات معہ ان 55 ہزار پگوڈوں کے جو کرنل فلرٹن نے پالاگھاٹ میں حاصل کئے، واگذار کئے جائیں۔
3- غلام زادہ ایاز خاں کو سلطان کے حوالے کیا جائے۔
4- کمشنر اس وقت تک کرناٹک کی طرف واپس نہ جائیں جب تک ہر معاملہ پورے طور پر طے نہ ہو جائے۔

انگریز ان شرطوں میں سے ایاز خاں کی واپسی اور پگوڈوں کی واگذاری ماننے پر تیار نہ تھے۔ صلح کی بات چیت ناکام ہونے لگی تو کمشنروں نے منگلور سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا۔ مگر راز فاش ہو گیا۔

آخر 11 مارچ 1784ء کو معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدہ کی 9 شرطیں تھیں۔ جن کی رُو سے:
فریقین ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں گے۔
اور نہ ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔
فریقین کے علاقوں کو واگذار اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے گا۔
آبنور اور سات گڑھ کے قلعے سلطان کے پاس رہیں گے۔
کنانور اور ڈنڈیگل کے قلعے اُس وقت تک انگریزوں کے پاس رہیں گے جب تک دوسری شرائط پوری نہیں ہو جاتیں۔

اس صلح نامے میں نمک حرام ایاز خاں اور 55 ہزار پگوڈوں کی واپسی کا کوئی ذکر نہ تھا۔

اس کے بعد ہی گورنر مدراس میکارٹنی اور گورنر جنرل لارڈ ہسٹینگز کو انگلستان واپس بلا لیا گیا اور میکفرسن قائم مقام گورنر جنرل کا کام کرنے لگا۔

معاہدہ منگلور سلطان کی ایک زبردست فتح تھی۔ اس لئے جب سلطان منگلور سے سرنگا پٹم پہنچا تو وہاں نظام دکن اور پونا کے مرہٹہ پیشوا کے نمائندے اُسے نذریں پیش کرنے اور مبارکباد دینے کو حاضر تھے۔

دونوں ممالک کے نمائندوں کو سلطان نے خلعتیں اور جواہرات عطا کئے لیکن مرہٹہ سردار نے ساتھ ہی اپنا خراج طلب کر لیا۔ سلطان اس بے موقع مطالبہ پر غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے مرہٹہ پیشوا کے نمائندے کو تلخ لہجہ میں جواب دیا۔

Marfat.com

''کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ نواب مرحوم حیدر علی خاں نے تمہارے اُکسانے پر پائیں گھاٹ کی جنگ لڑی تھی جس میں سلطنت کا سارا خزانہ اور ممالک محروسہ کے تین سالہ محصول کی رقم بھی خرچ ہوگئی تھی اور تم نے منصوبے اور معاہدے کے باوجود اس جنگ میں نواب مرحوم کا کوئی ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد حیدر نگر کے احسان فراموش صوبیدار نے ہمیں دھوکہ دیا اور سلطنت کی تمام دولت لے کر بھاگ گیا۔ ہم نے دشمن سے حیدر نگر تو واپس لے لیا مگر اُس کے خزانے کا ایک پیسہ بھی واپس نہیں مل سکا۔

پھر جب ہم تخت نشین ہوئے تو نواب مرحوم کی وراثت میں چند توپوں، بندوقوں، تلواروں اور ڈھالوں کے سوا ہمیں کچھ بھی نہ ملا۔

اس وقت ہمارا خزانہ بالکل خالی ہے۔ البتہ سلطنت کے بندوبست کے بعد تمہاری رقم کی ادائیگی کا حکم دے دیا جائے گا۔''

اس کے ساتھ ہی سلطان نے محمد عثمان کو جو نواب مرحوم کا قدیم ملازم تھا، چند تحفے دے کر پونا کے سفیر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ مرہٹے دوبارہ میسور پر نہ چڑھ دوڑیں۔

O

محاصرہ اور فتح حیدر نگر کے بعد ایک دردناک واقعہ پیش آیا جس کے ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ نواب مرحوم حیدر علی خاں کے دست راست اور سلطان ٹیپو کے عظیم سردار محمد علی کمیدان کی خودکشی ہے۔

یورپی مؤرخین نے اپنی خباثت کا اس میں بھی ثبوت دیا ہے اور اس کی ساری ذمہ داری سلطان ٹیپو پر ڈال دی ہے۔ حالانکہ سلطان نے جو بھی قدم اُٹھایا، وہ اصولِ مملکت کے اعتبار سے بالکل درست تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ نواب بہادر حیدر علی خاں کے انتقال کے بعد مملکت خداداد میسور میں شورشیں اور بغاوتیں پھوٹ پڑیں جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس میں ایک بغاوت حیدر نگر کے ایاز خاں کی تھی۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایاز خاں ایک ہندو بچہ تھا جسے حیدر علی نے پالا تھا اور جوان ہونے پر اپنا لے پالک بیٹا بنا لیا تھا۔

ایاز خاں کے دل میں کیا تھا، اس کا تو کسی کو علم نہیں۔ لیکن بظاہر وہ نواب مرحوم کا بڑا وفادار اور تابعدار دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ نواب مرحوم نے اُسے حیدر نگر کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

حیدر نگر جس کا پہلا نام بدنور تھا، اُسے نواب نے ترقی دے کر ایک بڑے شہر میں تبدیل کر

Marfat.com

دیا تھا اور سرنگاپٹم کے بعد سلطنت خداداد کا سب سے بڑا شہر بن گیا تھا۔

ایاز خاں کے دل میں جو کچھ تھا وہ نواب بہادر کی وفات کے ساتھ ہی سامنے آ گیا۔ اور اُس احسان فراموش اور نمک حرام نے سلطان ٹیپو کے خلاف بغاوت کر کے حیدر نگر کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے لئے سودے بازی شروع کر دی۔

ایاز خاں اگرچہ گورنر تھا مگر حیدر نگر کا قلعہ دار قاسم علی خاں تھا۔ اُس کا یہ فرض تھا کہ جب ایاز خاں کے قدم بہکے تھے تو اُسے سمجھاتا یا پھر سلطان کو اس کی خبر کرتا لیکن وہ خود اس سازش میں شریک ہو گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انگریزوں نے قاسم علی خاں کو قلعہ دار کے ساتھ ساتھ نائب گورنر بنانے کا لالچ بھی دیا تھا۔

بہرحال کچھ بھی ہوا ہو، قاسم علی خاں بھی اس بغاوت میں شریک ہوا اور حیدر نگر کا قلعہ جنگ کے بغیر انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔

پھر جب حیدر نگر فتح ہوا تو ایاز خاں جان بچا کر مدراس بھاگ گیا اور غدار قاسم خاں نے محمد علی کمیدان سے پناہ طلب کی اور اُس کی پناہ میں آ گیا۔

قاسم علی خاں کے محمد علی کمیدان کی پناہ میں آ جانے کی خبر جب سلطان کو پہنچی تو اُس وقت وہ خاموش رہا کہ اُسے منگلور پہنچنے کی جلدی تھی۔ لیکن جب منگلور بھی فتح ہو گیا اور انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو سلطان نے قاسم علی خاں کو سب کے سامنے بلایا اور اُس سے باز پرس کی۔

سلطان کو قلعہ دار قاسم علی خاں کی غداری پر سخت غصہ تھا۔ اُس نے بڑے ضبط سے قاسم علی خاں سے سوال کیا۔

''یہ بتا کہ قلعہ حیدر نگر میں غذا کے ذخائر، سامانِ جنگ منظم فوج اور مدافعت کے تمام سامان ہونے کے باوجود تو نے قلعہ بغیر جنگ کے انگریزوں کے حوالے کیوں کر دیا؟''

قاسم کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ اُس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''سلطانِ معظم...... سلطانِ معظم...... ایاز خاں نے سب کچھ......''

''بکواس مت کر۔'' سلطان نے اُسے ڈانٹ دیا۔ ''تو اُس کا نام کیوں لیتا ہے؟ اُس غلام زادے نے اپنی کم ظرفی کی بنا پر کفرانِ نعمت اور بغاوت کی راہ اختیار کی۔ لیکن تو تو شریف زادہ تھا۔ تو نے اپنے ناموس پر کیوں بٹہ لگایا؟ اور اتنے مضبوط قلعے کی پاسبانی کے فرائض سے کیوں منہ موڑا؟''

''سلطانِ معظم!'' قاسم علی خاں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''بلاشبہ قلعہ میں سامانِ

Marfat.com

جنگ، آلاتِ حرب اور رسد کے تمام ذخائر موجود تھے لیکن ایاز خاں کے اشارے پر نائیکوں نے میرے حکم سے سرتابی کی اور بغیر میری اجازت کے دشمنوں سے سازش کر کے اُنہیں قلعہ میں داخل ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس لئے میں مجبور ہو گیا۔ میں قلعہ سے نکل کر حضور تک کیسے پہنچ سکتا تھا؟''

یہ سب سراسر جھوٹ تھا اور قاسم علی خاں کی مکاری تھی۔ اُس نے ایاز خاں کی بغاوت کی نہ صرف حمایت کی تھی بلکہ سلطانی فوجوں کے خلاف جنگ میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

سلطان نے اُس کے عذر پر اُس سے دوسرا سوال کیا۔

''اگر تیرا یہ کہنا درست ہے کہ تیرے ماتحتوں نے تیرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا تو تو نے اس کی خبر سلطان یا سلطانی لشکر کو کیوں نہیں بھجوائی؟ تیرے خود آنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو یہ خبر کسی بھی مخبر کے ہاتھ بھیج سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تو نے غداری کی تھی اور اب تو جان بچانے کے بہانے تراش رہا ہے۔''

قاسم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ سلطان نے اس سلسلے میں اراکین سلطنت سے مشورہ طلب کیا اور سب نے یک زبان ہو کر اس غدار کی گردن مار دینے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ...... سلطان نے اُس کے لئے پھانسی کا حکم دے دیا۔

دوسرے دن بخشی زین العابدین کو حکم پہنچا کہ وہ غدار قاسم علی خاں کو پھانسی پر چڑھا دے۔ شاہی حکم کے تحت زین العابدین خاں، محمد علی کمیدان کے پاس گیا اور کہا۔

''سردارِ محترم! مجھے حکم ہوا ہے کہ میں قاسم علی خاں کو پھانسی پر چڑھا دوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ قاسم خاں کو میرے حوالے کر دیں تا کہ میں شاہی حکم کی تعمیل کر سکوں۔''

محمد علی کمیدان نے سر اُٹھا کر بخشی زین العابدین کو دیکھا اور لاپرواہی سے جواب دیا۔

''بخشی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قاسم میری پناہ میں ہے۔ بہتر ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ ورنہ اسے پھانسی پر چڑھانے سے پہلے مجھے پھانسی لگانا ہوگی۔''

بخشی، محمد علی کمیدان کے مرتبہ سے واقف تھا اس لئے اُس نے بحث نہ کی اور نہ ہی قاسم کو زبردستی اُس سے چھیننے کی کوشش کی بلکہ وہ وہاں سے خاموشی کے ساتھ اُٹھا اور سیدھا حضورِ سلطانی میں حاضر ہوا۔

''عالی جاہ! میں نے سردار محمد علی کمیدان سے کہا کہ آپ قاسم علی خاں کو میرے حوالے کر دیجئے تا کہ میں حکم سلطانی کے تحت اُسے دار پر چڑھاؤں۔ مگر سردار کمیدان نے میری درخواست کے جواب میں کہا کہ قاسم علی خاں اُن کی پناہ میں ہے اور بہتر ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔

Marfat.com

ورنہ اُسے دار پر چڑھانے سے پہلے انہیں پھانسی دینا ہوگی۔"

سلطان نے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاسم کی پھانسی اُس دن کے لئے منسوخ کردی اور محمد علی کمیدان کو تنہائی میں طلب کرلیا۔

"سردار محمد علی کمیدان! آپ کو معلوم ہے کہ قاسم علی خاں سلطنت کا مجرم ہے اور اُسے پھانسی کا حکم دیا جاچکا ہے۔ اس لئے قانون اور حکومت کا وقار برقرار رکھنے کے لئے اُسے پھانسی دینا لازمی ہے۔"

سردار محمد علی کمیدان نے سلطان کو کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں مگر وہاں سے اُٹھا اور بغیر سلام کئے واپس آ گیا۔

سلطان کو اُس کا یہ رویہ ہتک آمیز اور ناگوار گزرا۔ مگر اُس نے پھر بھی تحمل کا دامن نہ چھوڑا اور اُس کی سابقہ کارگزاریوں اور وفاداریوں کی وجہ سے خاموش ہو رہا۔

دوسرے دن سپاہیوں نے قاسم علی خاں کو سردار کمیدان سے حاصل کرلیا اور اُسے دار پر چڑھانے کے لئے مقتل کی طرف لے چلے۔

ابھی وہ مقتل میں پہنچے بھی نہ تھے کہ سردار کمیدان ہاتھی پر سوار وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے قاسم کو سپاہیوں سے چھین کر اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھالیا۔

اس قانون شکن اور ناروا حرکت کے ساتھ ہی اُس نے مجمع کی طرف دیکھا جو قاسم کی پھانسی کا تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں موجود تھا، اور چیخ کر کہا۔

"جو شخص میرے ساتھ آنا چاہے، بے خوف وخطر آ جائے۔"

مقتل میں عوام کے علاوہ بڑی تعداد میں فوجی دستے موجود تھے۔ اُن میں کچھ لشکری ایسے بھی تھے جو سردار کمیدان کی کمان میں جنگ کر چکے تھے اور اُس کی سپہ گری کے قائل تھے۔ چنانچہ اُس کی آواز پر دو تین سو آدمی اُس کے ساتھ ہو لئے۔

اب اس کا رخ سرنگا پٹم کی طرف تھا۔ اس کے ارادے کیا تھے؟ اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ مگر بظاہر یہ کھلی ہوئی بغاوت تھی۔

محمد علی کمیدان کے اس اقدام کی خبر فوراً سلطان کو پہنچائی گئی۔

"شاہا! سردار محمد علی کمیدان نے مقتل میں پہنچ کر قاسم کو زبردستی سپاہیوں سے چھین لیا ہے اور اب وہ اُسے اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھائے سرنگا پٹم کی طرف جارہا ہے۔ اُس نے ورغلا کر دو تین سو سپاہیوں کو اپنے ساتھ ملالیا ہے اور وہ اس کے جلو میں رواں دواں ہیں۔"

سلطان کے چہرے پر گہری شکنیں اُبھر آئیں اور اُس نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

Marfat.com

وہاں تقریباً سب ہی سردار موجود تھے۔

سلطان نے غصے سے کانپتے ہوئے حکم دیا۔ ''غازی خاں! تم اور سید حمید اُن کے پیچھے جاؤ اور جس طرح بھی ہو اُنہیں واپس لے کر آؤ۔''

سلطان کا حکم پاتے ہی غازی خاں اور سید حمید دربار سے اُٹھے اور چند دستے ساتھ لے کر تیزی سے محمد علی کمیدان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔

سردار کمیدان مشکل سے چار کوس پہنچا تھا کہ غازی خاں آندھی اور طوفان کی طرح اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس نے گھوڑا ہاتھی کے سامنے روکا اور بولا۔

''سردار محمد علی کمیدان! حکم سلطانی ہے کہ میں آپ کو آپ کے حواریوں سمیت ہر صورت میں واپس لے جاؤں۔ آپ واپس چلنے کو تیار ہیں یا میں طاقت استعمال کروں؟''

اُس وقت محمد علی کمیدان کا دماغ شاید ٹھکانے تھا۔ اُس نے فیل بان کو ہاتھی واپس موڑنے کا حکم دیا۔ غازی خاں کے دستوں نے ان لوگوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

ہاتھی واپس ہوا تو باغی دستے بھی اُس کے ساتھ ہی واپس چلنے لگے۔ غازی خاں اُن سب کو حراست میں لئے ہوئے سلطان کے حضور پہنچا۔

سلطان کی نظر سب سے پہلے قاسم پر پڑی۔ اُس نے فوراً حکم دیا۔

''اس غدار کی گردن اُڑا دی جائے۔''

جلاد کہیں قریب ہی موجود تھا۔ اُس نے سلطان کے حکم کی فوراً تعمیل کی اور مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

پھر سلطان نے محمد علی کمیدان کو نظر بند کرنے کا حکم دیا اور باغی سپاہیوں میں سے کچھ کو موت کی سزا اور کچھ کے ناک کان کاٹنے کا حکم ہوا۔

سزا پانے والوں نے اس کا موردِ الزام محمد علی کمیدان کو ٹھہرایا۔ وہ چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔

''اے خانہ خراب! ہم تیری وجہ سے برباد ہو گئے۔ تیری ہمدردی میں ہمارے ناک کان کاٹے گئے اور تجھے صرف نظر بندی کی سزا ملی۔ خدا تیرا بیڑہ غرق کرے۔''

محمد علی کمیدان اپنے ساتھیوں کی آہ و زاری سے بہت پریشان، شرمندہ اور پشیمان تھا۔ اُسے ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔

اور...... اُس نے پہلی ہی رات کو الماس کی کنی چاٹ کے اپنی زندگی ختم کر لی۔ الماس اُس کی انگوٹھی میں نگینے کی جگہ جڑا ہوا تھا۔

ایک اور بیان میں کہا گیا ہے کہ محمد علی کمیدان نے قید خانے میں اپنی زبان باہر کھینچ کے جان

Marfat.com

دے دی تھی۔

سلطان کو محمد علی کمیدان کی خودکشی کی خبر ملی تو اُسے افسوس ہوا۔

محمد علی کمیدان بہت خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ ایک بہترین شہسوار، شمشیر زن اور سالارِ فوج تھا۔ اُس نے بڑے بڑے موقعوں پر اپنی ذہانت سے دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اُس کی فقرا اور غریب پروری سب سے اہم خوبی تھی۔ اُس کے دستر خوان پر دونوں وقت دس بیس فقرا ضرور موجود ہوتے تھے۔

محمد علی کمیدان کی سخاوت اور دریا دلی کا یہ حال تھا کہ اُسے تنخواہ اور تنخواہ کے علاوہ جو کچھ انعام میں حاصل ہوتا وہ تمام کا تمام سپاہیوں یا فقیروں میں بانٹ دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر شاہی خزانہ بھی کہیں اُس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ بھی اُس کی دریا دلی اور سخاوت کی بھینٹ چڑھ جاتا۔

مگر......

اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک انسان، ایک بندہ بشر بھی تھا۔ اُس میں خوبیوں کے ساتھ کچھ عیوب بھی تھے۔

اُس نے اپنے گھر پر کبھی توجہ نہیں دی۔ خودسری اور ضد کا یہ عالم تھا کہ ایک بار نواب مرحوم نے اُسے اسی خودسری کی بنا پر معزول کر دیا تھا اور اب اسی ضد اور خودسری نے اُس کی جان لے لی تھی۔

سخاوت کی انتہا یہ تھی کہ مرنے کے بعد اُس کے گھر سے ایک ٹوپی اور چند پرانے کپڑوں کے علاوہ اور کچھ نہ نکلا۔ اور اُس کی بیوہ کو مادر ملکہ نے اپنے سایہ عافیت میں لے کر اُس کے گزر اوقات کا بندوبست کیا۔

OOO

Marfat.com

●

یہ عجیب بات تھی کہ سلطان ٹیپو کو، سلطان بنے پندرہ ماہ ہو چکے تھے اور اُسے اب تک دارالسلطنت کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ آخر فتح منگلور کے بعد سلطان نے سرنگا پٹم کا رُخ کیا۔

راستے میں مختلف بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے بل اور کورگ کی طرف لشکر روانہ کیے اور کچھ سرکشوں کی گوشمالی کرتا ہوا سلطان عین موسم گرما میں سرنگا پٹم میں وارد ہوا۔

سلطان کے ورود پر عمائدین سلطنت نے اُس کا پُر جوش استقبال کیا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان دارالسلطنت میں بحیثیت سلطان کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا تھا۔ اُس کی آمد پر شاہی محلات میں چراغاں کیا گیا۔ ہندو راج محلوں میں بھی دکھاوے کا اظہارِ خوشی کیا گیا۔ راج ماتا لکشم اور رانی دیواجی منی نے سلطان کو نذریں بھجوائیں۔

سلطان نے فوراً انتظام سلطنت پر توجہ دی۔ عمالِ سلطنت کو فرامین بھیجے گئے اور سلطنت خداداد کے گوشوارے مرتب کیے گئے۔

ان گوشواروں کی رُو سے مندرجہ ذیل صورتحال سامنے آئی:۔

1- شاہی خزانے میں کل اسّی کروڑ روپے کے ہیرے جواہرات موجود تھے۔

2- جانوروں میں 900 ہاتھی، 2000 اُونٹ، 60 ہزار گھوڑے، 4 لاکھ گائیں، 6 لاکھ بھیڑیں بکریاں اور دیگر ساز وسامان تھا۔

3- سلطنت خداداد کی وسعت 80 ہزار مربع میل تھی جس میں ساحل مالا بار کے ایک ہزار جزیرے بھی شامل تھے۔

4- سالانہ خراج 3 کروڑ روپے تھا۔

5- آبادی 60 لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔

سلطان نے سب سے زیادہ توجہ عسکری نظام پر دی اور اپنی اصلاحات اور اختراعات کو فتح المجاہدین کے نام سے مرتب کرایا۔ یہ کتاب میر زین العابدین شوستری کے نام سے مشہور ہے جس کا تعلق ایران کے علاقہ شوستر سے تھا۔ وہ حیدر آباد دکن کے وزیر میر عالم کا چھوٹا بھائی تھا

Marfat.com

اور سلطان ٹیپو کی خدمت میں عرصہ سے چلا آ رہا تھا۔

سلطان نے اپنے فوجی نظام کو مندرجہ ذیل خطوط پر استوار کیا۔

1- فوج کا سپہ سالار سلطان خود ہوتا تھا۔

2- اس کے ماتحت 33 سالار ہوتے تھے جن میں سے گیارہ صرف سرنگا پٹم میں رہتے تھے۔

3- ہر سالار کے تحت بیس سے تیس تک سردار ہوتے تھے۔

4- سلطان کی کل فوج 3 لاکھ 20 ہزار تھی جو مختلف قلعوں اور سرحدی چوکیوں میں موجود رہتی تھی۔

5- فوج کے پاس 900 ہاتھی، 600 اُونٹ، 20 ہزار گھوڑے، 4 لاکھ بیل، 3 لاکھ توڑے دار بندوقیں، 3 لاکھ چقماق دار بندوقیں، 2 لاکھ 22 ہزار تلواریں اور 929 توپیں معہ گولہ بارود کے موجود تھیں۔

6- سلطانی فوج 5 ہزار ڈویژن پر مشتمل تھی۔

7- ہر ڈویژن میں 27 رجمنٹیں (قشون) ہوتی تھیں۔

8- ہر رجمنٹ (قشون) میں چار رسالے پیادوں کے اور ایک رسالہ سواروں کا ہوتا تھا۔

9- ہر رسالہ میں 1392 سپاہی ہوتے جن میں 1056 بندوقچی اور ایک توپ خانہ ہوتا تھا۔

10- ہر توپ خانے میں 28 توپچی ہوتے تھے۔

11- سو سپاہیوں کو ''جوق'' کا نام دیا گیا۔

12- ایک جوق میں دو سرخیل (چھوٹے سردار) دس جمعدار اور دس دفعدار ہوتے تھے۔

13- سواروں کے دستے کو ''عسکر'' کہتے تھے جن میں 300 سواروں کو ٹیپ کہا جاتا تھا۔

14- رسالہ کا سردار رسالدار اور جوق کا سردار جوقدار کہلاتا تھا۔

15- ہر رسالے میں چار ٹیپیں ہوتی تھیں اور ٹیپ کا سردار ٹیپ دار کہلاتا تھا۔

16- عسکر کے نقیب کو شرباشون (انگریزی واجٹین) کہا جاتا اور قشون اور رسالہ کے نقیب کو بیاپچی کہا گیا تھا۔

سلطان ایک خالص اسلامی فوج ترتیب دینا چاہتا تھا اس لئے فتح المجاہدین کے پہلے باب میں عقائد، نماز، تمباکو نوشی، غداری، نمک حرامی، ترکہ، وراثت اور جہاد وغیرہ کے مسائل بیان کئے گئے تھے۔ آخری باب میں سرکار اسداللہی فوج کے لئے فوجی ترانے، اُردو، فارسی اشعار، مختلف جانوروں کے کاٹنے اور اُن کے زہروں کا علاج درج کیا گیا تھا۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان نے منگلور سے سرنگا پٹم روانگی کے دوران بعض علاقوں پر فوج کشی کے لئے لشکر روانہ کئے تھے۔ اُن میں ایک لشکر پنکنور اور دن ہلی کی طرف بھی گیا تھا۔

Marfat.com

اس لشکر میں سید غفار، امام خاں اور سید عمر شامل تھے۔

دوسری مہم نرکنڈہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ سلطان کے ان دونوں لشکروں نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کی۔

سلطان کی تیسری مہم ''کورگ'' کے خلاف تھی۔ یہ بڑی اہم مہم تھی۔ یہاں کے لوگ ہمیشہ سے ہی بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ نواب حیدر علی خاں کے زمانے میں بھی یہاں کئی بغاوتیں ہوئی تھیں۔ اب سلطان ٹیپو نے بہ نفسِ نفیس اس مہم پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور بارہ ہزار پیادہ، دس ہزار سوار اور بائیس ضرب توپ لے کر نکلا۔

سلطان جب کرگ کی سرحد پر پہنچا تو اُس نے سواروں کو پریاپٹن، سداپور اور منظر آباد پر حملہ کا حکم دیا اور خود پیادہ فوج کے ساتھ اندرونِ ملک بڑھا۔

سلطان کا مقابلہ رن منڈل پر باغیوں سے ہوا۔ سلطانی لشکر فرانسیسی سالار موسیولانی کے زیرکمان قلعہ پر حملہ آور ہوا اور ایک سخت مقابلہ کے بعد ملن بلی اور خوشحال پور پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

باغیوں نے میدان میں مقابلے کی بجائے گھنے جنگلوں میں پناہ لے لی اور وہاں سے سلطانی لشکر پر شب خون مارنے کا سلسلہ جاری کیا۔

سلطان ایسے حالات سے نواب مرحوم کی زندگی میں گزر چکا تھا۔ اُس نے فوراً جنگل کاٹنے کا حکم دے دیا۔ پھر باغیوں کے مقابلہ کے لئے حسین علی خاں بخشی نائطہ، میر محمود، امام خاں اور موسیو لالی کو روانہ کیا۔

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں پورا کورگ ازسرنو تسخیر ہوا۔ میر حسین علی خاں بخشی نے یہاں بڑی ناموری پیدا کی اور اُس کا نام ''بنکی نواب'' پڑ گیا۔ بنکی کے معنی آگ کے ہوتے ہیں۔ یعنی ''آگ کا نواب''

ایک اندازے کے مطابق اس جنگ میں 80 ہزار مرد اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں اُن کے دو سردار موٹی نائر اور دونکا نائر بھی شامل تھے۔

سلطان نے گرفتار ہونے والوں کے سامنے اسلام پیش کیا اور اُن لوگوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ سلطان نے ان نومسلموں کی باقاعدہ ایک الگ فوج بنائی جس کا نام ''جماعت احمدی'' رکھا گیا۔ یہ فوج بالکل اُس طرح کی تھی جس طرح سلطان ترکی نے ''ینی چری'' فوج بنائی تھی۔

کورگ کی زمین قیمتی لکڑی، بے شمار پھل، پھول اور ہاتھیوں سے بھری پڑی تھی۔ یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت تھیں جنہیں دیویاں یا پریاں کہا جاتا تھا۔ اُن کے جسم پر بہت مختصر لباس

Marfat.com

ہوتا تھا۔ یہاں کے مردوں میں قوتِ مردمی کی کمی ہوتی تھی چنانچہ ایک عورت سے چار چار مرد شادی کرتے تھے اور اُن کی اولاد مشترک کہلاتی تھی۔

جس زمانے میں سلطان وہاں ٹھہرا ہوا تھا تو اُس کے سامنے ایک بہت دلچسپ مقدمہ پیش ہوا۔ اُس کے سامنے چار مردوں اور ایک عورت کو لایا گیا۔ وہ سب آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ سلطان نے جھگڑے کی نوعیت پوچھی تو اُسے بتایا گیا کہ۔

''یہ چاروں اس عورت کے شوہر ہیں۔''

سلطان اس پر چونکا اور اُس نے وضاحت طلب کی۔ ایک ترجمان نے بتایا۔

''عالی جاہ! اس علاقے کے مردوں میں قوتِ مردمی کی اس قدر کمی ہے کہ چار چار مرد صرف ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور ان کی جو اولاد ہوتی ہے وہ چاروں باپوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔''

سلطان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اُس نے لشکر کے قاضی کو بلوایا اور اُن سے دریافت کیا۔

''کیا ایک عورت سے بیک وقت چار مرد شادی کر سکتے ہیں؟''

قاضی نے جواب دیا۔ ''عالی جاہ! اسلام میں جس طرح ایک مرد کو بعض تحفظات کے ساتھ بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہے اسی طرح اس علاقے میں رواج ہے کہ ایک عورت چار بھائیوں کے ساتھ شادی کر سکتی ہے اور باری باری سے ایک ایک رات ہر مرد کے ساتھ گزار سکتی ہے۔ اس رواج کو یہاں معیوب نہیں سمجھا جا سکتا اس لئے کہ ایسا کرنا ان کی ضرورت ہے۔''

سلطان کے دریافت کرنے پر قاضی نے مزید وضاحت کی۔ ''یہاں کے مردوں میں قوتِ مردمی کی بہت کمی ہے۔ بلکہ اکثر مرد بالکل نامرد پیدا ہوتے ہیں اس لئے ایک عورت کو چار مردوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اسے چار مردوں کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے لوگ عام طور پر ناجائز اولاد ہیں۔ ہم اس حرام کاری کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ رسم آج سے متروک کی جاتی ہے۔''

سلطان کے اس اعلان کے بعد اصل جھگڑا پیش ہوا۔

اُن چار مردوں میں اختلاف یہ تھا کہ ان کی مشترکہ بیوی کے چار بچے پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے وہاں کے دستور کے مطابق ہر مرد ایک بچے کا باپ تھا۔ لیکن چاروں میں سے ایک مرد کا دعویٰ تھا کہ اُن چاروں مردوں میں سے صرف وہی ایک مرد ہے اور چاروں بچوں پر صرف اُس کا حق ہے۔

Marfat.com

اس سلسلے میں جب عورت کا بیان لیا گیا تو اُس نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان چاروں میں سے واقعی صرف ایک مرد میں قوتِ مردمی ہے باقی سب اس طاقت سے محروم ہیں۔

اس بیان کی روشنی میں قاضی نے فیصلہ دیا کہ چاروں بچے اس مرد کو دے دیئے جائیں جو عورت کے بیان کے مطابق مرد تھا۔

مگر عورت نے قاضی کے اس فیصلے کی شدید مخالفت کی۔ قاضی نے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے وجہ بتانے سے انکار کر دیا۔

اب یہ مقدمہ سلطان کے سامنے رکھا گیا۔ سلطان کو اگرچہ اس مقدمے سے نفرت سی ہو رہی تھی لیکن سلطان ہونے کی حیثیت سے اُنہیں کچھ نہ کچھ فیصلہ تو کرنا ہی تھا۔

سلطان نے بھی عورت سے کئی سوال کیے۔ اُس نے تمام سوالوں کے جواب دیئے لیکن اپنی مخالفت کی وجہ بتانے سے انکار کرتی رہی۔

آخر سلطان نے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ سب کی عقل دنگ رہ گئی۔

سلطان نے حکم دیا۔ ''چاروں بچوں کو پیش کیا جائے۔''

بچے پیش کیے گئے تو سلطان نے جلاد کو بلوا کر حکم دیا۔

''چاروں بچوں کو ان کی ماں کے سامنے قتل کر دیا جائے۔''

یہ حکم سنتے ہی عورت دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اور دہائیاں دینے لگی۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کے قاضی سے التجا کی کہ وہ سلطان سے قتل کا حکم واپس لینے کے لئے کہے۔ میں اصل وجہ بتانے پر تیار ہوں۔

سلطان نے دراصل عورت کی زبان کھلوانے کے لئے ہی یہ حکم دیا تھا۔ سلطان کے حکم واپس لینے پر عورت نے قاضی کو بتایا۔

''جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے چار میں سے تین شوہر ناکارہ ہیں اور صرف ایک شوہر میرے پورے حقوقِ زوجیت ادا کرنے میں ناکام ہے تو مجھے مجبوراً اور تین مردوں سے تعلقات پیدا کرنے پڑے اس لئے ایک بچہ میرے اس شوہر کو دیا جائے اور باقی تین اُن مردوں کو دیئے جائیں جو خفیہ طور پر میرے پاس رہتے تھے۔''

قاضی نے یہ تفصیل سلطان کو بتائی تو اُسے اس بات پر اور زیادہ گھن آئی۔ اُس نے حکم صادر کیا۔ ''اس علاقے میں حرام کاری در حرام کاری کا جو سلسلہ جاری ہے وہ فوراً منسوخ کی جاتی ہے۔ یہاں کے تمام بچوں کی پرورش شاہی نگہداشت میں ہوگی۔''

چنانچہ تمام بچوں کو شاہی پرورش میں [illegible] دیا۔ اس سے ان لوگوں میں سے اسّی فیصد

Marfat.com

سے زیادہ مسلمان ہو گئے اور اس حرام کاری سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے۔

○

سلطان کے فوجی نظام کا ذکر کیا جا چکا ہے لیکن قارئین کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ سلطان ٹیپو برصغیر کا پہلا حکمران تھا جس نے ملک میں جمہوری نظام رائج کیا۔

اُس نے تمام اختیارات وزراء کی کیبنٹ کو سونپ دیئے اور خود آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ مگر افسوس کہ ہندوستانیوں کو جمہوری طرزِ حکومت پسند نہ آیا اور لوگوں نے اسے سلطان کی کمزوری تصور کرتے ہوئے ملک وملت سے غداری شروع کر دی۔

سلطان نے جو کیبنٹ بنائی اُس کا نام صدر الصدور رکھا۔ اس کیبنٹ (کابینہ) میں اٹھارہ وزیر ہوتے تھے۔ وہ سب ایک عمارت میں بیٹھتے تھے جسے اٹھارہ کچہری کہا جاتا تھا۔

حکومت کے محکمے باب حکومت کہلاتے۔

ہر محکمہ کا ایک سیکرٹری ہوتا جو میر آصف کہلاتا۔

سلطان نے سب سے پہلے پاسپورٹ رائج کیا۔

سلطنت خداداد کے سات صوبے تھے۔ اُنہیں بڑھا کر نو، پھر سترہ کر دیا گیا۔

ہر صوبہ میں بیس سے تیس تک اضلاع ہوتے تھے۔

ہر ضلع کے دو حاکم ہوتے۔

سول کا حاکم آصف، فوج کا فوجدار ہوتا۔

ہر ضلع پر ایک عامل مقرر ہوتا جس کے ماتحت 3 محرر، ایک سررشتہ دار، 4 تحصیلدار ہوتے تھے۔

ہر شہر اور ہر موضع میں عدل وانصاف کے لئے پنچایت مقرر تھی۔

رسل ورسائل کے لئے محکمہ ڈاک قائم تھا۔

ملازمین کو نقد تنخواہ ملتی۔

ملازمین کے لئے پنشن کی سہولت موجود تھی۔

آب پاشی کے لئے دریاؤں پر بند باندھ کر تالاب بنائے گئے اور نہریں نکالی گئی تھیں۔

ٹکسال نواب مرحوم کے زمانے میں قائم ہو چکے تھے۔ سلطان نے ان میں اضافہ کیا۔ مگر جو سکہ ڈھالا جاتا اُس پر سلطان کی تصویر بنانے کی ممانعت تھی۔

تجارت اور عوام کی سہولت کے لئے ہندوستان میں سب سے پہلے سلطان ٹیپو نے بنک قائم کئے۔

ہر جگہ سرکاری دُکانیں تھیں جو امدادِ باہمی کے اصولوں پر چلتی تھیں (آج کل کے یوٹیلٹی

Marfat.com

سٹوران کی نقل ہیں)

چاندی کا سکہ سب سے پہلے سلطان نے جنوبی ہند میں ڈھلوایا۔

دو روپے کے سکے کو "نقرئی حیدری" کا نام دیا گیا۔

سلطانی روپیہ کو "امالی" کہا جاتا۔

نصف روپیہ "عابدی" یعنی حضرت زین العابدینؒ کے نام پر تھا۔

پاؤ روپیہ "باقری"، حضرت باقرؒ کے نام پر تھا۔

اسی طرح 1/8 روپیہ یعنی دونی کو حضرت امام جعفرؒ کے نام پر "جعفری" کہتے تھے۔

ایک آنے کو کاظمی اور ٹکے کو خضری کہا جاتا تھا۔

سکہ کے ایک طرف ہجری سن اور ٹکسال کا نام (فارسی میں) لکھا جاتا۔

دوسری طرف سلطان کی صفات عدل اور سالِ مدت جلوس کندہ ہوتا۔

تانبے کے چھوٹے سکوں کو بھی سلطان نے رواج دیا۔

غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔

انسانوں کی قربانی بند کی گئی۔

مندروں اور مسجدوں پر ٹیکس ختم کیا گیا۔

تمام مسافر خانے جن میں قیام اور طعام دونوں کا انتظام ہوتا، سرکاری خرچ پر چلتے تھے۔

مندروں میں لڑکیوں کو خدمت کے لئے دیا جاتا مگر وہ فحاشی اور عیاشی کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ سلطان نے مندروں میں لڑکیوں (داسیوں) کا داخلہ بند کر دیا۔

شراب، گانجے اور افیون کی دکانیں ختم کر دی گئیں۔

سلطان نے مردم شماری اور خانہ شماری جاری کی۔

ہندو مسافروں کا انتظام ہندو برہمن کرتے تھے۔ وہاں مفت رہائش کے لئے علاوہ مسافروں کی تواضع دودھ، دہی اور مکھن سے کی جاتی۔

مندر کے پجاریوں اور برہمنوں پر ٹیکس پہلے ہی معاف تھا۔ سلطان نے قاضیوں اور اسلحہ فروش مسلمانوں کو بھی ٹیکس سے آزاد کر دیا۔

مندروں، مسجدوں اور درگاہوں کی جاگیر مقرر کی۔

مندروں کو سالانہ 213959 کنتی رائے پگوڈے (جنوبی ہند کا سکہ) کی رقم دی جاتی تھی۔ جبکہ مسجدوں کو صرف 20 ہزار پگوڈے اور درگاہوں کو 5000 پگوڈے ملتے تھے۔ ان کے علاوہ انعامات، پنشن اور اعزازات الگ تھے۔

Marfat.com

سلطنت خداداد میسور کے سلطان ٹیپو کی فوجی اور سول انتظامیہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے یہ فضول دردِ سری نہیں ہے بلکہ آپ اسے پڑھیے اور تعجب کیجئے کہ آج کا ہمارا فوجی اور سول تمام کا تمام نظام اب سے دو سو سال پہلے سلطان ٹیپو نے رائج کیا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان صرف ایک اعلیٰ درجے کا فوجی جرنیل ہی نہ تھا بلکہ ایک نہایت اعلیٰ دماغ کا مالک، بیدار مغز حکمران بھی تھا جسے مسلمانوں کے علاوہ اپنی ہندو رعایا کے مفادات کا بھی پورا پورا خیال رہتا تھا۔

لیکن...... کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ اس نابغہ روزگار سلطان کو مفاد پرستوں اور غداروں نے ایک دن بھی چین نہ لینے دیا۔

ان مفاد پرستوں میں سب سے آگے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بددیانت انگریز ہیں جنہوں نے تجارت کا فریب دے کر ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور جنوبی ہند میں سلطان کے خلاف مرہٹوں، نظام دکن، میسور کے ہندوؤں اور قوم نائطہ کے خود فریب مذہبی ٹھیکیداروں نے انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دے کر ہمیشہ کے لئے اپنے نام پر بٹہ لگالیا۔

ان لوگوں کے علاوہ جنوبی ہند میں مسلمانوں کے ایک فرقے نے جو اہل نائطہ کے نام سے مشہور تھا، اس نے بھی سلطان کو نیچا دکھانے میں انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا۔

اہل نائطہ کو سلطان کے خاندان سے مرحوم نواب بہادر کے زمانہ سے ہی عداوت اور دشمنی تھی لیکن نہ نواب مرحوم نے اہل نائطہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور نہ سلطان ٹیپو نے ان کی مخالفت کا تصور کیا۔ چنانچہ سلطان کے زمانے میں بدرالزماں نائطہ، میسور کے سرنگاپٹم کے بعد سب سے بڑے اور اہم صوبے حیدر نگر کا گورنر تھا۔

اہل نائطہ کے بارے میں مشہور سیاح ابن بطوطہ نے لکھا ہے:۔

> ''جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور انہیں عروج حاصل ہوا اور دارلسلطنت دہلی پر ان کا قبضہ ہوگیا تو ان کی سخاوت اور قدردانی کے چرچے حدودِ بھارت سے نکل کر ایران، عراق اور عرب تک پہنچے جس کے نتیجہ میں ایرانی، عراقی اور عربی جوق در جوق ہندوستان میں وارد ہونا شروع ہوئے۔
>
> آنے والوں میں عربوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہندوستانی مسلمان عربوں کو اس لئے قابل احترام سمجھتے تھے کہ ان کا تعلق دیارِ حبیبؐ یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن سے تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے مسلم بادشاہوں اور حکمرانوں نے شمالی و جنوبی ہند میں اسی احترام کے پیش نظر اپنی حکومتوں میں مذہبی عہدے ان

Marfat.com

لوگوں کو دینا شروع کر دیئے۔ پھر ایک رسم سی ہو گئی کہ تمام مذہبی عہدے ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گئے۔

یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ یہ لوگ اپنی دینداری اور مذہبی علیت میں دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ نمایاں ہوئے تھے مگر اُنہیں (جواب نائطہ کے نام سے مشہور تھے) یہ زعم اور غلط فہمی ہو گئی کہ وہ اپنے نسب کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں سے افضل اور برتر ہیں۔

یہ ایک بڑا غلط خیال تھا اس لئے کہ جس نسب پر وہ ناز کرتے تھے اُس نسب کے سردار، سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود رنگ و نسل کی تفریق کو مٹاتے ہوئے صاف اور واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا تھا کہ

''نہ گورے کو کالے پر اور نہ عربی کو عجمی پر کسی طرح کی فوقیت ہو گی، سوائے اس کے کہ وہ زیادہ متقی ہو''

فوقیت اور افضلیت کا پیمانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تقویٰ کو قرار دیا تھا مگر اہل نائطہ اپنے عرب ہونے پر اس قدر مغرور ہو گئے تھے کہ باقی تمام قوموں کو وہ اپنے سے حقیر سمجھتے تھے اور اُنہیں اپنی بیٹی نہ دیتے تھے۔

چنانچہ..... نواب مرحوم کے زمانے میں بھی اہل نائطہ اور نواب بہادر مرحوم کے خاندان میں یہ اختلاف پیدا ہوا تھا۔

نواب مرحوم نے امام صاحب بخشی نائطہ کی بیٹی کو اپنے بیٹے شہزادہ ٹیپو کے لئے منتخب کیا تھا لیکن خاندانِ نائطہ نے اس رشتہ کو نہایت غیر مناسب اور بے جوڑ خیال کیا۔ اُن کے نزدیک والی میسور حیدر علی کی ذات اہل نائطہ سے کمتر تھی۔

امام صاحب بخشی نائطہ رشتہ دینے سے تو انکار نہ کر سکے مگر شادی کے بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ خود اور اُن کے خاندان کے تمام لوگ اس رشتہ کے مخالف تھے۔ سلطان ٹیپو جو اُس وقت ایک متحمل المزاج شہزادے تھے، شادی کے بعد انہیں بخشی صاحب کی بیٹی کے غرور اور خاندانی تکبر کا سامنا کرنا پڑا۔

بعض روایتوں کے مطابق شہزادہ ٹیپو کو اُن کی نائطہ بیوی ہر وقت اپنی عظمت اور برتری کے طعنے دیتی رہتی تھی اور اسے حقیر نظروں سے دیکھتی تھی لیکن شہزادے نے اس کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا بلکہ صبر اور رواداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔

اس کے برخلاف شہزادے کی دوسری بیوی رقیہ بیگم جو انہی کے خاندان سے تھیں، ایک

Marfat.com

ہمدرد اور مونس و غمخوار بیوی ثابت ہوئیں۔

یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ جب سلطان کو کورگ کی فتح کے بعد کچھ سکون حاصل ہوا اور اس کے سامنے اس کے برادرِ نسبتی (سالے) کی شادی کا مسئلہ پیش ہوا تو اس نے بھی برہان الدین حیدر کے لئے گورنر حیدر نگر بدر الزماں نائطہ کی بیٹی کو منتخب کیا۔

سلطان کو اہل نائطہ میں اپنی شادی کے خراب نتائج کا تلخ تجربہ تھا۔ اس کے باوجود اس نے اس تجربہ کو پھر دُہرانے کی کوشش کیوں کی؟ اس کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اس سلسلے میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ سلطان اپنے برادرِ نسبتی کی شادی اہل نائطہ میں کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں اہل نائطہ کا احترام باقی ہے۔ اگرچہ اس کی نائطہ بیوی نے اُسے کچھ سکھ نہ دیا لیکن یہ دلیل کچھ زیادہ وزنی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ فارسی کی ایک مثل بہت مشہور ہے کہ:

آزمودہ را آزمودن جہل است

(یعنی آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا جہالت ہے)

بعد میں جو واقعات پیش آئے انہوں نے اس مقولے کو سچ کر دکھایا۔

سلطان نے والی حیدر نگر بدر الزماں نائطہ کو طلب کیا۔ بدر الزماں نائطہ جب دربار میں آئے تو سلطان نے اُن کا پُر جوش استقبال کیا اور انہیں تحفے تحائف پیش کئے۔ اس کے بعد سلطان نے انہیں تنہائی میں بلایا اور پیشکش کی۔

''اے والی حیدر نگر بدر الزماں! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے برادرِ نسبتی برہان الدین خاں کو اپنی دامادی میں قبول کیجئے۔''

بدر الزماں نائطہ نے ذرا توقف کیا تو سلطان نے کہا۔

''کیا والی حیدر نگر کو اس رشتہ پر کوئی اعتراض ہے؟''

والی حیدر نگر گھبرا گیا اور گڑ بڑا کر بولا ''جی نہیں سلطان! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

سلطان نے اسی وقت شادی کا اعلان کر دیا اور برہان الدین کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ایک روایت کے مطابق برہان الدین اور اُس کے خاندان والے اس رشتہ کے شدید مخالف تھے۔ خود لڑکی اور اُس کی والدہ کے بارے میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

لیکن..... ایک دوسری مصدقہ روایت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ برہان الدین، اُس کے لڑکوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں نے باہمی مشورہ کر کے لڑکی کو شادی سے قبل ختم

Marfat.com

کر دینے کا فیصلہ کیا اور جب شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی تو اُنہوں نے معصوم لڑکی کو ایک کنویں میں دھکا دے کر ختم کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ مشہور کر دیا کہ لڑکی نے کنویں میں کود کر خودکشی کر لی ہے۔

یہ واقعہ جس قدر دردناک ہے اتنا ہی عبرت انگیز بھی۔ اگر سلطان ٹیپو نے اپنی شاہی کے زور پر برہان الدین کی اہل نائطہ ہیں زبردستی شادی کی کوشش کی تھی (یہ ایک مفروضہ ہے) تو اہل نائطہ جو خود کو مذہب کا ٹھیکیدار کہتے تھے، اُنہوں نے بیٹی کو قتل کر کے کون سا نیک کام کیا؟

O

سلطان ٹیپو ایک آزاد حکمران تھا۔ وہ آزادی کی قدر و قیمت جانتا تھا۔ اُس کا یہ قول تاریخ کے صفحات میں جگمگا رہا ہے:۔

''شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔''

ایک آزاد مملکت کے آزاد حکمران ہونے کے باوجود اُس وقت بھی اُس نے مغل شہنشاہِ دہلی، شاہ عالم ثانی کی سیادت سے روگردانی نہیں کی تھی اور نہ اپنی مطلق العنانی کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ وہ شاہ عالم ثانی ہی کو تاجدارِ ہند سمجھتا تھا۔

سلطان ٹیپو ایک عظیم سیاستدان بھی تھا اور اُس کی اس خوبی کی وجہ سے اس سیاستدان کو مدراس کا انگریز گورنر لارڈ میکارٹنی راستے سے ہٹانا چاہتا تھا کہ جو انگریزی فتوحات کے راستے کا سب سے بڑا روڑا تھا۔

صلح نامہ بنگلور کی نقل انگلستان پہنچی تو انگریزوں نے اس کا سوگ منایا۔ اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ یہ صلح نامہ انگریزوں کی صاف اور واضح شکست کا غماز بلکہ اظہار تھا۔ چنانچہ لارڈ میکارٹنی اور بنگال کے دیگر عہدیداروں کو ہٹا کر اُن کی جگہ نئے افسران زیادہ اختیارات دے کر ہندوستان بھیجے گئے۔

ان نئے آنے والوں میں سب سے کمینہ فطرت اور مکار لارڈ کارنوالس تھا جو نیا گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا تھا۔

ایک حوالے کے مطابق جب کارنوالس انگلستان سے روانہ ہوا تھا تو اُس نے وہاں کے حکام کو یقین دلایا تھا کہ وہ سلطان ٹیپو کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس لئے کہ سلطان کا نام انگریزوں کے لئے ہوا بن گیا تھا۔ ہندوستان کے علاوہ انگلستان کے انگریز بچوں کو جب ڈرانا مقصود ہوتا تو اُن کی مائیں کہتیں۔

''چپ ہو جا۔ ٹیپو آ رہا ہے۔''

Marfat.com

پورا ہندوستان اور انگلستان سلطان کی دہشت سے لرز رہا تھا۔ دہشت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو سلطان ٹیپو سے اس قدر نفرت تھی کہ وہ اپنے کتوں کا نام ''ٹیپو'' رکھتے تھے۔

قارئین کے لئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آگے چل کر مسلمانوں نے انگریزوں سے اس نفرت انگیز سلوک کا یہ بدلہ لیا کہ انہوں نے اپنے کتوں کا نام ''ٹامی'' رکھنا شروع کر دیا۔ ٹامی انگریزوں کی اس ناجائز (حرامی) اولاد کو کہتے ہیں جو ہسپتالوں میں پیدا ہوتی ہیں یا پھر پیدا ہونے پر ان حرامی بچوں کو سڑک کے کنارے ڈال دیا جاتا ہے اور انگلستان کی حکومت ان ناجائز بچوں کی پرورش کرتی ہے۔

ایسے ناجائز بچے ماں باپ کی شفقت سے محروم ہوتے ہیں اور جب یہ جوان ہوتے ہیں تو انہیں انگریزی فوج میں بھرتی کرلیا جاتا ہے۔

یہ ''ٹامی'' تمام اخلاقی اور مذہبی قدروں سے آزاد ہوتے ہیں اور دنیا کے ہر عیب میں طاق اور مشتاق ہوتے ہیں۔

برسبیل تذکرہ اس سلسلے میں ایک اور بات سنتے چلئے۔

خلافت تحریک کے دو بھائی علی برادران کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ دونوں بھائی مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی گوہر تھے۔ یہ ہماری تحریک آزادئ ہند کے سرخیل بھی کہے جاتے ہیں۔ محمد علی جوہر بڑی خوبیوں کے مالک تھے جن کی تفصیل تو یہاں بیان نہیں ہوسکتی، آپ صرف یہ بات یاد رکھئے کہ انگریزوں کو جس قدر مسلمانوں اور ہندوستانیوں سے نفرت تھی، اس سے کہیں زیادہ محمد علی کو انگریزوں سے نفرت تھی۔

ایک مرتبہ مولانا محمد علی جوہر انگریز حکومت سے گفت وشنید کرنے انگلستان تشریف لے گئے۔ جب وہ انگلستان کے ساحل پر جہاز سے اُترنے لگے تو اُنہیں ایک اُونچی عمارت پر ایک سائن بورڈ نظر آیا جس پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا:

DOGS AND INDIANS ARE NOT ALLOWED.

(کتوں اور ہندوستانیوں کو آنے کی اجازت نہیں ہے)

انگریزوں کی نظر میں ہندوستانی اور کتے برابر تھے۔ یعنی وہ ہندوستانیوں کو کتا کہہ کر اُن کی تذلیل کرتے تھے۔

مولانا نے یہ بورڈ پڑھا تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

پھر جب مولانا انگلستان سے واپس آئے تو اُنہوں نے بمبئی کے ساحل پر ایک اُونچی عمارت پر اس عبارت کا ایک سائن بورڈ لگوایا:

Marfat.com

DOGS AND BRITISHES ARE NOT ALLOWED.

(کتوں اور انگریزوں کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔)

اس طرح مولانا محمد علی جوہر نے انگریزوں سے توہین کا انتقام لے لیا۔

O

جنوبی ہند میں انگریزوں نے سلطنت خداداد میسور کے خلاف جو جال بچھایا اس کی بنیاد اُنہوں نے دو باتوں پر رکھی۔

اوّل یہ کہ سلطان ٹیپو کو ہمسایوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رکھنا۔

دوم یہ کہ میسور کے طول و عرض میں یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ انگریز اس بات کے خواہشمند ہیں کہ سلطنت میسور کو سلطان ٹیپو سے چھین کر اس کے اصل حاکموں (راجہ) کو واپس دلائیں۔

اس طرح وہ ایک طرف تو سلطان کو جنگوں میں اُلجھا کر اپنی طاقت بڑھا رہے تھے اور دوسری طرف اُن کے پروپیگنڈے سے میسور کی ہندو آبادی میں سلطان کے خلاف ایک بے چینی سی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی۔

سلطان انگریزوں کی حیلہ سازیوں اور چالبازیوں سے ناواقف نہیں تھا۔ اُن کے خطرناک عزائم کے پیش نظر سلطان نے شہنشاہِ دہلی کو متعدد خطوط لکھے جن میں اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ دشمن اسلام انگریزوں کے خلاف صف آرا ہے اس لئے شہنشاہ کو چاہئے کہ وہ دین اسلام کی بقا کے لئے اس کی مدد کرے۔

چنانچہ سلطان ٹیپو نے شہنشاہِ ہند شاہ عالم ثانی کو 23 جون 1785ء کو مندرجہ ذیل خط لکھا تھا:

> "یہ خادمِ اسلام دینِ محمدیؐ کی حمایت میں نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف ہے جنہوں نے اس سرزنش کی تاب نہ لا کر ایک ذلیل صلح (صلح بنگلور 1784ء) کر لی ہے۔ یہ صلح نامہ اس قدر مشہور ہے کہ اس خط میں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔
>
> خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس خادمِ دینِ محمدیؐ کی خواہش ہے کہ دشمنانِ دین سے جنگ کرے اور انہیں مٹا دے۔"

لیکن...... شہنشاہ خود اپنے معاملات میں اس قدر اُلجھا ہوا تھا کہ سوائے طفل تسلیوں کے اور کچھ نہ کر سکا۔

ادھر سے مایوس ہو کر سلطان نے اپنے ہمسایہ ممالک ایران، عرب، افغانستان اور ترکی کے سربراہان کو اس عملی جہاد میں تعاون کی دعوت دی اور ان سے اپنے تاجرانہ تعلقات استوار

Marfat.com

کیئے۔ سلطان ٹیپو کی فرانسیسیوں سے دوستی اور مرہٹہ پیشوا سے معاہدے وغیرہ بھی انگریزوں کے خلاف نئے حلیفوں کی تلاش تھی۔ لیکن فرانسیسیوں نے معاہدہ وارسائی کے بعد اپنے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا تھا حالانکہ سلطان نے اس سلسلے میں ایک سفارت بھی بھیجی تھی۔

انہی ایام میں سلطان نے انگریزوں کے خلاف ایک اعلانِ جہاد بھی شائع کرایا تھا جس کا مضمون اس طرح تھا:۔

''خاتم پیغمبراں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وقت مسلمانوں کو جو احکام دیئے گئے تھے اُنہیں مسلمانوں نے بھلا دیا ہے جس کی وجہ سے زوال آ گیا۔ اس وقت ہم خدا کے فضل و کرم سے اُن احکام کو اپنے دستخط اور مُہر سے دوبارہ جاری کرتے ہیں تا کہ مسلمان آگاہی اور ہدایت حاصل کریں۔

آپ سے اُمید ہے کہ آپ ان احکام کو بہتر سے بہتر طریقوں سے عام مسلمانوں تک پہنچائیں گے کیونکہ ان احکامِ جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان سے ہر مسلمان آگاہ ہو۔

آپ کو چاہئے کہ ان احکام کی بے حساب نقلیں کر کے تمام مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔

یہ ہماری دلی خواہش اور پکا ارادہ ہے کہ ان ناقابل اعتبار اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے مسلمانوں سے اپنی گردن موڑ کر بغاوت کا علم بلند کیا ہے، اُس وقت تک لڑتے رہیں جب تک کہ وہ اسلام کی سیدھی راہ یا ''جزیہ دینا'' قبول نہ کرلیں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ ہندوستان کے حاکموں کی کمزوریاں دیکھ کر اس قوم نے یہ بیہودہ خیال قائم کر لیا ہے کہ مسلمان بزدل، کمزور اور لائق نفرت ہو گئے ہیں۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی تیاریاں کر کے مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھ دوڑے ہیں اور اپنے ظلم و زبردستی کا ہاتھ مسلمانوں کے مال اور آبرو پر دراز کر دیا ہے۔

اس لئے ہم خدا کی طاقت اور تائید پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مذہب کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ان احکامِ خداوندی پر سر جھکاتے ہوئے ہم نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ ہم ان سے جہاد کریں۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ نزدیک اور دُور کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو اصلی احکامِ اسلام سے آگاہ کریں اور ان کے کانوں سے غفلت کی رُوئی نکالیں اور خصوصاً ان لوگوں کو توجہ دلائیں جو قرآن مجید

Marfat.com

کو پس پشت ڈال کر کافروں کی اطاعت کر رہے ہیں اور ان بد بختوں کی ملازمت میں داخل ہیں۔ اس لئے ان مسلمانوں کو جو کافروں کی حکومت میں رہتے ہیں یہ حکم خداوندی بنایا جائے کہ:

''اور اطاعت نہ کرو کافروں اور منافقوں کی۔ تحقیق اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' 17/21

اُن مسلمانوں پر جن پر ان آیات کا اطلاق ہوتا ہے، فرض ہے کہ وہ ان کافروں کے علاقوں کو خالی کر کے اپنے فلاح پر یقین اور ایمان رکھتے ہوئے ہمارے ہاں آ کر آباد ہو جائیں جہاں خدا کے کرم سے اُن کی حالت اُن کی موجودہ حالت سے بہتر ہو گی اور ان کی آبرو اور مال خدا کی حفاظت میں رہیں گے۔ اور ان لوگوں کے لئے جنہیں وہاں گزارے کے لئے ذرائع حاصل نہیں ہیں، یہاں انہیں گزارے کا بہترین ذریعہ حاصل کرنے میں مدد دی جائے گی۔

ہم نے اسی مقصد کے لئے اپنی پوری سلطنت خداداد میں احکام جاری کر دیئے ہیں کہ:

جو لوگ سلطنت خداداد میں آ کر پناہ لینا چاہیں، حضوری میں (سلطان کو) ان کی پوری معلومات مہیا کی جائیں تا کہ ان کے گزارے کا انتظام کیا جائے۔

جو شخص بھی ان الفاظ (اعلان) پر توجہ نہ کرے گا یا ان احکامِ خداوندی کے خلاف کرے گا تو اس بد بخت کے متعلق سمجھا جائے گا کہ اس میں غیرت ایمانی باقی نہیں ہے اور وہ اُن برکات سے محروم ہو چکا ہے جو خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے رکھے ہیں اور ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا اور اس کا شمار کافروں میں ہو گا۔''

O

سلطان جب کورگ کی بغاوت فرو کر کے سرنگا پٹم آیا تو ایک دن اُس نے دارالسلطنت کے عوام اور تمام عمائدین سلطنت کو مسجد لال باغ میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

اس مجمع میں سلطان نے اعلان کیا:

''سب لوگ جانتے ہیں کہ شہنشاہِ دہلی عملی طور پر بے بس ہو گیا ہے۔ اس لئے اب خطبہ میں اس حکمران کا نام شامل کرنا چاہئے جو بالکل آزاد اور خود مختار ہو۔ اور جس کی زندگی کا مقصد دین اسلام کی خدمت کرنا ہو۔ اس لئے حکم دیا جاتا

Marfat.com

ہے کہ خطبہ جمعہ میں ہمارا نام بطور سلطان پڑھا جائے۔''

سلطان ٹیپو کو واقعتاً یہ حق پہنچتا تھا کہ اُس کا نام خطبہ جمعہ میں پڑھا جائے کیونکہ نہ تو وہ ہندوستان کی کسی طاقت کا ماتحت تھا اور نہ کسی بیرونی طاقت کے زیرِ اثر تھا۔

سلطان نے اس اعلان کے ساتھ ہی سوشتری (ایرانی عالم و دانشور) کی مرتب کردہ کتاب ''موید المجاہدین'' کے نسخے قاضیوں اور اماموں میں تقسیم کرائے تا کہ وہ اس میں دیئے گئے منظوم خطبات کو اپنے دُروس میں شامل کریں۔

چنانچہ آئندہ جمعے سے سلطنت خداداد کی ہزاروں مساجد میں خطبہ جمعہ میں سلطان کا نام شامل کیا گیا اور یہ اعلان تھا ایک ''خود مختار'' سلطان ہونے کا۔

پھر جب سلطان ادھونی کا قلعہ فتح کرنے کے بعد مرہٹوں سے نبرد آزما تھا تو ادھونی کے فوجدار قطب الدین خاں نے جمعہ کے خطبہ میں سلطان کا نام پڑھنے کی اجازت مانگی۔ سلطان نے اُسے بذریعہ خط جواب دیا:۔

''آپ نے تجویز کیا ہے کہ ہمارا نام جمعہ کے خطبہ میں پڑھا جائے۔ خطبہ کے متعلق قانون یہ ہے کہ اس میں سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہو، اس کے بعد ایسے بادشاہ کا نام لیا جائے جس کی زندگی کا مقصد اسلام کی خدمت اور اس کے نام کو سر بلند کرنا اور اس کی عظمت کے لئے اپنی جان تک دے دینا ہو۔ ایسے سلطان کا نام خطبہ میں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان کم عقلوں کو کیا کہا جائے جو دہلی کے شاہ عالم ثانی کا خطبہ میں اب تک نام پڑھتے ہیں جبکہ وہ مرہٹہ پیشوا سے پندرہ ہزار روپیہ پنشن حاصل کرتا ہے۔ وہ برائے نام شہنشاہ ہے اور اس کے اقتدار کی حیثیت صفر سے زیادہ نہیں۔

ایسی صورت میں جبکہ وہ دوسروں کا تابعدار ہے اور خود آزاد نہیں تو اسلامی عقائد کی رُو سے یہ سخت گناہ ہے کہ اس کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔ لہٰذا آپ کی تجویز کے مطابق اطلاع دی جاتی ہے کہ آئندہ سے ہمارا نام خطبے میں پڑھا جائے۔''

سلطان کو بطور سلطان سب سے پہلے مرہٹوں نے معاہدہ 1787ء میں تسلیم کیا۔ پونا کے پیشوا کے وزیر نانا فرنویس نے اسے ''ٹیپو سلطان خان بہادر'' کے لقب سے یاد کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انگریزوں کو بھی اسے ''سلطانِ میسور'' تسلیم کرنا پڑا۔

Marfat.com

سلطان نے محمد بیگ خاں ہمدانی اور کئی ریاستوں کے امیروں کے نام خطوط لکھے اور عوام میں تقسیم کرنے کے لئے اعلانِ جہاد اور فتح المجاہدین کے پہلے تین ابواب کی نقلیں بھجوائیں۔

سلطان نے نظام دکن کو مرہٹوں سے دُور رکھنے کے لئے محمد غیاث کو حیدر آباد میں مندرجہ ذیل خط دے کر بھیجا تھا۔

''میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان و مال کو سچے مذہب اسلام پر قربان کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ میرا ساتھ دیں نہ کہ بت پرستوں کا ساتھ دے کر اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کریں جیسا کہ نواب نظام علی خاں بہادر بار بار مرہٹوں کا ساتھ دیتے رہے اور دونوں کے لشکر مل کر میرے علاقوں کو تباہ و برباد کرتے رہے۔

افسوس کہ میں نے نظام علی خاں کو کئی بار مخفی پیغامات کے ذریعے سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی یلغار کو اپنے ملک سے دُور رکھنے کے لئے اُن کی دوستی کو غنیمت سمجھتے رہے حالانکہ مرہٹوں نے حیدر آباد کو بے انتہا نقصان پہنچایا۔ انہوں نے لاتعداد مسجدوں اور خانقاہوں کو ویران کیا۔

اس سب کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھتے اور جب یہ دونوں طاقتیں مل جاتیں تو مرہٹوں کو اپنے علاقے سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہ ہوتی۔

اس کا سب سے بڑا سبب انگریزوں کی وہ چال ہے جس نے ہمیں اور نظام کو ملنے نہیں دیا۔

اب میرے اور نظام علی خاں کے متحد ہونے کی صورت یہ ہے کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں اور بھتیجوں سے اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں سے بیاہی جائیں تاکہ طرفین میں یگانگت کے دروازے وا ہوں اور سب کو معلوم ہو جائے کہ ہم دو اسلامی ملکوں میں اتحاد اور اتفاق ہو گیا ہے۔''

اس خط کے ساتھ سلطان نے نظام دکن کے لئے قیمتی جواہرات اور تحائف اور اُمرا کے لئے خلعتیں بھی بھیجیں۔

غیاث الدین نے دکن پہنچ کر خط اور تمام چیزیں نظام کے سامنے پیش کیں۔ خلعتیں اُمرا میں تقسیم ہوئیں۔ سوائے چند اُمرا کے باقی سب نے یہ منصوبہ پسند کیا۔ نظام بھی اس منصوبہ پر

Marfat.com

مائل نظر آتا تھا۔
لیکن...... جب دربار سے اُٹھ کر حرم سرا میں پہنچا تو غداروں اور مفاد پرستوں نے اپنا کام دکھایا۔ پس وہ بیگمات اور کنیزیں جو غداروں کے کہنے سننے میں تھیں، اُنہوں نے اس منصوبے کی سخت مخالفت کی۔

''منصوبہ تو اچھا ہے مگر سلطان اگر ہماری طرح اُونچے حسب نسب کا مالک ہوتا تو پھر اس رائے کو پسند کیا جا سکتا تھا۔'' ایک بیگم نے رائے دی۔

''بالکل ٹھیک ہے۔'' دوسری نے تائید کی۔ ''کہاں دکن کی شہزادیاں اور کہاں نائک خاندان کے کم ذات شہزادے۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کیسے لگ سکتا ہے؟''

ایک اور خاتون نے زہر اُگلا۔ ''میں کہتی ہوں کہ ٹیپو کو دکن کے شاہی خاندان میں رشتہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اعلیٰ حضرت نظام دکن کو چاہئے کہ وہ والی میسور کی نذریں اس کے سفیر کے منہ پر ماریں اور اسے دربار سے بے عزت کر کے نکال دیں۔''

جب پورا حرم مخالفت پر آمادہ ہو جائے تو نظام کیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اس منصوبہ کو ناقابل عمل قرار دے کر غیاث الدین کو واپس کر دیا۔

ادھر سے مایوس ہو کر سلطان ٹیپو نے ترکی کی طرف دیکھا۔

ترکی کی سلطنت اسلامیہ اگرچہ عملی طور پر بے بس تھی لیکن ترکی کا حکمران مسلمانوں کا خلیفہ سمجھا جاتا تھا اور اس سے سند سلطانی حاصل کی جاتی تھی۔ پس سلطان ٹیپو نے ایک سفارت عثمانی خلیفہ کے دربار میں قسطنطنیہ روانہ کی۔

اس سفارت کو حکم دیا گیا کہ وہ قسطنطنیہ سے فرانس جائے اور حکومت فرانس سے ایک دیرپا معاہدہ کرنے کی کوشش کرے۔ پھر فرانس سے یہی سفارت انگلستان جائے اور وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم سے حکومت انگلستان کو آگاہ کرے۔

ترکی اور فرانس کو جو سفارت بھیجی گئی اُس کے مقاصد حسب ذیل تھے:

ترکی میں سفارت بھیجنے کا پہلا مقصد یہ تھا کہ عثمانی خلیفہ سے ایک فوجی اور تجارتی معاہدہ کیا جائے۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ ترکی سے بصرہ کی بندرگاہ مانگی جائے جہاں سلطان کے لئے بحری بیڑہ اور بحری اڈہ قائم ہو۔ ان کے بدلے میں سلطان ٹیپو ترکی کو اپنی ایک بندرگاہ دینا چاہتا تھا۔

تیسرا مقصد یہ تھا کہ صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے سلطان کو کاریگروں کی ضرورت تھی۔ یہ کاریگر ترکی اور فرانس سے منگوائے جائیں۔ اگر ترکی میں صنعت و حرفت نہیں ہے تو میسور سے

Marfat.com

وہاں کاریگر اور ماہرین بھیجے جائیں۔

چوتھا مقصد یہ تھا کہ ترکی اور فرانس سے سونا، گندھک اور کوئلہ وغیرہ نکالنے کے لئے ماہرین منگوائے جائیں۔

پانچواں مقصد فرانس سے ایک پائیدار فوجی معاہدہ کرنا تھا کہ ہند میں فرانسیسی فوج بوقت ضرورت سلطان ٹیپو کی مدد کرے جس کے صلہ میں سلطان فرانس کو تجارتی مراعات دینے پر تیار تھا۔

اس سفارت کا چھٹا اور آخری مقصد یہ تھا کہ انگلستان جا کر شاہِ انگلستان کو ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مظالم سے آگاہ کیا جائے۔

اس سفارت کے لئے مندرجہ ذیل افراد کا انتخاب ہوا۔

میر غلام علی خاں لنگڑا، لطف علی بیگ، نور اللہ خاں، جعفر خاں اور بخشی محمد حنیفؒ۔

سلطان نے اس سفارت کے ساتھ بے شمار قیمتی تحائف جن میں چار ہاتھی بھی شامل تھے روانہ کئے۔ یہ تمام لوگ حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ بحری جہاز میں روانہ ہوئے۔

اُس زمانہ کے بحری جہاز میں چار ہاتھیوں کا بھیجا جانا یقیناً محل نظر ہے لیکن اس تاریخی بیان کو نظر انداز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ آگے چل کر ان ہاتھیوں کا صاف الفاظ میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ:۔

''خلیفہ، شاہِ فرانس اور شاہِ انگلستان کو بھیجے جانے والے چاروں ہاتھی راستہ ہی میں دم توڑ گئے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہاتھی سونے چاندی کے بنے ہوئے نہیں تھے بلکہ اصلی اور جاندار تھے۔ بہرحال اس کی حقیقت خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

○

اس سفارت کو جسے سلطان ٹیپو نے بڑی اُمیدوں سے بھیجا تھا اور جسے بحر قلزم (بحر احمر) اور مصر ہوتے ہوئے سب سے پہلے قسطنطنیہ جا کر عثمانی خلیفہ کے حضور میں پیش ہونا تھا، وہ بحر قلزم کی بجائے خلیج فارس کی بندرگاہ ''بصرہ'' پہنچی۔ پھر وہاں سے شط العرب کے راستے بغداد پہنچی۔ بغداد میں اس سفارت نے مزید ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کیا تب جا کے یہ سفارت بالآخر قسطنطنیہ پہنچی۔

سفارت کا یہ راستہ جو طویل بھی تھا، بڑا دُشوار گزار تھا۔ خلیج فارس میں اس کا جہاز تباہ ہو گیا اور پچاس آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ سلطان کی سفارت میں شامل بخشی محمد حنیف بصرہ کے قریب

Marfat.com

مر گیا اور تحفہ میں بھیجے جانے والے چاروں ہاتھی راستہ میں دم توڑ گئے۔
سفارت کو پانچ ماہ تک بصرہ میں رُکنا پڑا۔اس تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ عثمانی خلیفہ کی طرف سے سفارت کو قسطنطنیہ آنے کی اجازت نہ ملی تھی۔آخر میر غلام علی خاں لنگڑا قسطنطنیہ گیا لیکن پورے نو ماہ تک اُسے خلیفہ کے حضور پیش ہونے کا موقع نہ ملا بلکہ اُسے یہ موقع نہیں دیا گیا۔اس لئے کہ فرانس کے خوف سے انگریز، خلیفہ ترکی کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے اور ترکی کا سفیر اور دیگر وزیر انگریزوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنے ہوئے تھے۔ایسے وقت میں اُنہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ ہندوستان سے آئی ہوئی سفارت کو بابِ عالی میں پیش کریں۔
سلطان ٹیپو کی سفارت کا خلیفہ سے ملاقات نہ کرنے کے معاملہ میں وہاں موجود انگریزوں کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا۔ یہ انگریز بھی انگلستان سے سفارت پر آئے ہوئے تھے اور خلیفہ کو فرانس کے خلاف بھڑکا کر انگریزوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔
ان انگریزوں کو ہندوستان میں انگریزی سیاست کے بارے میں بھی پوری معلومات حاصل تھیں اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریزوں اور خلیفہ کے درمیان معاہدہ ہو جانے سے پہلے ہندوستانی سفارت کو خلیفہ سے ملنے دیا جائے۔
اور آخر کار...... انگریزوں کی چالبازی اور مکاری نے قسطنطنیہ میں زبردست کام کیا۔
ترکی کے وزیر اعظم کے ذریعے میر غلام علی خاں لنگڑا کو انگریز سفیروں نے اپنے جال میں پھانس لیا۔انگریزوں میں شراب جائز ہے اور سب ہی انگریز شراب کے عادی ہوتے ہیں۔میر لنگڑا بھی شراب کا عادی تھا اور اکثر انگریزوں کی محافل میں شریک ہوتا تھا۔چنانچہ اُنہوں نے اُسے بہترین شراب پلا کر آخر وہ راز معلوم کر لیا جس کے لئے وہ اتنے دن سے کوشاں تھے۔
میر غلام علی خاں لنگڑا نے شراب کے نشے میں اُگل دیا۔
”میں قسطنطنیہ اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ عثمانی خلیفہ کی تائید سے تم انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دُوں کیونکہ تم لوگ مکار اور دھوکے باز ہو۔اگر خلیفہ نے ہمارے منصوبوں کی تائید نہ کی تو بھی ہم انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کے رہیں گے۔“
اور اس طرح کی دوسری باتوں سے میر لنگڑا نے اس مقدس راز کو افشا کر دیا جسے پہنچانے کے لئے سلطان ٹیپو نے اُسے قسطنطنیہ بھیجا تھا۔
انگریزوں نے یہ راز معلوم ہوتے ہی ترکی کے وزیر اعظم کو خبردار کیا کہ وہ خلیفہ کو پہلے ہی اس بات پر آمادہ کر لے کہ وہ سلطان ٹیپو کی مدد اور تائید سے انکار کر دے۔
وزیر اعظم تو انگریزوں کے ہاتھوں میں کھیل ہی رہا تھا۔پس اُس نے اُسی دن سے سلطان

Marfat.com

ٹیپو کے خلاف خلیفہ کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔

پھر جب نو ماہ کے طویل عرصے کے بعد میر غلام علی خاں لنگڑا کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو خلیفہ کا رویہ خشک اور سرد مہری کا تھا۔

سلطان ٹیپو نے خلیفہ کو جو خط بھیجا تھا، اسے وزیر اعظم ترکی نے خلیفہ کو پڑھ کر سنایا۔ اس میں کچھ اس طرح تحریر تھا:۔

''میں انگریزوں سے جہاد میں مصروف ہوں اس لئے آپ کی تائید چاہتا ہوں۔

میری خواہش ہے کہ بصرہ کی بندرگاہ سلطنت خداداد کو دے دی جائے تاکہ وہاں سے ہندوستان کے ساحلوں کی حفاظت ہو سکے۔ اس کے عوض سلطنت خداداد کی کوئی بندرگاہ ترکی کو دے دی جائے گی۔ ہماری معاونت کے لئے خلیفہ جس قدر فوج بھیجیں گے اس کے اخراجات سلطنت خداداد برداشت کرے گی۔

سلطنت خداداد میں توپیں اور بندوقیں نہایت اعلیٰ معیار کی تیار ہوتی ہیں۔ اگر خلیفہ مناسب خیال فرمائیں تو توپ اور بندوق ساز ترکی بھیجے جا سکتے ہیں۔

آخر میں میری یہ گزارش ہے کہ چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت ہے اس لئے دریائے فرات سے ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔''

واضح رہے کہ ان دنوں نجف اشرف سلطنت ترکی کے ماتحت تھا۔

چونکہ خلیفہ سلطان سلیم اپنے وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کے کہنے سننے پر انگریزوں سے معاہدہ کر چکا تھا اس لئے اُس نے سلطان ٹیپو کے کسی منصوبہ کی بھی تائید نہ کی بلکہ محض ایک رسمی سادوستی کا خط دے کر سفارت کو ٹرخا دیا۔

انگریزوں کو میر غلام علی خاں لنگڑا کے ذریعے سلطان ٹیپو کے خیالات پہلے ہی معلوم ہو چکے تھے۔ اب اس خط کے مندرجات بھی وزیر اعظم ترکی نے انگریز سفارت تک پہنچا دیئے اور جو کچھ باقی تھا اس سے بھی انگریز پوری طرح واقف ہو گئے۔

پس...... انگریزوں نے ردِعمل کے طور پر سلطان ٹیپو کے خلاف ترکی کے علاوہ عرب اور ایران میں بھی پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ عرب اس وقت شریف مکہ کے زیر اثر تھا جو عرب میں اپنی آزاد مملکت قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ انگریزوں سے پہلے ہی ملا ہوا تھا۔ انگریزوں نے اُسے سلطان ٹیپو کے خلاف اور زیادہ بھڑکا دیا اور سلطان ٹیپو کو ترکی کے علاوہ عربوں سے بھی کسی قسم کا تعاون یا مدد حاصل نہ ہو سکی۔

Marfat.com

انگریزوں نے صرف اسلامی ممالک ہی میں سلطان ٹیپو کے خلاف اپنا پروپیگنڈہ تیز نہیں کیا بلکہ پورے ہندوستان میں سلطنت خداداد کے خلاف ایک زبردست تحریک کا آغاز ہو گیا اور یہ سب میر غلام علی خاں لنگڑا کی قبل از وقت (شراب پی کر) بکواس کرنے اور خلیفہ کے دربار میں انگریزوں کے زبردست اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوا۔

یہ ناکام سفارت جس کا سربراہ میر غلام علی خاں لنگڑا تھا، اسکندریہ سے دریائے نیل، پھر سویز سے قلزم اور جدہ پہنچی۔

میر غلام علی خاں کو فرانس اور انگلستان جانے کا حکم بھی دیا گیا تھا مگر وقت بہت گزر چکا تھا۔ پھر غلام علی خاں لنگڑا کی حماقتوں کی وجہ سے سفارت پہلے ہی قدم پر ناکام ہو گئی اس لئے یہ لوگ واپس ہوئے۔

شریف مکہ نے بھی کوئی معقول جواب نہ دیا۔

اس طرح 1786ء میں جانے والی سفارت چار سال بعد 29 دسمبر 1789ء میں ناکام و نامراد واپس آئی۔

29 دسمبر 1789ء...... یہ وہ دن تھا جب سلطانی لشکر ٹراونکور کی سرحد سے آخری روز پسپا ہو رہا تھا۔

سفارت کے بعض ارکان نے سلطان سے شکایت کی کہ میر غلام علی خاں نے ترکی بھیجے جانے والے تحائف میں خورد برد کیا ہے۔ یہ الزام اتنی شہادتوں کے ساتھ لگایا گیا کہ سلطان نے فوراً میر غلام علی خاں کے گھر کی تلاشی کا حکم دے دیا۔

میر لنگڑا کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہ تمام سامان برآمد ہو گیا جس کا الزام لگایا گیا تھا۔ سلطان نے اس چوری کے جرم میں میر لنگڑا کو صرف نظر بندی کی سزا دی۔ پھر کچھ دنوں بعد سلطان نے عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے اُسے معاف کر دیا۔

یہاں تک تو خیر غنیمت تھا مگر سلطان نے اُسے وزیر بحریہ بنا دیا اور وہ بدذات بجائے احسان ماننے کے سلطان کا دشمن ہو گیا۔

سلطان نے میر صادق کو بھی اسی طرح معاف کر دیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سلطان نے ان دونوں کو معاف کر کے دراصل آستین میں سانپ پال لئے تھے جنہوں نے آگے چل کر اُسے ڈس کے چھوڑا۔

OOO

Marfat.com

●

سلطان ٹیپو کوئی کاغذی سلطان نہ تھا بلکہ اُس نے سلطان کا لقب اُس وقت اختیار کیا جب اُس نے دوست دشمن، سب سے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا تھا۔ انگریز تو اُس سے اس قدر خائف ہو چکے تھے کہ ہندوستان سے انگلستان تک انگریز عورتیں اپنے بچوں کو ''ٹیپو'' کے نام سے ڈراتی تھیں۔

جنوبی ہند نے آج تک کوئی سلطان نہ دیکھا تھا سوائے سلطان ٹیپو کے۔ پھر جنوبی ہند کی دو اور طاقتیں مرہٹہ اور نظام اس کی عظمت اور سلطانی کو کس طرح قبول کرتیں؟ اُن کے خیال میں تو میسور ایک چھوٹی سی باج گذار ریاست تھی جسے مرہٹے اور نظام ہمیشہ ڈرایا دھمکایا کرتے تھے۔

آخر اس سلسلے میں پونا کے مرہٹہ پیشوا اور دکن کے نظام میں گفت و شنید شروع ہو کیونکہ وہ دونوں سلطان کے مشترکہ دشمن تھے۔ اُن دونوں کے درمیان معاہدے میں طے پایا کہ پونا اور دکن کے لشکر یکجا ہو کر سلطنت خداداد پر یلغار کریں اور اُس وقت تک جنگ جاری رکھیں جب تک (خدانخواستہ) سلطنت خداداد کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

یہ معاہدہ ''آیت گیر'' کے مقام پر ہوا تھا اور اسی نام سے مشہور ہے۔

''نظام علی خاں'' مطبوعہ حیدر آباد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی طرف سے ہوئی تھی جو سلطان ٹیپو کے عروج سے حد درجہ خائف تھے۔ مندرجہ بالا کتاب کا مصنف رقم طراز ہے:۔

> ''جب پونا کے پیشوا کو معلوم ہوا کہ انگریزوں اور سلطان ٹیپو کے درمیان صلح ہو رہی ہے تو اُنہیں خیال ہوا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سابقہ کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ اس اطلاع پر مرہٹوں نے سلطان ٹیپو کے پاس بغرض مصالحت اور خراج کی وصولیابی کے لئے ایلچی روانہ کئے۔ جواب میں سلطان ٹیپو نے کہلا بھیجا کہ ان کے والد نے صرف چند ضرب توپ اور بندوقوں کے علاوہ ترکہ میں اور کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔
>
> اس تحریر سے خائف اور بددل ہو کر مرہٹوں نے یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں

Marfat.com

کے ساتھ اتحاد کر کے ٹیپو سے وہ علاقے واپس لئے جائیں جن پر اُس نے قبضہ کر لیا تھا۔"

چنانچہ معاہدہ ہوتے ہی مرہٹوں اور نظام حیدر آباد کی متحدہ فوجیں سلطان ٹیپو کی عدم موجودگی میں سلطنت خداداد کی طرف بڑھیں۔

مرہٹہ لشکر کی کمان مرہٹہ وزیراعظم نانا فرنویس کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کے لشکر میں اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے معہ توپ خانہ کے تھے اور نظام کے ساتھ چالیس ہزار سوار اور پچاس ہزار پیادے معہ توپ خانہ کے تھے۔

مرہٹوں اور نظام کا متحدہ لشکر جو مجموعی طور پر ایک لاکھ بیس ہزار سوار اور نوے ہزار پیادوں پر مشتمل تھا، آندھی اور طوفان کی طرح گرجتا برستا سلطنت خداداد کی سرحدوں کی طرف بڑھا۔

[illegible] حد پر سلطان کا قلعہ بادامی تھا جسے حملہ آور لشکر نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

حملہ آوروں کا خیال تھا کہ قلعہ دار لشکر کی کثرت دیکھ کر ہی قلعہ حوالے کر دے گا مگر اُس پر اس عظیم لشکر کا رتی برابر اثر نہ ہوا۔

نانا فرنویس نے جنگ سے بچنے کے لئے قلعہ دار کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ قلعہ حوالے کر دے تو قلعہ میں نہ لوٹ مار ہوگی اور نہ تباہی بربادی کی جائے گی بلکہ قلعہ دار کو بھی اس کے منصب پر بحال رکھا جائے گا۔

بادامی کے قلعہ دار کے پاس سامانِ حرب کے علاوہ کھانے پینے کے سامان کی بھی وافر مقدار موجود تھی اس لئے اُس نے قلعہ حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

نانا فرنویس کا قاصد ناکام ہو کر واپس ہوا۔ جس وقت قاصد قلعہ سے نکلا تو قلعہ دار کے اشارے پر قلعہ کے ایک برج پر چڑھائی ہوئی توپ سے حملہ آور لشکر کی طرف ایک گولہ داغا گیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ قلعہ دار، حملہ آوروں کی تابعداری کی بجائے اُن سے جنگ پر آمادہ ہے۔

پس...... دونوں لشکروں نے ایک ساتھ قلعے پر حملہ کر دیا اور دونوں کے توپ خانے قلعہ پر گولہ باری کرنے لگے۔

حملہ کرتے وقت نانا فرنویس کا خیال تھا کہ قلعہ دار دو چار دن سے زیادہ مداخلت نہ کر سکے گا۔ مگر وہاں ہفتہ گزرا۔ پھر ایک مہینہ ہو گیا اور گولوں کا طوفان اور سنسناتے تیروں کی آواز، حملہ آور لشکر کی بار بار کوششوں کے باوجود قلعہ کی سپاہ اُس کے مقابلہ پر ڈٹی رہی۔

دو ماہ، چار ماہ، یہاں تک کہ آٹھ ماہ سے زیادہ بیت گئے اور قلعہ کا سر ہونا تو الگ رہا حملہ آور

Marfat.com

لشکر قلعہ کی فصیل کے قریب بھی نہ پھٹک سکا۔

مدافعت کا یہ انداز واقعی قابل فخر تھا۔

مرہٹہ لشکر اور نظام کے وہ سوار جو جیالے کہلاتے تھے، سب کے سب ناکام ہوئے۔ تمام دن وہ کوشش کرتے اور شام کو بہ حسرت و یاس قلعہ کو دیکھتے اور آہیں بھرتے واپس آ جاتے۔

پھر نانا فرنویس جو کہ مرہٹوں کا اصل دماغ تھا، اُس نے ایک ترکیب سوچی۔ یہ ترکیب اُس نے انگریزوں کی جنگی چالوں سے سیکھی تھی۔ انگریز بھی جب کسی جگہ قبضہ کرنے میں ناکام ہو جاتے تو اسی تدبیر کا سہارا لیتے۔ یہ تدبیر ایک تیر بہدف نسخہ تھا۔

اور یہ نسخہ تھا...... "لالچ!"

انگریزوں کا یہ سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اُنہوں نے بنگال اور جنوبی ہند میں جتنی بھی جنگیں جیتیں یا کامیابیاں حاصل کیں، فریب دہی، دھوکہ بازی کے علاوہ "لالچ" کا اُن میں سب سے زیادہ دخل رہا۔

نانا فرنویس نے جنگ روک دی اور دوستی کے پیامبر قلعہ دار کے پاس بھیجنے شروع کئے۔ اُس نے بڑی چالاکی سے قلعہ دار کو قلعہ حوالے کرنے کے لئے اپنی شرطیں پیش کرنے کی تجویز بھیجی۔ اُس نے واضح الفاظ میں قلعہ دار کو پیغام دیا کہ قلعہ دار، قلعہ کے بدلے میں جو بھی شرط رکھے گا، وہ پوری کی جائے گی۔

اس طرح دو لاکھ سے زیادہ لشکر نو ماہ تک ہزاروں سواروں اور سپاہیوں کو قربان کرنے کے باوجود جس قلعہ بادامی کا بال بھی بیکا نہ کر سکا وہی قلعہ بادامی، قلعہ دار نے منہ مانگی قیمت پر مرہٹہ حملہ آوروں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور سلطانی جھنڈا قلعہ سے اُتار دیا گیا......!

غداروں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی۔ وہ قلعہ دار جو پون سال تک پامردی سے دشمن کے سامنے ڈٹا رہا، وہ چاندی سونے کے جوتے سے مار کھا گیا۔

قلعہ بادامی پر حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا۔

اس کا اُنہوں نے زبردست جشن منایا۔ سلطنت خداداد کی سرحد پر یہ اُن کی پہلی کامیابی تھی ورنہ قلعہ دار کی زبردست مدافعت سے تو حملہ آور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ قلعہ ناقابل تسخیر ہے اس لئے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہئے۔ مگر نانا فرنویس کی فراست اور سیاست کام آ گئی اور اُس نے چاندی سونے کا جوتا مار کر قلعہ دار کا سر جھکا دیا۔

اس پہلی زبردست کامیابی کے بعد متحدہ حملہ آوروں نے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ کئے۔

Marfat.com

قلعہ بادامی کی تسخیر کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی اس لئے چھوٹے قلعہ داروں نے بغیر جنگ و جدل کے اپنے قلعے دشمنوں کے حوالے کر دیئے۔ اس طرح دریائے کرشنا اور دریائے تنگ بھدرا کے درمیان بیشتر قلعوں پر غنیم کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں دھارواڑ، جالی دار، کجندر، نوکنڈہ اور زگندہ وغیرہ کے قلعے شامل تھے۔

جہاں تک چھوٹے زمینداروں (پالیگاروں) کا تعلق تھا تو وہ عام طور سے ہندو تھے اور مرہٹوں سے پہلے ہی سے ساز باز کئے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے علاقے خود ہی اتحادیوں کے حوالے کر دیئے۔

○

جب سلطان کو ان مفاد پرست اتحادیوں کے اچانک حملہ کی خبر ملی تو وہ سرنگاپٹم سے ایک بڑا لشکر لے کر نکلا اور بنگلور ہوتا ہوا ادھونی پہنچ گیا۔

قلعہ ادھونی کا حاکم مہابت جنگ تھا جو بسالت جنگ کا بیٹا تھا اور اُس کے عقد میں نظام دکن کی بیٹی تھی۔ اُس نے جب سلطان کے آنے کی خبر پائی تو اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ حرم سرا میں کہرام مچ گیا اور سب کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔

مہابت جنگ نے دیوان اسد علی خاں کو اپنی حرم سرا میں بلوایا۔ اگر مہابت جنگ کا چہرہ دُھواں دُھواں تھا تو اسد علی خاں کا رنگ بھی فق تھا۔ سلطان کی دہشت سے دونوں کے جسم پر لرزہ سا طاری تھا۔

مہابت جنگ نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ ''اسد علی خاں! سلطان ٹیپو سے مقابلہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی صورت بتاؤ جس سے ہم سب کی جاں بخشی ہو سکے۔''

دیوان، جو دراصل وزیر اعظم ہوتا تھا، وہ بڑے دل گردے کا مالک مشہور تھا مگر اس وقت خوف کی وجہ سے اُس کا پورا بدن ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''شہزادہ بہادر! سلطان کو اطلاع بھجوا دیجئے...... نہیں نہیں...... اُن کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ وہ ہمیں اور ہماری خواتین کو قلعے سے نکل جانے دیں۔ پھر وہ قلعہ پر قبضہ کر لیں۔''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔'' مہابت جنگ نے ہوش و حواس درست کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر سوال یہ ہے کہ پیغام لے کر سلطان کے پاس کون جائے گا؟''

''میرا خیال ہے...... ہاں میرا...... میرا خیال ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو...... کیوں شہزادہ بہادر! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟''

دیوان اسد علی دراصل گڑبڑا گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ شہزادہ اس

Marfat.com

کی بات پر اُلجھتے ہوئے بولا۔

''مگر تم کیا کہہ رہے ہو اسد علی؟ کیا بات درست ہے اور کیا نادرست؟ یہ فیصلہ تو تب ہوگا جب تم کچھ کہو گے۔''

دیوان اسد علی کہتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ مگر اب بات اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ اسے صاف طور پر کہنا پڑا۔

''شہزادہ بہادر! میری ذاتی رائے یہ ہے کہ صلح کا پیغام لے کر ہمارے کسی بہت ہی اہم آدمی کو جانا چاہئے۔ تاکہ سلطان کو یہ شکوہ نہ ہو کہ ان سے بات کرنے کے لئے قلعہ ادھونی سے ایک معمولی آدمی کو بھیجا گیا ہے۔''

شہزادہ مہابت جنگ اپنے دیوان کی اس پیچ در پیچ گفتگو کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ پھر بھی اُس نے رفع شک کے لئے کہا۔

''اسد علی! مجھے تمہاری اس بات سے بھی اتفاق ہے۔ جہاں تک کسی اہم شخصیت کو سلطان کے پاس بھیجنے کا سوال ہے تو اس کے لئے قلعۂ ادھونی میں صرف دو آدمی ایسے ہیں جو یہ کام کر سکتے ہیں۔ اُن میں سے ایک تم ہو اور دوسرا میں۔ کیا خیال ہے تمہارا اسد علی؟''

''شہزادہ بہادر نے میرے منہ کی بات چھین لی۔'' دیوان علی نے فوراً جواب دیا۔ ''اگر قلعہ کے تمام انتظامات نہ کرنے ہوتے تو میں ضرور خود کو پیش کر دیتا۔ ہاں اگر شہزادے بہادر مجھے جانے کا حکم دیں گے تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔''

مہابت جنگ بہت فکر مند تھا۔ اور خیالات بار بار اُسے اُلجھا لیتے تھے۔ اُس نے اسد علی خاں کی پُرفریب باتیں سن لیں۔ پھر بھی اُس نے تحمل سے کہا۔

''اسد علی! سفارت لے کر کون جائے گا اس کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے تم یہ کرو کہ ایک قاصد کو فوراً سلطان کی لشکر گاہ میں اس پیغام کے ساتھ بھیج دو کہ ادھونی کے حکمراں مہابت جنگ نے سلطان سے درخواست کی ہے کہ وہ قلعہ پر اُس وقت تک حملہ آور نہ ہوں جب تک صلح کی سفارت کسی نتیجہ پر نہ پہنچ جائے۔ اور یہ کہ صلح کے سفیر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سلطان کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔''

دیوان اسد علی چاہتا تھا کہ شہزادہ خود سلطان کے پاس صلح کی درخواست لے کر جائے۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔

ایک تو یہ کہ اُس کی معلومات کے مطابق سلطان بڑا رحم دل واقع ہوا تھا۔ خصوصاً اُمراء، وزرا اور والیانِ ریاست کے ساتھ اُس کا سلوک قابلِ تعریف رہتا تھا۔

Marfat.com

دوسری وجہ جو کہ زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے وہ یہ تھی کہ اسد علی خاں کو اپنی گرفتاری کا خطرہ تھا۔ کیونکہ ادھونی کا اصل حکمران تو یہی دیوان اسد علی تھا۔ شہزادہ تو محض نام کا حاکم تھا۔

مگر...... مہابت جنگ اس قدر بے وقوف نہ تھا جتنا اسد علی سمجھ رہا تھا۔

وہ دیوان اسد علی کی بات خوب سمجھ گیا تھا مگر وہ بھی یہ خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھا اس لئے اُس نے فیصلے کے لئے وقت طلب کر لیا تھا۔

مہابت جنگ اس سلسلے میں دراصل اپنی بیگم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا جو کہ نظام دکن کی بیٹی تھی۔ اس کے لئے مشہور تھا کہ وہ اپنے شوہر سے کہیں زیادہ عقلمند اور سمجھدار تھی اور امورِ سلطنت اُسی کے مشوروں سے چلتے تھے۔

مہابت جنگ نے دیوان کے بولنے سے پہلے ہی اپنا رُخ موڑ لیا اور تیزی سے زنان خانے کی طرف چل پڑا۔

حرم سرا میں سب ہی خاموش خاموش، چپ چپ اور گھبرائے گھبرائے تھے۔ مہابت جنگ کی بیگم شہزادی دکن نے شوہر کو اندر آتے دیکھا تو لپک کر اُس کے پاس پہنچی۔

''تم نے کیا فیصلہ کیا شہزادے؟''

وہ اُسے ''تو'' کہہ کر ہی مخاطب کیا کرتی تھی۔

شہزادے نے اُسے بتایا۔ ''دیوان اسد علی کی بھی یہی رائے ہے کہ سلطان کو قلعہ حوالے کر کے جانیں بچالی جائیں۔''

''تو آپ نے سلطان کو اس شرط سے آگاہ کر دیا؟'' شہزادی دکن نے اُس کی بات کاٹ دی۔ وقت کی نزاکت کے پیش نظر وہ کم از کم گفتگو کرنا چاہ رہی تھی۔

شہزادے نے جواب دیا۔ ''ہاں۔ میں نے سلطان سے درخواست کی ہے کہ قلعہ پر اُس وقت تک حملہ نہ کیا جائے جب تک ''صلح کی سفارت'' ان سے گفتگو نہ کر لے۔''

شہزادی جس قدر عقلمند تھی، اُسی قدر تنک مزاج بھی تھی۔ اُس نے سخت لہجے میں کہا۔

''گویا شہزادہ بہادر نے سلطانِ میسور کو حکم دیا ہے کہ وہ قلعہ پر حملہ نہ کرے۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ سلطان اس قلعہ پر قبضہ کرنے نہیں بلکہ ادھونی میں شکار کھیلنے آیا ہے شہزادے! کبھی تو عقل کی بات کیا کرو۔''

''ناراض نہ ہو شہزادی۔'' مہابت جنگ گھبرا گیا۔ ''سلطان بے حد شریف نسان ہے۔ وہ ہماری بات مان لے گا اور حملہ میں تاخیر کرے گا۔''

شہزادی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ ''سلطان کتنا ہی شریف سہی لیکن وہ یہ بھی تو سوچ سکتا ہے

Marfat.com

کہ ہم تاخیری حربہ استعمال کر کے اپنا دفاع مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ یا پھر ہمیں کہیں سے کمک آنے کی اُمید ہے اس لئے ہم ابھی جنگ کو ٹالنا چاہتے ہیں۔''

''نہیں شہزادی! ایسا نہیں ہوگا۔'' مہابت جنگ نے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''ہم نے سلطان سے درخواست کی ہے کہ وہ سفارت کا انتظار کریں۔''

شہزادی نے اچانک سوال کیا۔ ''سلطان کے پاس یہ درخواست لے کر کون گیا ہے؟''

شہزادے نے جواب دیا۔ ''میں نے دیوان سے کہہ دیا ہے کہ وہ کسی معقول آدمی کے ذریعے یہ درخواست فوراً سلطان کے حضور پہنچا دے۔''

شہزادے کا لہجہ اتنا ہی نرم تھا جتنا کہ شہزادی کا انداز جارحانہ تھا۔ یہ سنتے ہی شہزادی چڑ گئی اور چیخ کر بولی۔

''بہت خوب۔ بڑی عقلمندی کی ہے آپ نے۔ جو آدمی درخواست لے کر گیا ہے کیا آپ اُس کے ذریعے سلطان سے یہ درخواست نہیں کر سکتے تھے کہ ہم قلعہ کا قبضہ دینے کو تیار ہیں۔ صرف ہمیں قلعہ سے بحفاظت نکل جانے کی ضمانت یا اجازت دی جائے۔''

مہابت جنگ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس وقت اُس نے دیوان اسد علی کی گفتگو کا سہارا لیا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو شہزادی! ایسا ہو سکتا تھا۔ لیکن دیوان اسد علی کا مشورہ یہ ہے کہ صلح کی گفتگو کے لئے ادھونی کی کوئی اہم شخصیت جائے اور یہ شخصیت یا میں ہوں یا پھر دیوان اسد علی خاں ہے۔''

''پھر دیر کیوں ہو رہی ہے؟ آپ نے کیا فیصلہ کیا؟'' شہزادی دکن بڑی بے بسی سے بولی۔

اب شہزادے نے پینترا بدلا۔ ''اسی مشورے کے لئے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''او میرے خدایا!'' شہزادی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ ''جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ آپ یا دیوان میں سے ایک کو سلطان کے پاس جانا چاہئے تو آپ مجھ سے کیا مشورہ کرنے آئے ہیں؟''

اب شہزادے نے ذرا تن کر کہا۔ ''دیوان اپنی جان بچانے کے لئے کہتا ہے کہ اس کی بجائے مجھے سلطان کے پاس جانا چاہئے۔''

''دیوان ٹھیک کہتا ہے۔'' شہزادی نے جواب دیا۔ ''ایک سلطان سے ایک حکمران ہی اچھی طرح گفتگو کر سکتا ہے۔''

شہزادہ گھبرا گیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو شہزادی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ سلطان کے باپ حیدر علی خاں مرحوم نے کھانڈے راؤ کو اپنا طوطا بنا کے لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا تھا اور وہ

Marfat.com

اُسی پنجرے میں مر گیا تھا۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''شہزادے!'' شہزادی نے اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''نہ تم کھانڈے راؤ ہو اور نہ سلطان، حیدر علی خاں۔ اُس وقت کے حالات آج کے حالات جیسے نہیں تھے۔ پھر ایک سلطان کسی حکمران کو قابو کر کے قید یا موت کی سزا نہیں دیا کرتا، بلکہ اُس کا دل جیتنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُسے اپنے ماتحت لانا چاہتا ہے۔ سلطان کو قلعہ چاہئے۔ ہم قلعہ چھوڑنے کو تیار ہیں۔ پھر جھگڑا کا ہے کا؟''

''تم کچھ بھی کہو۔ میں سلطان کے پاس نہیں جاؤں گا۔'' مہابت جنگ نے فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا۔

''اچھا تو پھر یوں کرو!'' شہزادی اُٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ ''تم محل سرا میں تشریف رکھو۔ میں نقاب ڈال کر سلطان سے سب کی جانوں کی بھیک مانگنے جاتی ہوں۔''

''میں یہ بھی نہ ہونے دُوں گا۔'' مہابت جنگ اکڑ گیا۔ ''اگر سلطان مجھے یرغمال بنا سکتا ہے تو وہ تمہیں بھی قید کر سکتا ہے۔''

شہزادی کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ''تو پھر جاؤ! اور دیوان کے بچے کو حکم دو کہ وہ تمہارا پیغام لے کر سلطان کے پاس جائے۔ اگر دیوان ذرا بھی حیل وحجت کرے اُسے فوراً قتل کرادو۔''

شہزادی کی یہ بات مہابت جنگ کے دل کو لگ گئی۔ اُس نے سوچا ادھونی کے اہم آدمیوں میں میرے بعد اسد علی خاں دیوان کا نام آتا ہے۔ پھر وہ مجھے ہی کیوں بھیجنا چاہتا ہے؟ اگر اسے اپنی گرفتاری یا جان جانے کا خطرہ ہے تو یہ خطرہ اس سے زیادہ مجھے ہے۔ شہزادی نے ٹھیک کہا ہے۔ دیوان اپنے سر سے بلا ٹالنا چاہتا ہے۔ میں اُسے ابھی دیکھتا ہوں۔ اگر اُس نے جانے سے انکار کیا یا کوئی بہانہ تراشا تو میں اُسے فوراً قتل کرادُوں گا۔

ایسے ہی خیالات میں ڈوبا ہوا مہابت جنگ زنان خانے سے باہر نکل گیا۔

O

دیوان اسد علی خاں نے مہابت جنگ کے حکم کے بموجب ایک آدمی کو سلطان کے لشکر کی طرف روانہ کر دیا تھا اور مطمئن ہو کے بیٹھ گیا تھا کہ اب اُسے سلطان کے پاس نہیں جانا پڑے گا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت مہابت جنگ زنان خانے سے برآمد ہوا۔ دیوان نے اُس کی چال ہی سے جان لیا کہ معاملہ بگڑا ہوا ہے اور یقیناً کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

مہابت جنگ اُس کے پاس پہنچتے ہی بولا۔

''دیوان اسد علی! تم اب تک سلطان کے پاس نہیں گئے؟''

Marfat.com

دیوان اُس کے سوال سے پریشان ہوگیا۔ مہابت جنگ کا مزاج بھی برہم نظر آرہا تھا۔ اُس نے فوراً جواب دیا۔ ''شہزادہ بہادر نے ایک معتبر کو سلطان کے پاس بھیجنے کا حکم دیا تھا۔ میں نے اس کی تعمیل کر دی ہے۔ آپ نے مجھے جانے کا حکم نہیں دیا ورنہ میں ضرور چلا گیا ہوتا۔''

شہزادے کا دماغ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ''دیکھو دیوان اسد علی!'' اُس نے کہا۔ ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی آدمی کو سلطان کے حضور بھیجنا مناسب نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سلطان اسے اپنی شان کے خلاف سمجھے۔ اس لئے تم فوراً سلطان کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ ہم اُس کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اُس سے صلح کے خواہشمند ہیں۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ سلطان اس کا کیا جواب دیتا ہے۔''

دیوان کے پاس اب سوائے جانے کے اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ پھر بھی اُس نے ایک آخری کوشش کی۔ ''شہزادہ بہادر کا حکم سر آنکھوں پر۔ مجھے جانے میں کوئی عذر نہیں۔ جس آدمی کو بھیجا گیا ہے اُس کے واپس آتے ہی میں سلطان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔''

''نہیں دیوان!'' شہزادے نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''ہم ذرا بھی تاخیر نہیں کر سکتے۔ ہم نے سلطان سے قلعہ پر حملہ نہ کرنے کی درخواست کی ہے اور وہ بھی ایک ہرکارے کے ذریعے۔ سلطان کو اس پر غصہ بھی آسکتا ہے۔ تم ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔''

شہزادہ مہابت جنگ نے وہ کھڑکی بھی بند کر دی جسے دیوان اسد علی خاں نے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ دیوان نے سمجھ لیا کہ جب اُس کی موت آ ہی گئی ہے تو پھر ڈرنا کیسا؟ چنانچہ اُس نے گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اُس پر سوار ہو کر بڑے طمطراق کے ساتھ سلطان کے لشکر میں پہنچا۔

سلطان کے لشکریوں نے فوراً اندازہ کر لیا کہ یہ سوار کوئی اہم شخصیت ہے اس لئے ان کے ایک سردار نے نہایت مہذب طریقے سے اُسے خوش آمدید کہا۔

''معزز سوار! اگرچہ ہم آپ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ آپ صلح کی گفتگو کے لئے تشریف لائے ہیں۔''

دیوان اسد علی گھوڑے سے اُترا اور بولا۔ ''میرا نام اسد علی خاں ہے اور میں علاقہ ادھونی کا وزیر اعظم اور شہزادہ مہابت جنگ کا نائب اور فرستادہ ہوں اور صلح کی گفتگو کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ سلطان کو اطلاع دیجئے کہ ادھونی کا دیوان قدم بوسی کے لئے حاضر ہے۔''

یہ سنتے ہی محافظ سردار فوراً اسد علی خاں کو سلطان کے خیمہ پر لے گیا۔ سلطان نے اطلاع پاتے ہی اُسے اندر بلوا لیا۔

Marfat.com

اندر اُس وقت اسد علی خاں کا بھیجا ہوا آدمی بھی موجود تھا۔ دیوان نے سلطان کو شاہی کورنش پیش کیا۔ سلطان نے مسکرا کے اُسے اپنے بالکل قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دیوان اسد علی خاں کے بیٹھنے پر سلطان نے گفتگو میں پہل کی۔

''دیوان اسد علی! اہل قلعہ اور شہزادہ مہابت جنگ کی زبانی درخواست ہم تک تمہارے آدمی نے پہنچا دی ہے۔ ہم نے لشکر کو حکم دے دیا ہے کہ تا حکم ثانی قلعہ ادھونی پر نہ حملہ کیا جائے اور نہ محاصرہ کیا جائے۔''

دیوان نے لوگوں سے سلطان کے اخلاق کی جو باتیں سنی تھیں، سلطان اُن سے بھی زیادہ بااخلاق نکلا۔

دیوان نے سلطان کے جواب میں کہا۔ ''سلطانِ معظم! آپ کی نوازش اور کرم فرمائی کے لئے میں اہل قلعہ اور شہزادہ مہابت جنگ کی طرف سے آپ کا دِلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ شہزادہ بہادر کا التماس ہے کہ آپ کے مقابلہ کی نہ تو ہم میں ہمت ہے اور نہ یہ ہماری خواہش ہے۔ قلعہ کے دروازے کھلے ہیں۔ آپ کا لشکر جب چاہے قبضہ کر سکتا ہے۔ شہزادے نے مزید درخواست کی ہے کہ اُنہیں اور شاہی حرم کو قلعہ ادھونی سے بحفاظت نکل جانے کی اجازت دی جائے تو مزید نوازش اور کرم نوازی ہو گی۔''

سلطان نے کمالِ متانت سے کہا۔ ''دیوان اسد علی خاں! ہم نہ تو قلعہ کو برباد کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس پر قبضہ کے خواہش مند ہیں۔ ہمارا اختلاف مہابت جنگ سے نہیں بلکہ نظام علی خاں سے ہے۔ شہزادے کو اطمینان دلا دو کہ قلعہ ادھونی پر حملہ نہیں ہو گا۔ ہاں ہمارا لشکر شہر میں ضرور داخل ہو گا۔ اچھا ٹھہرو ہم مہابت جنگ کو تحریری جواب بھیجتے ہیں۔''

سلطان نے میر منشی کو بلا کر مہابت جنگ کو خط لکھوایا جس کے مندرجات ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔

''مجھے تم سے کوئی عداوت نہیں۔ مگر چونکہ نواب نظام علی خاں نے بلاوجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے اور مرہٹوں سے اتحاد کر کے اس سلطنت خداداد کی تباہی پر کمر باندھ لی ہے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔

نظام کو اسلامی اخوت کا کوئی لحاظ نہیں۔ اُس نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ مل کر سازشیں کی ہیں۔ اس دفعہ نظام کی وجہ سے مرہٹے مسلمانوں کے معبدوں، مدرسوں، مسجدوں اور گھروں کو بے حرمت کر رہے ہیں۔ ابھی وقت ہے کہ نظام ہم سے اتفاق کر لے اور دونوں مسلم سلطنتیں باہم متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔

Marfat.com

ہم مذہب وملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضا اور خلق خدا کی فلاح کے لئے جہاد پر کمر باندھیں جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے۔

اگر تم ہمارے ہمراہ رہو تو صرف اتنا کافی ہوگا کہ تم اپنی بہترین فوج کو ہمارے ساتھ بھیج دو کیونکہ ہم صرف دین متین کی سربلندی اور رب العالمین اور رسولِ امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لئے امن قائم کرنے کی خاطر ان کافروں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ اگر کوئی ساتھ نہ دے تو بھی ہم یہ فریضہ از خود یکا و تنہا انجام دیں گے۔"

دیوان اسد علی خاں سلطان کا یہ خط لے کر قلعہ ادھونی واپس ہو گیا۔

مہابت جنگ نے سلطان کا خط پڑھا تو ایک عجیب اُلجھن میں پھنس گیا۔ ایک طرف سلطان کا یہ التفات کہ اُس نے قلعہ پر حملہ نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا دوسری طرف نظام دکن سے اُس کی دوہری رشتے داری۔ نظام اُس کا سسر بھی تھا اور چچا بھی۔ اس صورت میں اگر وہ اپنی فوج سلطان کے حوالے کرتا تو نہ حیدر آباد واپس جا سکتا تھا نہ اہل خاندان کو منہ دکھا سکتا تھا۔

مہابت جنگ کے باپ بسالت جنگ اور نظام دکن میں نہ صرف حقیقی بھائیوں کا رشتہ تھا بلکہ وہ ایک زمانے سے ایک دوسرے کے سیاسی اور فوجی حلیف بھی چلے آتے تھے۔

ایک طرف تو دونوں بھائیوں کی رشتے داری اور سیاسی تعلقات کا تقاضہ تھا کہ وہ سلطان کی اس پیشکش سے انکار کر دے مگر دوسری جانب اس وقت قلعہ ادھونی کو بچانے کا سوال تھا۔ قلعہ کی حفاظت کے علاوہ مہابت جنگ کو وہ وقت بھی یاد تھا جب سلطان کے والد نواب حیدر علی مرحوم نے مہابت جنگ کے باپ بسالت جنگ کی مدد کی تھی۔

یہ واقعہ 1761ء کا ہے۔

یہ وہی سال ہے جب مرہٹوں نے احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں ایسی شکست کھائی تھی کہ شمالی ہند میں ان کے اقتدار کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا تھا۔ اس وقت حیدر آباد دکن آپس کی سازشوں کا شکار تھا۔ تخت و تاجِ دکن کے تین بھائیوں صلابت جنگ، بسالت جنگ اور نظام علی خاں اُمیدوار تھے اور اُن کے درمیان خانہ جنگی ہو رہی تھی۔

اس خانہ جنگی کے نتیجہ میں صلابت جنگ کو قید کر دیا گیا اور باقی دو بھائی بسالت جنگ اور نظام علی خاں ریاست کے حکمراں ہوئے۔

ان دونوں بھائیوں میں ریاست کا بٹوارہ ہوا۔ دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے حصے میں آیا جس کا مستقر یہی ادھونی بنایا گیا جس کے سامنے اُس وقت سلطان ٹیپو

Marfat.com

اپنے لشکر سمیت خیمہ زن تھا۔

بسالت جنگ کو جب پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی شکست کا حال معلوم ہوا تو وہ صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کے لئے نکلا اور قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کر لیا۔

بسالت جنگ چونکہ قلعہ کشائی کے حربوں سے واقف نہ تھا اور ہوسکوٹہ کا محاصرہ طول کھینچتا جا رہا تھا اس لئے اُس نے نواب حیدر علی خاں مرحوم سے مدد کی درخواست کی۔

نواب مرحوم اُس وقت سلطنت میسور کے حاکم تھے۔ چنانچہ بسالت جنگ اور نواب مرحوم کے درمیان ایک معاہدہ ہوا کہ اگر نواب حیدر علی خاں قلعہ ہوسکوٹہ کو فتح کرا دیں تو دیگر شرائط کے علاوہ قلعہ کا تمام سامان اور آلاتِ حرب بسالت جنگ کو ملیں گے اور قلعہ ہوسکوٹہ اور اُس کے مضافات نواب مرحوم کو دیئے جائیں گے۔

حیدر علی خاں مرحوم نے اپنے ناقابل شکست لشکر کے ساتھ چند ہی دنوں میں قلعہ ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا اور معاہدے کے مطابق قلعہ کا تمام سامان بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا اور قلعہ ہوسکوٹہ اور اس کے مضافات سلطنت میسور کا حصہ بن گئے۔

اس سلسلے میں میسور میں ایک روایت بہت مشہور تھی۔ وہ یہ کہ بسالت جنگ نے قلعہ ہوسکوٹہ کا سامان اور تمام آلاتِ حرب حاصل کرنے کے بعد سب کے سب نواب حیدر علی مرحوم کے ہاتھ فروخت کر دیئے تھے اس لئے نواب مرحوم بسالت جنگ کو ہمیشہ ''تاجر'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس واقعہ کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ بسالت جنگ اور نواب مرحوم کے درمیان بھی دوستانہ مراسم تھے اور اسی وجہ سے مہابت جنگ کو کسی نتیجے پر پہنچنے میں دقت ہو رہی تھی۔ مہابت جنگ نے اس سلسلے میں دیوان سے کم ہی گفتگو کی اور سلطان کا خط لے کر اپنی بیوی شہزادی دکن کے پاس پہنچا۔

شہزادی، سلطان کا خط پڑھ کر بہت متاثر ہوئی اور اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

''کاش ابا حضور اعلیٰ حضرت نظام دکن اور سلطان ٹیپو کے لشکر متحد ہو سکیں۔''

''میں تمہاری اس دُعا میں پوری طرح شامل ہوں شہزادی۔'' مہابت جنگ نے بیوی کی تائید کی۔ ''لیکن یہ خیالِ خام ہے۔ اعلیٰ حضرت کسی ایسے اتحاد کے لئے کبھی رضامند نہیں ہو سکتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ سلطان نے ایک خط کے ذریعے اعلیٰ حضرت سے اس بات کی خواہش کی تھی کہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک خاندان کے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں دوسرے خاندان کے لڑکوں لڑکیوں سے کر دی جائیں۔ مگر اس کا انجام کیا ہوا؟''

Marfat.com

شہزادی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''اعلیٰ حضرت ابا حضور نے اس منصوبہ کو پسند فرمایا تھا۔ مگر پتہ نہیں کہ محل سرا کی شاہی خواتین کو کس نے بھڑکا دیا کہ اُنھوں نے سلطان کے خاندان کو ''پنچ'' کہہ کر اس منصوبہ کو رد کر دیا۔''

''خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ کہ سلطان کو اس کا کیا جواب دیا جائے؟'' مہابت جنگ نے بات کو مختصر کیا۔ ''سلطان نے جواب کے لئے صرف آج رات تک کا وقت دیا ہے۔ اس کے بعد وہ پہلے شہر پر قبضہ کریں گے پھر وہ کوئی بھی قدم اُٹھانے میں حق بجانب ہوں گے۔''

''مگر سلطان نے قلعہ پر حملہ نہ کرنے کا بھی تو وعدہ کیا ہے۔'' شہزادی نے یہ کہہ کر مہابت جنگ کی آدھی پریشانی ختم کر دی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو شہزادی!'' مہابت جنگ بڑی مسرت سے بولا۔ ''جب تک ہم سلطان کو جواب نہیں بھیجتے وہ قلعہ پر حملہ نہیں کر سکتے۔''

○

وہ رات بالکل سکون سے گزری۔

جب صبح کو سلطان کو قلعہ سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تو اُس نے لشکر کو ادھونی شہر پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا۔

شہر اگرچہ سلطانی لشکر کے گھیرے میں تھا مگر اس کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ باقاعدہ دُکانیں کھلتی تھیں اور لوگ خرید و فروخت میں مصروف رہتے۔ سلطانی فوجی بھی خریداری کے لئے بازار میں آتے اور قیمت ادا کر کے سامان لے جاتے۔

اب جو اچانک فوج شہر میں داخل ہوئی تو وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ عوام خوفزدہ ہو کر قلعہ کی طرف بھاگ اُٹھے۔

مہابت جنگ کو اطلاع دی گئی کہ شہر پر سلطانی فوج نے قبضہ کر لیا ہے اور عوام ہزاروں کی تعداد میں قلعہ کے دروازوں پر پناہ حاصل کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔

مہابت جنگ نے حکم دے دیا کہ قلعے کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں اور اُس وقت تک کھلے رکھے جائیں جب تک تمام لوگ قلعہ میں داخل نہیں ہو جاتے۔

اس موقع پر سلطان کے سردار رستم جنگ نے دست بستہ عرض کیا۔

''عالی جاہ! قلعہ ادھونی کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ ہم بغیر قلعہ پر حملہ کئے یا ہتھیار اُٹھائے قلعہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضورِ عالی سے اجازت کی درخواست ہے۔''

سلطان نے رستم جنگ کو گھور کے دیکھا۔ وہ مزید کچھ کہنے کو تھا کہ موسیو لال جو سلطان کے

Marfat.com

ماتحت فرانسیسی دستوں کا سالار تھا ادب سے بولا۔
''سلطان! آپ نے قلعہ پر حملہ نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ رستم جنگ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم اس وقت بغیر حملہ کئے قلعہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ قلعہ کے اندر داخل ہونے کا یہ بڑا اچھا بہانہ ہے۔''
''موسیو لال!'' سلطان نے سخت لہجہ میں کہا۔ ''تم ہمارے وعدے کو جھٹلانا چاہتے ہو۔ ہم قلعہ میں داخل ہو گئے تو کل یہی کہا جائے گا کہ سلطان نے قلعہ دار کو فریب دے کر قلعہ پر قبضہ کیا۔ مہابت جنگ نے ہمارے وعدے کا اعتبار کرتے ہوئے بے خوف وخطر اپنے عوام کے لئے قلعے کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ہم اُس کے اعتماد کو مجروح نہیں کر سکتے۔ خبردار! ایک سپاہی بھی قلعہ میں داخل نہ ہو۔''
قلعہ دوپہر تک کھلا رہا۔
مگر...... سلطان نے اپنے وعدے کے مطابق قلعہ پر قبضہ نہ کیا۔
مہابت جنگ نے نواب نظام الملک والی دکن کو اسی وقت خبر بھجوا دی تھی جب سلطان کا لشکر بنگلور سے ادھونی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ نظام نے داماد اور بیٹی کی حفاظت اور مدد کے لئے ایک لشکر ادھونی کی طرف روانہ کر دیا تھا۔
اس کمک کے آنے کی اطلاع جب سلطان کو ملی تو اُس نے حیدر حسین بخشی اور غازی خاں کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا کہ وہ کمک کو قلعہ تک نہ پہنچنے دیں۔
حیدر بخشی اور غازی خاں نے آگے بڑھ کر حیدر آباد سے آنے والی کمک کے راستے میں اپنے مورچے قائم کر لئے۔
حیدر آباد کی فوج کے سردار مشیر الملک اور سیف جنگ تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی حیدر بخشی اور غازی خاں کے مورچوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر زوردار تھا کہ حیدر بخشی اور غازی خاں اس کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو کر واپس ادھونی پہنچ گئے۔
ادھر مشیر الملک اور سیف جنگ کو معلوم ہو گیا کہ سلطان ٹیپو قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے اپنی رفتار سست کر دی اور جنگی حکمت عملی پر غور و خوض کرنے لگے۔ اُنہیں یہ بھی بتایا گیا کہ سلطان ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ادھونی آیا ہوا ہے۔
ادھر یہ لوگ سلطان کے بارے میں سوچ رہے تھے اُدھر سلطان نے فیصلہ کیا کہ حیدر آباد سے آئی ہوئی کمک کو قلعہ تک صحیح سلامت نہ پہنچنے دیا جائے۔ اسے حیدر بخشی اور غازی خاں کی شکست کا بدلہ بھی لینا تھا۔ چنانچہ سلطان لشکر لے کر اپنے مورچوں سے نکلا اور دم کے دم میں

Marfat.com

آنے والی کمک کے سر پر پہنچ گیا۔

سلطان نے مشیر الملک اور سیف جنگ کے مقابل آتے ہی توپ خانے کو گولہ باری کا حکم دے دیا۔

پھر تو سلطانی توپ خانے نے غنیم پر اس قدر شدید گولہ باری کی کہ حیدر آبادی لشکر درہم برہم ہو گیا اور یہ شکست خوردہ اور تتر بتر لشکر بھاگتا ہوا قلعہ ادھونی پہنچا اور وہاں پناہ حاصل کی۔

سلطان نے اپنے لشکر کو تعاقب سے روک دیا۔ وہ چاہتا تو حیدر آبادی کمک کو چاروں طرف سے گھیر کر پوری طرح ختم کر سکتا تھا لیکن اُس کا ادھونی کا محاصرہ بھی عجیب طرح کا تھا اور یہ جنگ بھی عجیب ہی تھی

سلطان نے شکست خوردہ فوج کو خود قلعہ کی طرف بھاگنے اور وہاں جا کے پناہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دشمن کے میدان چھوڑ جانے کے بعد سلطان اپنے مورچوں کے اندر واپس آ گیا۔

مہابت جنگ نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور جب سلطان، مشیر الملک اور سیف جنگ کی فوجوں سے نبرد آزما تھا تو مہابت جنگ معہ شاہی حرم اور دیگر سردارانِ فوج اور امرا کی بیگمات کے رائچور روانہ ہو گیا۔

سلطان کا رویہ اب بھی کچھ عجیب تھا۔ وہ قلعہ پر قبضہ کر سکتا تھا۔ مہابت جنگ اور نظام دکن کی بیٹی کو یرغمال بنا کر نظام پر دباؤ ڈال سکتا تھا۔

لیکن...... سلطان نے ان دونوں میں سے ایک کام بھی نہ کیا۔

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کا یہ رویہ انتہائی شریفانہ اور مدبرانہ تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ نظام دکن میں ذرا سی بھی غیرت یا شرافت ہو گی تو وہ اُس کے اس سلوک کے بدلے میں سلطنت خداداد سے اگر معاہدہ نہ بھی کرے گا تو کم از کم اس کی مخالفت ہی سے باز آ جائے گا۔

مگر نظام نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اس کے داماد اور بیٹی کو سلطان نے قلعہ ادھونی میں نظر بند کر رکھا ہے، بجائے سلطان سے نرم رویہ اختیار کرنے کے مشیر الملک اور سیف جنگ کو لشکر دے کر قلعہ ادھونی بھیج دیا۔

اُس کا یہ خیال کس قدر غلط اور ناعاقبت اندیشانہ تھا۔ سلطان کی جگہ اگر کوئی دوسرا حملہ آور ہوتا تو پہلے ہی دن قلعہ ادھونی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔

○

دوسرے دن سلطان نے قلعہ ادھونی پر یورش کا حکم دے دیا۔ ادھونی کا قلعہ بہت مضبوط

Marfat.com

تھا۔ مہابت جنگ نے اسی لئے اُسے اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ وہاں ایک بڑا لشکر بھی موجود تھا اور اب تو حیدر آباد کا شکست خوردہ لشکر بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہ سلطان کے طوفانی حملے کا ایک دن سے زیادہ مقابلہ نہ کر سکے اور ہتھیار ڈال دیئے۔

اس قلعہ کی جنگ اور فتح کے سلسلہ میں ایک دوسرا مؤرخ اس طرح رقم طراز ہے:۔

''اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعہ ادھونی جو نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا، سلطانی فوجوں نے فتح کر لیا۔''

مؤرخین کا یہ اختلاف یقیناً محل نظر ہے۔ قلعہ ادھونی ضلع بلاری میں واقع ہے۔ یہ قلعہ راجگان وجیانگر کا بنایا ہوا اور نہایت مضبوط و ناقابل تسخیر تھا۔ مہابت جنگ قلعہ سے جاتے وقت پورا خزانہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اس لئے مالِ غنیمت میں بسالت جنگ مرحوم کا کتب خانہ اور اسلحہ خانہ سلطان کے ہاتھ آیا۔ سلطان نے پورا کتب خانہ سرنگا پٹم بھجوا دیا۔

سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعہ ادھونی کا قلعہ دار اور دولت رائے کو ادھونی کا صوبیدار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے پائیں حصار (فصیلیں) سب توڑ دیئے گئے۔

ادھونی سے فارغ ہو کر سلطان کنجن گڑھ پہنچا۔

یہاں کی رانی سلطنت خداداد سے سرکشی اختیار کر چکی تھی۔ اس معرکے میں وہ خود تو فرار ہو گئی، اُس کا بیٹا گرفتار ہوا۔ یہ ''صاحب جامع اوراق'' کے مطابق بعد میں مسلمان ہو گیا اور اُس کا نام علی مردان خاں رکھا گیا۔

اس وقت تک موسم برسات شروع ہو چکا تھا اور ندی نالے آنکھیں دکھا رہے تھے۔ دریاؤں میں طغیانی آ گئی تھی۔ سلطان جلد سے جلد نظام اور مرہٹوں کو اُن کی یلغار کی سزا دینا چاہتا تھا لیکن بارش نے اُس کا راستہ روک لیا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ دریا کو ضرور عبور کرے گا کیونکہ اس پار اُس کا عظیم سردار برہان الدین دشمنوں میں گھرا ہوا جنگ کر رہا تھا۔

سلطان اپنے چند سرداروں کو لے کر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پہنچا۔ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی اور دوسرا کنارہ مشکل سے نظر آتا تھا۔

سلطان نے سرداروں سے دریافت کیا۔ ''ہمارا ارادہ دریا پار کر کے برہان الدین کی مدد کو پہنچنے کا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''سلطانِ معظم!'' ایک سردار نے متانت سے جواب دیا۔ ''دریا میں طغیانی آئی ہوئی ہے۔ اُوپر سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ایسے میں دریا پار کرنا مناسب نہیں ہو گا۔''

سلطان نے دوسرے سردار کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھی دست بستہ عرض کیا۔

Marfat.com

''عالی جاہ! دریا کی طوفانی موجوں میں لشکر دریا پار نہیں کر سکتا۔ اگر فوج کو کشتیوں پر ٹکڑوں کی صورت میں بھیجا جائے تو اُس پار موجود دشمن انہیں آسانی سے ختم کر سکتا ہے۔ چند روز انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

سلطان نے تیسرے سردار کو دیکھا تو اُس نے سب سے زیادہ بھیانک صورت پیش کی۔ اُس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''عالی جاہ! دریا پار ہری پنت پھڑ کیا اور نظام کا لشکر جس میں ایک لاکھ سوار اور بے شمار پیادے ہیں، خیمے گاڑے پڑا ہے۔ اگر ہم نے کشتیوں میں دریا پار کرنے کی کوشش کی تو دشمن رکاوٹ بنے گا اور ہمارے ان گنت لشکری بے موت مارے جائیں گے۔''

سلطان کو اپنے سرداروں کا کوئی مشورہ پسند نہ آیا۔ اُس نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

''دریا اور پہاڑ لشکروں کے راستے نہیں روکا کرتے۔ ہم اپنے ایک جانثار سردار (برہان) کو دشمنوں کے نرغے میں زیادہ دن اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔''

دوسرے دن سلطان دو پیادہ رجمنٹوں کے ساتھ کشتیوں پر سوار ہوا اور دریائے تنگ بھدرا کی موجوں سے لڑتا دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اُدھر پہنچتے ہی سلطان نے ایک بلند جگہ پر اپنا علم نصب کر دیا پھر تمام کشتیوں کو سوار فوج لانے کو بھیج دیا۔ پھر تو لشکریوں کے دریا پار کرنے کا تانتا بندھ گیا اور چار دن کے اندر پورا لشکر دریا پار پہنچ گیا۔

اس موقع پر سلطان ٹیپو نے کہا۔

''آئندہ جو لوگ دریا پار کرنا چاہیں انہیں بھی سب سے پہلے پیادہ فوج کو دریا پار اُتارنا چاہئے۔ اس کے بعد سوار فوج کو اور پھر دوسرے لوگوں کو بھیجنا چاہئے۔''

سلطان کے دریا پار کرنے کے سلسلے میں میسور میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔

روایت ہے کہ سلطان نے طغیانی کی وجہ سے دریائے تنگ بھدرا پار کرنے کے لئے صرف دو روز انتظار کیا مگر جب دریا کی طغیانی میں کوئی فرق نہ پڑا اور پانی کم ہونے کے آثار دکھائی نہ دیئے تو سلطان نے توپچی کو حکم دیا۔

''یہ دریا ہمارے دشمن کا ہراول دستہ ہے جو ہمارا راستہ روک رہا ہے۔ اس لئے دریا میں اکیس گولے مارے جائیں۔''

سلطان کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ توپ کے اکیس گولے دریا میں پھینکے گئے اور قدرتِ الٰہی دیکھئے کہ گولے پھینتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا اور دریا پایاب بن گیا۔

Marfat.com

اس واقعے کا لشکر اور دوسرے دیکھنے والوں پر ایسا اثر ہوا کہ اُنہوں نے اسے سلطان کی کرامت قرار دیا اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔
سلطان دریا پار پہنچا تو ہری پنت (پنڈت) اور دشمن کے دوسرے سپہ سالار دریا سے چار چار میل پیچھے ہٹ گئے اور اُنہوں نے قریبی جنگل میں پہاڑ میں پناہ لی۔

○

دشمن نے تین چار روز خاموشی سے تیاری کے بعد سلطان پر حملہ کیا مگر یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ اس طرح تین چار حملے ہوئے جو سب کے سب پسپا کر دیئے گئے۔
اب سلطان نے شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا اور مہا میرزا خاں کو سوار دستے دے کر بھیجا۔ سلطان خود بھی نصف راستہ تک ساتھ گیا تا کہ وہاں ٹھہر کر رہنمائی کر سکے۔ مگر دشمن کو خبر ہو گئی اور اُس نے گولہ باری شروع کر دی۔ جواب میں سلطانی توپ خانہ نے بھی گولہ باری کی لیکن یہ شب خون ناکام ہو گیا۔
اگلے دن مرہٹے اپنا توپ خانہ لے کر سلطان کے مقابلے پر آئے اور تیس توپوں سے گولے برسانا شروع کیے۔ سلطان کے توپ خانہ نے بھی جوابی گولہ باری کی۔
اُس وقت سلطان نے ایک طرف سے مہا میرزا خاں اور حسین علی خاں کے ماتحت غازی خاں، ولی محمد خاں کابلی، ابراہیم خاں اور کابل خاں سپہ دار کو اپنے اپنے دستوں کے ساتھ اور دوسری طرف سے قادر خاں، امام خاں اور میر محمد کو آگے بڑھایا۔
دونوں بازوؤں سے یہ دستے اس طرح آگے بڑھے کہ مرہٹہ فوج اُن کے گھیرے میں آ گئی۔ پھر ان پر ایسا دباؤ پڑا کہ مرہٹہ سردار اپنے بال بچوں کو میدان میں چھوڑ کے جانیں بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔
سلطان اس معرکہ میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ بھاگنے والے سرداروں کی خواتین اسیر کر کے اُس کے سامنے پیش کی گئیں۔ سلطان نے ان خواتین کے ساتھ نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا اور انہیں زر و جواہر دے کر پونا بھجوا دیا تا کہ وہ وہاں جا کر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔
سلطان نے یہاں سے کوچ کر کے بالا پور کی ندی کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ مرہٹے بھی وہاں سے تین میل دُور ایک جنگل کے سامنے ٹھہرے ہوئے تھے۔ سلطان نے غازی خاں کی سپہ سالاری میں امام خاں، فاضل خاں اور میر محمد کو ایک لشکر کے ساتھ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ غازی خاں نے وہاں پہنچ کے ایک بڑی دلچسپ ترکیب آزمائی۔
غازی خاں نے سپاہیوں کو کمبل اوڑھا کر راتوں رات جنگل کے راستے سے مرہٹہ فوج کے

Marfat.com

عقب میں پہنچا دیا۔ یہ مرہٹوں کی چھاپہ مار فوج تھی۔ اُس نے سلطانی دستوں کو روکا اور اُن سے اپنی شناخت کرانے کو کہا۔

غازی خاں بڑی روانی سے مرہٹی زبان بولتا تھا۔ اُس نے مرہٹہ سردار کو بتایا۔

''ہمیں نظام نے رائچور سے کمک کے طور پر بھیجا ہے۔''

مرہٹوں کو معلوم تھا کہ نظام دکن کی بیٹی اور داماد قلعہ ادھونی چھوڑ کر رائچور فرار ہو گئے تھے اس لئے اُنہیں غازی خاں کی بات کا اعتبار کرنا پڑا۔ وہ خوشی خوشی غازی خاں اور اُس کے فوجی دستوں کو اپنے لشکر میں لے گئے۔

جب غازی خاں وغیرہ مرہٹہ لشکر کے درمیان میں پہنچے تو اُنہوں نے بندوقیں سیدھی کیں اور نعرہ مار کر مرہٹوں پر گولیوں کی بارش کر دی۔ مرہٹے اس اچانک حادثے سے گھبرا گئے اور اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ گولیاں کون چلا رہا ہے اور کدھر سے آ رہی ہیں۔ ان پر ایک دم سلطان ٹیپو کی دہشت طاری ہو گئی۔ وہ یہی سمجھے کہ سلطان کا لشکر اچانک وہاں آ پہنچا ہے اور مرہٹوں کو گولیوں سے بھون رہا ہے۔

اس بدحواسی کے عالم میں وہ جہاں تھے اور جس حال میں تھے اسی طرح گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ ان کے ساتھ خواتین بھی تھیں مگر ان کی جانوں پر بنی تھی۔ وہ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر، جس کا جدھر منہ اُٹھا اُدھر بھاگ نکلے۔

غازی خاں اس مہم میں کامیاب و کامراں ہو کر سلطان کے پاس پہنچا۔ اُس کے ہمراہ مرہٹہ سرداروں کی بیویاں، بیٹیاں اور بہنیں بھی تھیں۔ سلطان نے ان تمام خواتین کو پالکیوں میں بٹھا کر غنیم کے لشکر میں بھجوا دیا۔

ان خواتین کے ساتھ سلطان نے خفیہ طور پر ہری پنت پھڑکیا اور مادھو کو چار ہاتھی اور ساتھ تیز رفتار گھوڑے تحفہ کے طور پر بھجوا کر اُنہیں اپنا ممنونِ احسان کرنے کی کوشش کی۔

چونکہ غازی خاں اور اُس کے دستوں نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا تھا اس لئے سلطان نے سب کو فرداً فرداً انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

مرہٹہ فوجیں دریائے تنگ بھدرا کے میدان سے شکست کھا کر بھاگیں تو سیدھی شاہنور پہنچیں، جہاں نظام کی فوجیں اُن کا انتظار کر رہی تھیں۔

مرہٹوں نے حاکم شاہنور عبدالحکیم سے سازش کر کے قریب ہی ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔

دوسری طرف سلطانی لشکر بھی شاہنور کی طرف بڑھا۔ عبدالحکیم خاں کو سلطانی لشکر کے آنے

Marfat.com

کی خبر ملی تو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مرہٹہ لشکر میں چلا گیا اور شہر میں اپنے بیٹے خیر الدین عرف ''خیرا'' کو چھوڑ گیا۔

اسی رات سلطان شاہنور کے سامنے آ کر خیمہ زن ہوا۔ اُس نے میر صادق اور مہدی خاں کو شہر میں سامانِ رسد اکٹھا کرنے کو بھیجا۔ یہ دونوں اپنے دستوں کے ساتھ حکیم خاں کے محل پر پہنچے اور نقد و جنس، فرش فروش، ظروف و اسلحہ، غرضیکہ جو کچھ اُن کے ہاتھ لگا وہ سب اُٹھا لائے اور اس سامان کی ایک فہرست بنا کر سلطان کو پیش کر دی۔

عبدالحکیم خاں کا بیٹا خیر الدین عرف خیرا خود ہی سلطان کے سامنے پیش ہو گیا۔ سلطان نے اُس سے کہا۔

''تمہارے باپ کو آخر کیا ہو گیا ہے؟ وہ در بدر مارا مارا پھر رہا ہے۔ ہم نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ عزیز داری کا لحاظ کر کے ہم اُسے مراعات دینا چاہتے ہیں۔ مگر اُسے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہمارا ساتھ دینے کی بجائے دشمنوں سے ساز باز کر کے ہماری مخالفت پر کمر باندھ لی ہے۔ اس کا خمیازہ وہ ضرور بھگتے گا۔

سامانِ رسد حاصل کرنے کے بعد سلطان شمال میں جوین گڑھ میں جا خیمہ زن ہوا۔ یہاں اُس نے لشکر کو چند روز آرام دیا، پھر لشکر کی تنظیم نو کی۔

سلطان نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح ہر حصہ لشکر میں سوار اور پیادوں کے علاوہ پندرہ توپیں تھیں۔ سلطان نے ہر لشکر پر ایک سالار مقرر کیا۔

ایک حصہ لشکر پر میر معین الدین سید صاحب، دوسرے پر برہان الدین، تیسرے پر مہا میرزا خاں اور حسین علی خاں میر بخشی کو سالار مقرر کیا گیا۔ خود سلطان چوتھے اور بڑے لشکر کے ساتھ جوین گڑھ میں ٹھہرا رہا تاکہ دشمن کے قلب پر حملہ کر سکے۔

اس انتظام کے بعد ایک شب جبکہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، سلطان نے تمام لشکروں کو دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھایا۔

دشمن اس دھواں دار بارش میں کسی حملے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ مگر سلطان نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور لشکر کو حملہ کا حکم دے دیا۔

یہ خیال رہے کہ اس وقت تک وائرلیس کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اور لشکر کے مختلف حصوں تک پیغام رسانی کا کام بندوق کی گولیوں یا توپ کے گولوں سے لیا جاتا تھا۔ سلطان نے بھی اپنے اشارے مقرر کر رکھے تھے جن سے بندوقچیوں اور توپچیوں کے سردار آگاہ رہتے تھے۔

Marfat.com

مرہٹہ لشکر، سلطانی افواج سے کچھ زیادہ دُور نہ تھا اس لئے سلطان نے طلایہ[1] کو اپنے ساتھ ہی رکھا۔

سب سے پہلے سلطان نے اپنا لشکر آگے بڑھایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کا طلایہ دشمن کے طلایہ کے سامنے پہنچ گیا۔

چونکہ رات کا وقت تھا اور بارش کا طوفان اُٹھا ہوا تھا۔ ایسے مین دشمن کا طلایہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ اس کے سامنے آنے والے سوار دستے کس لشکر کے ہیں۔

پس...... دشمن کے طلایہ کے سواروں میں سے ایک نے آواز دے کر پوچھا۔

''تم لوگ کون ہو اور تمہارا تعلق کس لشکر سے ہے؟''

چونکہ سلطان اپنے طلایہ دستوں کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا اس لئے اُس کے طلایہ کے سواروں نے اپنی زبانیں بند رکھیں۔

دشمن کو جب کوئی جواب نہ ملا تو اُس کے سوار کچھ اور آگے بڑھ آئے اور اُنہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

اُس وقت تک سلطان اپنے طلایہ کے بالکل برابر پہنچ گیا تھا اور اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دشمن کے طلایہ سواروں کی تعداد دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اُس نے فائر کھولنے کا حکم دے دیا۔

اس اچانک فائرنگ سے دشمن کے طلایہ کے بیشتر سوار مارے گئے۔ کچھ بھاگ نکلے اور کچھ گرفتار ہوئے۔ سلطان نے ان بھاگنے والوں کا تعاقب کیا اور دشمن کے کیمپ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس وقت سلطان نے ایک توپچی کو گولہ داغنے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ سلطان کی توپ کی آواز سنتے ہی باقی لشکر بھی اپنے اپنے ہدف پر حملہ کر دیں۔

اس توپ کے جواب میں صرف ایک جانب سے توپ داغی گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ صرف ایک لشکر اپنے ہدف پر پہنچ سکا ہے۔ باقی لشکریوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

سلطان کو اس وجہ سے پریشانی لاحق ہوئی کہ خدا معلوم دوسرے لشکریوں پر کیا گزری۔ مگر وہ دوسروں کے جواب کا انتظار بھی نہ کر سکتا تھا اس لئے کہ اُس کا لشکر دشمن کے کیمپ تک پہنچ چکا تھا۔ ایسے وقت میں اگر وہ کیمپ پر حملے میں تاخیر کرتا تو وقت نکل جاتا اور اُسے فائدے کی بجائے نقصان پہنچ سکتا تھا۔

---

[1] طلایہ ان فوجی دستوں کو کہا جاتا ہے جو لشکر کے آگے آگے چلتے ہیں اور دشمن کی خبر دیتے ہیں۔ انہیں گشتی دستے بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

سلطان نے اللہ کا نام لے کر توپ خانے کو گولہ باری کا حکم دے دیا اور دشمن کے کیمپ میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت سلطان نے باقی سرداروں کے لشکروں کی توپ کے الگ الگ فائر کی آواز سنی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے ہدف پر پہنچ چکے ہیں۔

اب صبح کی سفیدی نمودار ہو گئی تھی۔

سلطان دشمن کے کیمپ میں صرف تین سو سپاہیوں اور ایک توپ کے ساتھ داخل ہوا تھا مگر جلد ہی اُس کا پورا لشکر اُس کے پاس پہنچ گیا۔ اس اچانک اور غیر متوقع حملہ سے دشمن نے گھبرا کے بھاگنا شروع کر دیا اور سامنے کی پہاڑیوں پر چڑھ گیا۔

صبح نو بجے کے قریب بھاگنے والے پہاڑیوں سے اُترے اور ایک جگہ جمع ہو کر اُنہوں نے اپنی صف بندی کی۔ اُن کا لشکر لاتعداد تھا چنانچہ وہ بڑی توپوں سے گولے برساتے، مچھروں اور مکھیوں کی طرح بھنبھناتے اور شور کرتے آگے بڑھے۔

سلطان کے ساتھ اگرچہ بھاری توپ خانہ تھا مگر اُس نے اُسے خاموش رکھا اور ہلکی توپوں کے دستہ کو حکم دیا کہ وہ گولے برسائیں اور ان فوجیوں کو نشانہ بنائیں جو نزدیک پہنچ رہے ہوں۔

سلطان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو اسی غلط فہمی میں رکھا جائے کہ اس کے پاس بھاری توپ خانہ نہیں ہے اور صرف چند چھوٹی توپیں ہیں جنہیں وہ استعمال کر رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دلیر ہو کر آگے بڑھ آئے گا اور اُس وقت اس پر بڑی توپوں کا فائر کھول کر نقصان پہنچایا جائے جو ناقابلِ یقین ہو گا۔

سلطان کی سوچ بالکل صحیح تھی۔ دشمن کو جب اپنی توپوں کا جواب نہ ملا تو اُسے گمان ہوا کہ سلطان کے ساتھ بڑا توپخانہ نہیں ہے اور وہ صرف چند چھوٹی توپوں کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے۔

اس خیال کے واضح ہوتے ہی دشمن نے تیزی سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ یہ منصوبہ سلطان نے حملہ سے پہلے بنایا تھا اور باقی لشکروں کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا۔

جب سلطان کے خیال کے مطابق دشمن پوری طرح اُس کی بڑی توپوں کی زد میں آ گیا تو اُس نے بھاری توپ خانے کو گولہ باری کا حکم دیا۔

اِدھر سے گولہ باری شروع ہوتے ہی سلطان کے مجوزہ منصوبے اور ہدایت کے مطابق اُس کے باقی لشکروں نے بھی بڑی توپوں سے بیک وقت دشمن پر چاروں طرف سے فائر کھول دیا۔

اس وقت اس قدر گولہ باری ہوئی کہ دم کے دم میں ہزاروں مرہٹے موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ لشکریوں کے علاوہ اس جنگ میں دشمن کے دو ہزار گھوڑے اور تین ہاتھی بھی مارے گئے۔ چند ہی گھنٹوں بعد دشمن میدان سے بھاگ چکا تھا۔

Marfat.com

مرہٹے یہاں سے پسپا ہو کر چھ کوس پیچھے ہٹ گئے۔ سلطان بھی لشکر کو لے کر اپنے کیمپ میں آیا اور دو روز تک سلطانی لشکر آرام کرتا رہا۔

پھر سلطان کو خبر ملی کہ دشمن نے شاہنور کے قریب دریا کے دائیں کنارے پر پڑاؤ کیا ہے۔ چنانچہ سلطان بھی اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچا اور دشمن کے مقابل اپنی لشکر گاہ قائم کی۔

چونکہ عید میں صرف تین چار دن باقی تھے اس لئے سلطان نے جنگ سے گریز کیا اور لشکر کو عید تک آرام کرنے دیا۔

عید کے دوسرے دن سلطان جنگ کے لئے نکلا۔ اس دفعہ اُس نے بان داروں کو سواروں کے آگے رکھا اور لشکر کے میسرہ کو شاہنور کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

سلطانی لشکر کی اس نقل و حرکت کو دیکھ کر مرہٹوں نے اپنی اس فوج کو واپس بلا لیا جو خاص شاہنور میں کیمپ لگائے ہوئے تھی۔

سلطانی لشکر کو یہیں ایک دلچسپ خبر ملی۔

پہلے بتایا گیا کہ سلطان کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر والی شاہنور عبدالحکیم خاں اپنے بیٹے خیر الدین عرف خیرا کو قلعہ میں چھوڑ کر معہ خزانہ اور بیگمات کے مرہٹہ کیمپ میں چلا گیا تھا۔ وہ مرہٹوں اور نظام سے ساز باز کر کے سلطان کا مخالف ہو گیا تھا اس لئے اُسے خیال تھا کہ مرہٹے نہ صرف اُس کی جان و مال کی اچھی طرح حفاظت کریں گے بلکہ اسے عزت بھی دیں گے۔

مگر...... اس کے ان مرہٹہ دوستوں نے اُس کے ساتھ بالکل اُلٹا سلوک کیا۔ اُنہوں نے عبدالحکیم سے پورا خزانہ چھین لیا اور صرف پہننے کے چند کپڑوں اور چند عورتوں کے ساتھ اُسے ایک دستہ کی حفاظت میں ریاست میراج کی طرف روانہ کر دیا۔ خود مرہٹہ لشکر کپل کی طرف فرار ہو گیا۔

سلطان نے بھی اپنا کیمپ شاہنور سے اُٹھا کر بنکا پور میں لگا لیا۔ شاہنور کی حفاظت کے لئے سلطان نے صرف ایک چھوٹا سا دستہ وہاں چھوڑا تھا۔

بنکا پور میں سلطان کا قیام دو ہفتہ سے بھی زیادہ رہا اس لئے کہ محرم کا مہینہ شروع ہو گیا تھا اور سلطان محرم کے پہلے عشرے میں جنگ سے پرہیز کرتا تھا۔

عشرۂ محرم کے فوراً بعد سلطان کی خدمت میں سرداروں نے ایک ساتھ تین تین نذریں گزاریں۔ ایک نذر عید الفطر کی تھی جو جنگ کی وجہ سے پیش نہ کی جا سکی تھی۔ دوسری نذر فتح شاہنور کی تھی اور تیسری نذر شہزادہ نظام الدین کی ولادت باسعادت کی تھی۔

سلطان نے بنکا پور کے قیام کے دوران ہی ایک خط مرہٹہ سردار تکوجی ہلکر کے پاس بھیجا جو

Marfat.com

دشمنوں میں سب سے زیادہ بہادر سمجھا جاتا تھا۔
خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:۔
''اگر نظام علی خاں یہاں ہوتا تو میں اُسے مخاطب کرتا۔ اُس کے نہ ہونے کی وجہ سے میں تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔
اس جنگ سے کیا حاصل جس میں ہزارہا مخلوقِ خدا ماری جا چکی ہے۔ اس کے فیصلے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ کا اور میرا لشکر آمنے سامنے کھڑا ہو۔ پھر سپاہی سے سپاہی اور سردار سے سردار جنگ کرے یا پھر دونوں لشکروں کے درمیان صرف میں اور آپ جنگ کریں اور جو غالب رہے فتح اُس کی سمجھی جائے۔''

سلطان کے اس خط کا ٹکو جی ہلکر پر تو کوئی اثر نہ ہوا مگر جب اس خط کا مضمون عام ہوا اور لوگوں کو سلطان کے خیالات سے آگاہی ہوئی تو بہت سے پنڈارے اور پالیگار مرہٹے لشکر کو چھوڑ کر سلطان سے آملے۔

سلطان کو اسی دوران جاسوسوں نے اطلاع دی کہ دشمن کپل اور قلعہ بہادر بنڈے کے اُس طرف مقیم ہے اور یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔

سلطان نے اس اطلاع سے باخبر ہوتے ہی اپنا پڑاؤ یہاں سے اُٹھا کر قلعہ بہادر بنڈے کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر اپنی ایک ڈویژن فوج کو قلعے کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تاکہ قلعہ والوں کو باہر سے کمک نہ مل سکے۔

سلطان نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا اور سلطانی توپ خانہ قلعہ پر آگ اُگلنے لگا۔ مگر قلعہ کی فصیل دراصل پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھی اس لئے گولہ باری کا اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔

اب سلطان نے دوسری ترکیب سوچی اور کچھ سپاہیوں کو فصیل قلعہ کے قریب چھپ جانے کا حکم دیا۔ ان سپاہیوں سے کہا گیا کہ صبح اذانِ فجر کے بعد جب حملہ کا اشارہ ہو تو وہ فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں۔

سلطان کے حکم پر صبح کو عمل شروع ہوا۔

نمازِ فجر کے بعد بان داغ کر حملہ کا اشارہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میدان میں نصب سلطانی توپ خانہ نے قلعہ پر گولوں کی بارش شروع کر دی۔ یہ بڑی شدید گولہ باری تھی لیکن دشمن نے بھی گولوں کا جواب گولوں سے دیا اور جنگ میں انتہائی شدت پیدا ہوگئی۔

اُسی وقت فصیل کے قریب چھپے ہوئے سپاہیوں نے کمندیں پھینک کر قلعہ پر چڑھنے کی کوشش شروع کر دی لیکن قلعہ پر گولہ باری کے باوجود فصیل پر موجود دشمنوں نے اُوپر چڑھنے

Marfat.com

والوں پر بڑے بڑے پتھر لڑھکانے شروع کر دیئے۔ اس سے سلطانی لشکر کی کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔ اس کے علاوہ فصیل پر برجیوں کی آڑ میں پوشیدہ سپاہی بندوقوں سے بھی ان اوپر چڑھنے والوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ سپہ سالار وہی ہے جو عین وقت پر سوچے اور اس پر فوراً عمل کرے۔

سلطان نے پھر ایک حکمت عملی آزمائی۔ اُس نے دو توپچیوں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ پر گولہ باری کرنے کی بجائے صرف اُس آدمی کو نشانہ بنائیں جو اُنہیں فصیل پر نظر آئے۔

چنانچہ ان توپچیوں نے تاک تاک کر نشانے لگانے شروع کئے اور کچھ ہی دیر بعد اُن کا ایک گولہ قلعہ دار پر گرا جو ایک برج میں سے جھانک رہا تھا۔ گولہ لگتے ہی قلعہ دار کا خاتمہ ہو گیا اور فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔

سلطان نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور قلعہ سے دشمن فوج کو نکال کر اُس پر قبضہ کر لیا۔

اس قبضے کے بعد دشمن ایک بار پھر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مقابلہ کو آیا مگر سلطانی توپ خانہ نے ایسی گولہ باری کی کہ وہ گھبرا کے پسپا ہو گیا اور چار میل دُور جا کے ٹھہرا۔

سلطان بھی لشکر لے کر بڑھا۔ مرہٹوں نے مقابلہ کیا مگر صرف چند گھنٹے اور پھر سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اب تو مرہٹہ لشکر کی یہ کیفیت ہو گئی کہ وہ شام کے وقت گھوڑوں اور گاڑیوں پر اپنا سامان لاد لیتے اور رات بھر اس انتظار میں رہتے کہ کب اُن پر حملہ ہو اور وہ بھاگیں۔ آئندہ دو ہفتوں تک وہ اسی طرح اپنا سامان لئے پیچھے ہی پیچھے پسپا ہوتے رہے۔

○

مرہٹوں پر سلطانی لشکر کا رُعب بیٹھ گیا۔ وہ اپنی جان تو چھڑانا چاہتے تھے لیکن عزت کے ساتھ تاکہ اُنہیں شکست کا طعنہ نہ ملے۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ مرہٹوں کا سپہ سالار تکوجی ہلکر تھا۔ اُس نے اپنے دو آدمی سلطان کے حضور بھیجے۔ سلطان نے اُنہیں باریابی دی۔

قاصدوں نے عرض کیا۔

''اے سلطان! ہمارے سپہ سالار تکوجی ہلکر نے ہمیں آپ کے حضور بھیجا ہے۔''

سلطان نے انتظار کیا کہ قاصد کچھ آگے کہیں گے مگر وہ خاموش رہے۔ سلطان نے ذرا دیر بعد دریافت کیا۔ ''تمہیں تکوجی ہلکر نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہمیں یقین آ گیا کہ تمہیں اُسی نے بھیجا ہے۔ مگر کیوں؟''

Marfat.com

''اے سلطان! ہمیں سپہ سالار نے آپ کے حضور اس لئے بھیجا ہے کہ آپ اپنے چند آدمی ہمارے سپہ سالار کے پاس بھیجیں۔'' اتنا کہہ کر وہ لوگ پھر چپ ہو گئے۔

سلطان سمجھ گیا کہ یہ لوگ یا تو انتہائی بے وقوف ہیں یا پھر حد درجہ چالاک۔ جو ایک بات کو توڑ توڑ کے اور سوال کرنے پر بتا رہے ہیں۔ چنانچہ سلطان نے سخت لہجے میں کہا۔

''تکو جی ہلکر کے قاصدو! کان کھول کے سنو۔ قاصد یا ہرکارہ اپنے مالک یا بھیجنے والے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں مگر تمہاری اس بیہودہ گوئی پر ہم تمہیں ذلیل کر کے نکلوا سکتے ہیں۔ اپنے آنے کا مقصد واضح اور مختصر الفاظ میں بیان کرو ورنہ واپس چلے جاؤ۔''

سلطان کی ڈانٹ پڑی تو قاصدوں کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔ اُن میں سے ایک بولا۔

''اے میسور کے سلطان! میں تو ایک ہی جملے میں آنے کا مقصد بیان کر دیتا لیکن میرا یہ ساتھی میرے ساتھ ہی بولنے لگتا ہے، اس لئے میں بات بھول جاتا ہوں۔ اب میں نے اسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ اب صرف میں بولوں گا اور یہ خاموش رہے گا۔

تو اے سلطان! ہمارے سپہ سالار نے آپ کو پیغام بھیجا ہے کہ آپ اپنے اعتماد کے چند سردار بھیجئے تاکہ وہ ہمارے سردار سے صلح کی شرائط طے کریں۔''

سلطان کی تاکید کے باوجود قاصد نے اتنی مختصر بات کو اس قدر طول دیا۔ سلطان نے فوراً جواب دیا۔

''اپنے سپہ سالار تکو جی ہلکر سے ہماری طرف سے کہنا کہ ہمیں ان کا پیغام مل گیا۔ ہمارے سردار گفتگو کے لئے آج ہی اُن کے پاس پہنچ جائیں گے۔''

قاصدوں کے جانے کے بعد سلطان نے بدر الزماں خاں اور علی رضا خاں کو حکم دیا کہ وہ چند افسروں کو ساتھ لے کر تکو جی ہلکر کے پاس جائیں اور ایک باعزت صلح کے معاہدے کے لئے گفتگو کریں۔

حسب الحکم دونوں سردار کچھ افسروں کو لے کر تکو جی ہلکر کے پاس پہنچے۔ اس وقت مرہٹہ لشکر سلطانی لشکر سے تقریباً دس میل دُور پسپا ہو کر پہنچ چکا تھا۔

مرہٹہ سپہ سالار نے سلطان کے سرداروں کو خوش آمدید کہا اور گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو میں بہت سے مد و جزر آئے۔ آخر میں فریقین کچھ باتوں پر متفق ہو گئے۔

مرہٹہ سپہ سالار نے مندرجہ ذیل مضمون کا خط لکھ کر برہان الدین کو دیا کہ وہ اس کا تحریری جواب سلطان سے لکھوا کر بھجوائیں۔

Marfat.com

مرہٹہ سردار کے خط کا مضمون یہ تھا:

"ہم نے جو کچھ غلطیاں کی ہیں وہ ہماری جانب سے ہوئی ہیں۔ ہمارا آقا آپ کا فرزند ہے اس لئے سلطان کو چاہیے کہ ہمارے آقا کی منہائی کے لیے کچھ رقم اور ایک دو گاؤں دے دیں۔ یہ کچھ بڑا مطالبہ نہیں ہے اور اس قدر قلیل ہے کہ ایک فرزند اپنے باپ سے کر سکتا ہے۔

چونکہ یہ جنگ نظام کی فتنہ انگیزی کے باعث ہوئی ہے اس لئے ہم نہایت عجز کے ساتھ معافی کے طلب گار ہیں۔"

سلطان نے ہلکر کا خط پڑھ کر اُسی وقت جواب بھجوا دیا۔ سلطان کا جواب صرف چند الفاظ پر مشتمل تھا۔

"ہم صرف بارہ لاکھ روپیہ دے سکتے ہیں۔"

مرہٹہ سردار تو کسی بھی طرح گلو خلاصی کرانا چاہتے تھے اس لئے اُنہوں نے یہ رقم لینا منظور کر لیا۔ اس کے بعد صلح نامہ مرتب ہوا جس میں تین شرطیں تھیں:۔

1- دریائے نربدا کے اُس پار کے حکمران نظام علی خاں، پنڈت مادھو، راؤ پردھان اور سرکار خداداد (سلطان ٹیپو) اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ یہ تینوں اپنے اپنے علاقوں پر ہی حکمرانی کریں گے اور بالکل امن اور اتحاد سے رہیں گے۔

2- اگر کوئی چوتھی طاقت ان میں سے کسی ایک پر حملہ کرے تو تینوں متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ خواہ ان میں کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں وہ انہیں دور کریں گے۔

3- شاہنور کی حکمرانی عبدالحکیم کے پاس ہی رہے گی اور ادھونی کا قلعہ مہابت جنگ کو دے دیا جائے گا۔ نرگندہ، نولکنڈہ اور جالی کے قلعے بطور انعام پیشوائے پونا کو دیئے جائیں گے۔

معاہدہ کے بعد سلطان نے رائے ورگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو (جو باغی ہو گئے تھے) تادیب اور تنبیہ کی اور اُنہیں گرفتار کر کے سرنگا پٹم بھجوا دیا۔ پھر فتح و نصرت کے نقارے بجواتا دارالسلطنت پہنچا۔

سلطان نے جشن عام کا حکم دیا اور سرداروں کی دعوت کی۔ سرداروں اور عہدیداروں میں تمغے تقسیم کئے۔ مساکین کو ایک ماہ تک مسلسل کھانا کھلوایا گیا اور ہر ایک کو ایک ایک لباس عطا ہوا۔

O

سلطان نے مرہٹوں سے 7 اپریل 1787ء کو جو معاہدہ کیا تھا اس سے یہ اُمید بندھی تھی کہ

Marfat.com

سلطنت خداداد کو کچھ دنوں کے لئے انگریزوں، نظام دکن اور مرہٹوں کی شورشوں سے نجات مل جائے گی۔ مگر یہ اُمید پوری نہ ہوئی اور سلطان کے لئے یہ معاہدہ ایک امنِ فضول کی کوشش ثابت ہوا۔ اور تاریخ میں اسے ''امنِ فضول'' ہی کا نام دیا گیا۔

شاہنور کے معرکے میں امیر قمر الدین، سلطان کے ہمرکاب نہ تھا۔ اس کا قصہ یوں ہوا تھا کہ اس معرکہ سے پہلے جب سلطان قلعہ ادھونی پر حملہ آور ہوا تو انہی دنوں مفتی ارکاٹ سراج الدین محمد خاں کا انتقال ہوا مگر یہ افواہ اُڑی کہ ''سلطان ٹیپو'' کا انتقال ہو گیا۔ یہ افواہ اس قدر تیزی اور ایسے وثوق سے پھیلی کہ سب کو اس کا یقین ہو گیا۔

امیر قمر الدین اُن دنوں کسی اور جگہ تھا۔ اُس نے یہ خبر سنی تو اپنے ساتھ کے فوجی دستوں کو لے کر فوراً سرنگا پٹم کی طرف روانہ ہوا تاکہ میسور کے تخت و تاج پر قبضہ کر لے۔

سلطان کو قمر الدین کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو اُس نے یہ بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔ قمر الدین نے بہت اودھم مچایا مگر بالآخر گرفتار کر لیا گیا اور سلطان نے اُسے دو سال تک نظر بند رکھا۔

○

سلطان سرنگا پٹم واپس آیا تو اُسے بتایا گیا کہ دیوان میر صادق نے دارالسلطنت میں اودھم مچا رکھا ہے۔ عوام اس سے سخت نالاں ہیں اور اُس نے سرکاری خزانے میں سے لاکھوں کی رقم خورد برد کر لی ہے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان کے پاس میر صادق کے خلاف ایسی شکایات پہنچیں جن کے ساتھ مکمل شہادتیں اور تحریری ثبوت موجود تھے۔ پس سلطان نے ان الزامات کی سختی سے تحقیقات شروع کیں۔ ثبوت اور شہادتیں اس قدر کھلی ہوئی تھیں کہ میر صادق کوئی بھی بہانہ نہ تراش سکا۔

سلطان جو میر صادق کو اب تک اپنا وفادار اور ایک قابل اعتماد ساتھی سمجھتا تھا، اُس کے دل میں میر صادق کی طرف سے ایسا میل آیا کہ اُس نے میر صادق کو فوراً دیوان (وزیر اعظم) کے عہدے سے معزول کر دیا اور اُس کی جگہ مہدی علی خان مہکری نائطہ کو دیوان بنا دیا۔

روایت ہے کہ جب نمک حرام میر صادق علی کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے دس لاکھ روپے سلطانی اور ایک لاکھ روپے محمد شاہی برآمد ہوئے۔ اُسی سال سلطان نے مسجد اعلیٰ کو مکمل کرنے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیر تین سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ یہ وہی مسجد تھی جس کی تعمیر کا وعدہ سلطان نے بچپن میں اُس فقیر سے کیا تھا جس نے ٹیپو کو سلطان ہونے کی نوید دی تھی اور وعدہ لیا

Marfat.com

تھا کہ وہ سلطانی پر فائز ہونے کے بعد اسی جگہ ایک مسجد تعمیر کرے گا۔

اس مسجد اعلیٰ کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس جگہ یہ مسجد بن رہی تھی وہاں پر پہلے ایک چھوٹا سا ہندوؤں کا مندر تھا۔ جب سلطان کو تعمیر مسجد کا خیال آیا تو اُس نے وہاں ایک تعمیر شدہ مندر دیکھا۔

سلطان اگر ذرا بھی متعصب ہوتا تو فوراً مندر توڑ کر مسجد کی تعمیر کا حکم دے سکتا تھا۔ مگر سلطان بڑا رواداد حکمران تھا۔ اُس نے زبردستی جگہ حاصل کرنے کی بجائے شہر کے تمام منادر کے پنڈتوں کو دربار میں بلوایا اور اُنہیں خود مخاطب کیا۔

''اے ہندو دھرم کے پروہتو اور پیشواؤ! فلاں مقام پر تمہارا ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ عبادت گاہ خواہ کسی بھی مذہب کی ہو، اسلامی نقطہ نظر سے وہ قابل احترام ہے۔ چنانچہ ہم اپنے دین کے اس حکم کے پابند ہیں۔

اب تم لوگوں سے سلطان کی یہ درخواست ہے کہ اس حقیر نے اپنے بچپن میں ایک درویش سے وعدہ کیا تھا کہ جب میں سلطان بن جاؤں گا تو اس جگہ ایک مسجد تعمیر کروں گا۔ میں نے درویش سے یہ وعدہ اسی جگہ کھڑے ہو کر کیا تھا جہاں اس وقت تمہارا مندر ہے۔ ان حالات میں اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے لئے موجودہ مندر سے کہیں بڑا اور شاندار مندر تعمیر کرا کے دے سکتا ہوں۔ وہ جگہ تمہاری پسند اور تعمیر تمہارے بتائے ہوئے نمونہ کے مطابق ہو گی۔ اس کے صلہ میں تم ہمیں اس مندر کی جگہ اپنی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دو۔''

پھر سلطان نے چند لمحے رُک کر کہا۔

''میں تم پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی منصوبہ ہے اور مسجد کے لئے جگہ مانگنا میری درخواست ہے۔ یہ سلطانی حکم ہرگز نہیں ہے۔''

سلطان کے اس رویہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کس قدر رواداری کا سلوک کرتا تھا۔

ہندوؤں نے سلطان کی درخواست خوشی خوشی منظور کر لی اور سلطان نے مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے ہندوؤں کے مندر کی تعمیر شروع کرا دی۔ چنانچہ سلطان ٹیپو کی تعمیر کردہ مسجد اعلیٰ اور مندر کے بدلے میں تعمیر کیا گیا مندر سرنگا پٹم میں آج بھی موجود ہے۔

سلطان کے رواداری بھرے اس سلوک سے خود سلطان کو جس قدر نقصان پہنچا اس کا بیان پہلے بھی ہو چکا ہے اور ابھی مزید آگے بھی آئے گا۔

اگر سلطان میسور کے راج محل کی رانیوں اور وہاں کے مندروں کے پنڈتوں کو پہلے ہی دن

Marfat.com

تخت سزا دے دیتا تو پھر کسی اور کو سلطنت خداداد کے خلاف بغاوت کرنے کا موقع نہ ملتا اور نہ اُنہیں جرأت ہوتی۔ سلطان کے نرم رویہ ہی کے باعث راج محل کی رانیاں مسلسل فتنہ وفساد اور سازشوں کی مرتکب ہوتی رہیں۔

اس سال سلطان نے ''جامع الاموز'' کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی۔

صوبوں کے انتظامات از سرِ نو ترتیب دیئے گئے۔

نئے سکے ڈھالے گئے۔

فرانس اور قسطنطنیہ کو سفارتیں روانہ ہوئیں۔

اس سال سلطان نے ''تختِ ہما' تیار کرایا۔ یہ تخت شیر کی پشت پر رکھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اس بات کا ذکر بارہا کیا جاچکا ہے کہ سلطان کو شیروں سے بہت دلچسپی تھی۔

ایک بار آغازِ جوانی میں، جب سلطان شہزادہ تھا تو نظام دکن کے خاندان میں اُس کی شادی کی گفتگو شروع ہوئی۔ نظام دکن نے شہزادہ ٹیپو کا ایک فوٹو ملاحظے کے لئے منگوایا۔ اس سلسلے میں نظام دکن نے اپنا ایک مصور سرنگا پٹم بھیجا تھا کہ وہ وہاں رہ کر شہزادہ ٹیپو کی تصویر تیار کرے۔

چنانچہ منصور کو شہزادے کے پاس تصویر بنانے کے لئے بھیجا گیا۔ شہزادہ مصور کو اُن کٹہروں کے پاس لے گیا جن میں اُس کے پالتو شیر بند تھے۔ حیدر آبادی مصور شیروں کے کٹہرے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے شہزادے سے دریافت کیا۔

''شہزادہ بہادر! آپ کی تصویر کا ان شیروں سے کیا تعلق؟''

جواب میں شہزادے نے کہا۔ ''انسانی خوبصورتی کا سب سے اہم راز اس کی طاقت میں پوشیدہ ہے۔ میں ان شیروں سے لڑوں گا اور تم میری تصویر بناؤ گے تاکہ دیکھنے والے کو معلوم ہو سکے کہ مجھ میں کس قدر طاقت ہے۔ کیونکہ طاقت ہی جوانی کا حسن ہے۔''

سلطان کے اس جواب سے اُس کی شیروں سے کمال دلچسپی کا پتہ لگتا ہے۔ مشہور ہے کہ اُس نے اپنے محل کے کمروں، دروازوں اور دیواروں پر شیر جیسا رنگ کرایا تھا۔ اُسے یہ رنگ اس قدر پسند تھا کہ اُس نے اپنی فوج کے ایک حصے کی وردیاں بھی اسی رنگ کی بنوائی تھیں۔

سلطان نے سرنگا پٹم میں بیٹھ کر نظم ونسق کی جونئی داغ بیل ڈالی تھی اور اس سے جو سکون پیدا ہوا تھا وہ کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ عہد نامہ منگلور انگریزوں کے سینے پر سانپ بن کر لوٹ رہا تھا۔ اگر انگریز عورتیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں تو انگریز جنرل اپنی سابقہ شکستوں پر منہ چھپائے پھرتے تھے۔

پھر اس ندامت کو مٹانے اور شکستوں کا بدلہ لینے کے لئے 1786ء میں لارڈ کارنوالس کو

Marfat.com

گورنر جنرل بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔

یہ بڑا مکار اور فتنہ پرداز انسان تھا۔ اُسے امریکہ میں شکست اُٹھانا پڑی تھی اور امریکی مقبوضات انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ لارڈ کارنوالس کو اپنی شرمندگی دُور کرنے کے لئے ہندوستان کا محاذ دیا گیا۔ اُسے ہندوستان میں ہر حربہ استعمال کرنے کا حق بھی دے دیا گیا۔ یعنی جہاں جنگ طاقت سے نہ جیتی جا سکتی ہو وہاں مکاری، احسان فراموشی اور دھوکہ بازی سے کام لیا جا سکتا ہے اور کارنوالس نے یہ تمام حربے ہندوستان اور خصوصاً جنوبی ہند یعنی سلطان کے خلاف استعمال کئے۔

ادھر سلطان نظم ونسق کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ ارشد بیگ حاکم مالا بار کا قاصد پہنچا کہ نائروں نے ایک بار پھر بغاوت کا علم بلند کر دیا ہے اور ارشد بیگ اس بغاوت کو بغیر سلطانی لشکر کے فرو نہیں کر سکتا۔

سلطان نے اطلاع پاتے ہی کوچ کا حکم دیا اور فوج اور توپ خانہ لے کر مالا بار پہنچ گیا۔ سلطان کے پہنچتے ہی نائروں کے دماغ ٹھکانے ہو گئے اور اُن کی بغاوت ختم ہو گئی۔

سلطان کو وہیں اطلاع ملی کہ کوچین کے راجہ نے ترچنا پلی کے اطراف میں لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ چنانچہ اُس نے اُدھر کا رُخ کیا۔

سلطان نے ساحلی ندیوں کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں کوچین کی فوج پہلے سے مورچہ بند تھی۔ رات کو سلطان نے دشمن پر شب خون مارنے کا حکم دیا۔

سرداروں نے عرض کیا۔

''ندیاں گہری ہیں اور راستہ خراب ہے۔ اس لئے کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں۔''

سلطان نے اُن کا عذر قبول نہ کیا اور خود پالکی میں سوار ہو کر اُس نے ایک مختصر لشکر کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی لشکر بھی دشمن پر ٹوٹ پڑا اور اُسے پسپا کر کے اُن کے مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن وہاں سے بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔

صبح کو دشمن نے دریا کے بند کھول دیئے جس سے دریا چڑھ گیا اور سلطان کی واپسی کا راستہ بند ہو گیا۔

دشمن نے یہ دیکھ کر کہ سلطان کے پاس چار پانچ سو آدمیوں کے سوا اور کوئی لشکر نہیں، اُنہوں نے سلطان کو گھیرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر سلطان کے جانبازوں نے واقعی جانبازی دکھائی اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔

سلطان کے جوان کٹ کٹ کر گر رہے تھے مگر دشمن کو سلطان کے قریب نہ آنے دے رہے

Marfat.com

تھے۔ سلطان خود بھی پالکی سے اُتر کر اپنے جانثاروں کے شانہ بشانہ جنگ کر رہا تھا۔ قمرالدین کی بہادری دیکھنے کے قابل تھی۔ اُس نے کسی نہ کسی طرح سلطان کو دریا پار کرا دیا۔ لیکن اس کوشش میں سوائے قمرالدین کے اور کوئی زندہ نہ بچا اور سب نے اپنی جانیں سلطان پر نثار کر دیں۔ سلطان کی کٹار، دستار اور پالکی دشمن کے ہاتھ لگی۔

اب سلطان کے غیض و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُس نے دشمن پر عام حملہ کا حکم دے دیا۔ سلطانی لشکر بھی اپنے چار سو ساتھیوں کا بدلہ لینے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے جنگل سے لکڑیاں کاٹیں، اُن سے ندیوں پر پُل کھڑے کئے اور دوسری طرف میدان میں پہنچا جہاں دشمن لشکر موجود تھا۔

سلطانی لشکر نے دشمن پر اس قدر بھرپور حملہ کیا کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا اور تھوڑی دیر میں پسپا ہو کر ملیوار کی طرف ہٹ گیا۔ سلطان قلعہ کے اندر داخل ہوا اور وہاں کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔

○

اب یہاں سے سلطنت خداداد میسور کا وہ باب شروع ہوتا ہے جس میں انگریزوں نے سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہدہ منگلور کے باوجود اُسے زبردستی اپنے ساتھ جنگ میں کھینچ لیا۔

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حکومت برطانیہ نے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان بھیجا ہی اس وجہ سے تھا کہ وہ سلطنت میسور سے معاہدہ منگلور کی ذلت کا بدلہ لے اور سلطان کی طاقت کو اس قدر کمزور کر دے کہ وہ جنوبی ہند میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے قابل نہ رہ جائے۔ چنانچہ انگریزوں نے سلطان کے کوچین پر حملہ کو بہانہ بنا کر سلطنت خداداد میسور کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

اس جنگ کے حالات بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس وقت جنوبی ہند میں جو طاقتیں متحرک تھیں ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تاکہ قارئین سلطنت میسور اور انگریزوں کے درمیان ہونے والی تیسری اور آخری جنگ کے پس منظر کو پوری طرح سمجھ سکیں۔

سلطان کو اس جنگ کا ذمہ دار ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس لئے کہ سلطان اپنے مقبوضات میں بغاوت اور سازشوں کو فرو کرنے کے لئے نکلا تھا اور کوچین پر اُس کا حملہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

کوچین پر قبضہ کے بعد سلطان ملیوار کی طرف بڑھا کیونکہ دشمن کوچین میں شکست کھا کر ملیوار کی طرف پسپا ہو گیا تھا۔

Marfat.com

کوچین کی دو چوکیاں 1- کرنگ نور اور 2- اجے کوٹہ ایسی تھیں جنہیں راجہ ٹراونکور نے ولندیزیوں سے بعوض تین لاکھ روپے میں خرید لیا تھا۔ یہ سودا دونوں طرف سے ناجائز تھا اس لئے کہ یہ چوکیاں کوچین کے علاقے میں اور سلطان ٹیپو کے ماتحت تھیں۔ ان چوکیوں کو نہ ولندیزی فروخت کر سکتے تھے اور نہ راجہ ٹراونکور اُنہیں جانتے بوجھتے ہوئے خریدنے کا مجاز اور حقدار تھا۔

مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ ''زبردست کا جوتا سر پر''...... تو یہی حال راجہ ٹراونکور نے کیا تھا۔ اُس کے اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں مدراس کے گورنر سر آرچی بالڈ نے راجہ کو یقین دلایا تھا کہ انگریز ایک دوست کی حیثیت سے ٹراونکور کی مصیبت میں اس کی مدد کریں گے۔

لارڈ کارنوالس کو انگریزوں اور راجہ ٹراونکور کے مابین معاہدہ کا تو علم تھا لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ راجہ نے ناجائز طور پر سلطان کی دو چوکیاں ولندیزیوں سے خریدی ہیں۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ سلطان ٹیپو کا ٹراونکور پر حملہ کا کوئی ارادہ نہیں اور یہ کہ سلطان کی یہ مہمیں اس کے داخلی معاملات سے تعلق رکھتی ہیں۔

لارڈ کارنوالس نے اپنے انہی خیالات کا اظہار اپنے ایک خط مورخہ 5 دسمبر 1789ء میں کیا جو اُس نے ہنری ڈنڈاس کو لکھا تھا۔ اس خط کا مضمون اس طرح تھا:۔

> ''ٹیپو کوئمبتور سے بالا گھاٹ کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ پچھلے سال کی طرح اپنی عام مہمات پر ہے۔ البتہ راجہ ٹراونکور اور ہمارے ریذیڈنٹ کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ ٹیپو ٹراونکور کے علاقہ میں بڑھ رہا ہے لیکن انہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ ٹیپو ہمارے ساتھ کئے گئے معاہدے کو توڑنے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس سے زیادہ احمق اور کوئی نہ ہوگا۔
>
> اس صورت حال کا ذمہ دار راجہ ٹراونکور کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اُس نے ہر میجسٹی کی اجازت کے بغیر مذکورہ چوکیوں کے معاملات طے کئے ہیں۔''

ان تمام باتوں کے باوجود کارنوالس کو یقین تھا کہ جلد یا بدیر سلطان اور انگریزوں کا سامنا ہونا ہے اس لئے اُس نے سلطان کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کئے رکھا اور خود سیاسی اور فوجی تیاریوں میں مصروف رہا۔

○

Marfat.com

سلطان جب کوچین کے قریب یعنی ٹراونکور کی سرحد پر پہنچا تو اُس نے راجہ دھرم راؤ کے پاس اپنا ایک وکیل روانہ کیا تاکہ وہ اجے کوٹہ اور کرنگنور کی چوکیوں کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

سلطان کا وکیل راجہ دھرم راؤ کے دربار میں پہنچا اور اُس نے بڑے ادب سے سلطان کا مطالبہ پیش کیا۔

''اے ٹراونکور کے راجہ! ہمارے سلطان چاہتے ہیں کہ آپ اجے کوٹہ اور کرنگنور سے اپنی فوجیں نکال لیں۔''

سلطان کے وکیل نے اتنا کہہ کر راجہ کا منہ دیکھا۔ شاید وہ اس مطالبہ کا جواب چاہتا تھا۔ راجہ اس کا مطلب سمجھ گیا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔

''چپ کیوں ہو گئے اے سلطان کے قاصد! تمہارا یہی مطالبہ ہے یا کچھ اور بھی کہنا ہے؟''

وکیل نے جواب میں عرض کیا۔ ''اے ٹراونکور کے راجہ! ہمارے سلطان کے کچھ اور بھی مطالبات ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک ایک مسئلہ پر گفتگو ہوتی چلے تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

''نہیں سلطانی وکیل! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' راجہ بڑے کرخت لہجے میں بولا۔ ''ہمیں دربار کے اور بھی کام نپٹانا ہیں۔ تم اپنی تمام باتیں ختم کر لو تاکہ ہم ایک ہی بار تمام باتوں کا جواب دے دیں۔''

''ٹھیک ہے راجہ بہادر!'' وکیل نے کہا اور بات آگے بڑھائی۔ ''ہمارے سلطان نے آپ سے مطالبہ کیا ہے کہ اجے کوٹہ اور کرنگنور سے فوجیں نکال لی جائیں۔ آپ کوچین کی سرحد سے دُور ہٹ جائیں۔ اور...... سلطنت خداداد میسور کے غداروں کو اپنی ریاست سے نکال دیں۔''

راجہ دھرم راؤ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ غصہ سے پھٹ پڑے گا اور ایسا ہی ہوا۔ سلطانی وکیل کے خاموش ہوتے ہی راجہ واقعی پھٹ پڑا۔

''جاؤ اور اپنے سلطان سے کہہ دو کہ ہم نے کرنگنور اور اجے کوٹہ کی چوکیاں ولندیزیوں سے تین لاکھ روپے میں خریدی ہیں۔ اگر چوکیاں واپس لینی ہیں تو ہمیں پہلے تین لاکھ کی ادائیگی کی جائے۔ سلطان کے دوسرے مطالبے کا جواب یہ ہے کہ کرنگنور اور اجے کوٹہ کی چوکیوں کے ہم مالک ہیں اور یہ چوکیاں کوچین کے علاقے میں واقع ہیں اس لئے ہم کوچین سے دُور نہیں جا سکتے۔ اور تیسرے مطالبے کا جواب یہ ہے کہ کوچین والے ہماری پناہ میں ہیں اور ہم جنہیں پناہ دیتے ہیں اُنہیں دشمن کے حوالے نہیں کیا کرتے۔''

ٹراونکور کے راجہ کا یہ تند و تلخ جواب جب سلطانی وکیل نے سلطان کے سامنے دہرایا تو سلطان نے اسی وقت ٹراونکور پر حملے کا حکم دے دیا۔ اس طرح سلطانی فوجیں ٹراونکور میں داخل

Marfat.com

ہوئیں اور اس کے تیسرے دن انگریز لشکر سلطنت خداداد کی سرحد پر پہنچ گیا۔

سلطان کو انگریزوں کے اس غیر متوقع اقدام کی خبر ملی تو اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور جنرل میڈوز کو ایک مختصر خط لکھا جس میں تحریر تھا:۔

''ہم حیران ہیں کہ معاہدہ منگلور کے باوجود انگریز قوم ہم سے لڑنے پر کیوں آمادہ ہے؟ اگر دونوں حکومتوں میں کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہو گئی ہے تو باہمی مفاہمت سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔''

جنرل میڈوز نے سلطان کو ان الفاظ میں جواب دیا:۔

''ٹراونکوز کی حکومت مدراس کی حلیف ہے اور اس کی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔''

جنرل میڈوز کے اس جواب سے سلطان کو یقین ہو گیا کہ انگریز اس سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ اُس نے فوراً پائیں گھاٹ کا رُخ کیا تاکہ انگریز فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبتور اور ستی منگل کے نواح میں سلطانی لشکر کا جنرل میڈوز کی افواج سے مقابلہ ہوا۔

اس ٹکراؤ میں سلطانی لشکر فتح یاب ہوا اور بہت سے مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں۔ ان عورتوں میں بیشتر وہ فاحشہ عورتیں تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں لیکن انگریزوں کے پہلو گرم کرنے پر مامور تھیں۔

سلطان نے ایسی تمام نام نہاد مسلمان عورتوں کو قتل کرا دیا۔

بنگال سے ایک فوج کرنل میکسوئل کی کمان میں جنوبی ہند پہنچی تھی اور اُس نے آتے ہی ترپاپور اور وانمباڑی پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان کو اس کی اطلاع ملی تو اُس نے سپہ سالار برہان الدین کو ایک فوج کے ساتھ مدافعت کے لئے وانمباڑی بھیجا۔ اُن کے ساتھ سپہ سالار سید غفار بھی تھا۔

برہان الدین نے کندلی پہنچ کر انگریزی فوج پر حملہ کیا اور ڈیڑھ سو سواروں اور دو سو پیادوں کو گرفتار کر لیا۔

جنرل میڈوز جو شکست کھا کر ستی منگل کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا تھا اُسے برہان الدین کے حملے کی خبر ملی تو وہ لشکر لے کر میکسوئل کی مدد کو چلا۔ یہ دونوں فوجیں تپور گھاٹ پر آ کر مل گئیں۔ اب انگریزوں کے دونوں لشکروں نے متحد ہو کر برہان الدین پر حملہ کیا۔ برہان الدین اُن کا مقابلہ نہ کر سکا اور کافی نقصان اُٹھا کر پسپا ہو گیا۔

اس کی اطلاع سلطان کو ملی تو وہ توپ خانہ اور فید رسالے لے کر فوراً برہان الدین کی مدد کو پہنچا اور وہاں پہنچ کر ایسا سخت حملہ کیا کہ انگریزوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ ترچنا پلی کی طرف

Marfat.com

پسپا ہوئے۔

سلطان نے اُنہیں بھاگنے نہ دیا اور آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔ پھر ان لشکروں کو چاروں طرف سے گھیر کر اس قدر بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ انگریز اس کا لوہا مان گئے۔ انہیں بس شکست ہونے ہی کو تھی کہ رات ہوگئی اور جنگ موقوف کرنا پڑی۔

انگریزوں نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھایا اور اپنا مال واسباب وہیں چھوڑ کر راتوں رات فرار ہوگئے۔ سلطان کو صبح اطلاع ہوئی تو اُس نے اُن کا تعاقب شروع کیا اور جلد ہی اُن کے سر پر پہنچ گیا۔ وہاں پھر جنگ شروع ہوگئی۔

اس جنگ میں اچانک برہان الدین کے سینے میں ایک گولی لگی اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ اُن کی لاش کو پالکی میں رکھ کر سلطان کے پاس روانہ کر دیا گیا۔

سلطنت خداداد کے یہ سب سے زیادہ وفادار اور عظیم جنرل کی موت تھی جس نے بساطِ سیاست کو تقریباً اُلٹ کے رکھ دیا۔

برہان الدین کی لاش دیکھ کر سلطان کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ اُس نے حکم دیا کہ انگریزوں کا تعاقب روک دیا جائے۔

ایک وفادار نے عرض کیا۔ ''عالی جاہ! عظیم جرنیل برہان الدین کی وفات کا جس قدر غم کیا جائے وہ کم ہے۔ لیکن میری درخواست ہے کہ انگریزوں کے تعاقب کو نہ روکا جائے۔ دشمن کی بھاگنے والی فوج قیامت کے عذاب میں مبتلا ہے۔ اگر اس کا اسی طرح تعاقب جاری رکھا گیا تو ایک بھی انگریز لشکری جان بچا کر مدراس نہ پہنچ سکے گا۔''

سلطان شاید برہان الدین کے شہید ہونے سے کچھ زیادہ ہی غمزدہ تھا۔ اُس نے اس مشورہ کو رد تو نہیں کیا لیکن اس میں تاخیر ضرور ہوگئی۔

سلطان نے فرمایا۔ ''ہم پسپا ہونے والوں کا تعاقب ضرور جاری رکھیں گے۔ لیکن پہلے ہمیں اس عظیم ہستی کے غم کو بھول جانے کی کوشش کرنا پڑے گی۔''

سلطان نے چونکہ تعاقب کا کوئی واضح حکم نہیں دیا تھا اس لئے تعاقب رُک گیا۔ اس طرح بدحواس جنرل میڈوز کو اپنے حواس درست کرنے اور اپنی جان بچا کر بھاگنے کی ایک بالکل غیر متوقع فرصت مل گئی اور وہ اس فرصت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی بچی کھچی فوج کو لے کر مدراس واپس پہنچ گیا۔

اس دوران سلطانی افواج نے چنجی، ستی منگل اور کوہ پرموکل کو فتح کر لیا اور قیدیوں کو سرنگا پٹم بھجوا دیا۔

Marfat.com

بورنگ نے اس جنگ کے بارے میں لکھا ہے:۔

''سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ضلع بارہ محل اور درّہ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس جنرل میڈوز نے کرنل میکسوئل کو کرشنا گری بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا لیکن ابھی کرنل میکسوئل کرشنا گری نہیں پہنچا تھا کہ سلطان نے بڑی سرعت سے آگے بڑھ کر میکسوئل سے جنگ شروع کر دی۔

اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریز فوج آ رہی ہے۔ ٹیپو جو ماہر فن اور بہترین جنرل تھا، سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے درمیان پھنسنے والا ہے اس لئے وہ اپنی فوج لے کر پیچھے ہٹا اور درہ تیار سے نکل کر کمک کو آنے والی فوج پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نقصان اُٹھا کر واپس ہوئی۔

یہاں سے سلطان دریائے کلرون کو عبور کر کے ترنا ملے اور پرماکوئل کی طرف بڑھا۔ اور یہ مقامات اُس کے قبضہ میں آ گئے۔ یہاں سے وہ پانڈی چری پہنچا اور فرانسیسی جنرل سے درخواست کی کہ اُسے چھ ہزار فرانسیسی سپاہی مدد کے طور پر دیئے جائیں۔ جنرل نے یہ درخواست فرانس اپنے بادشاہ کے پاس حکم کے لئے روانہ کر دی۔ لیکن شاہ فرانس لوی شانز دہم انقلاب فرانس کے ڈر سے اُس وقت اس درخواست پر کوئی توجہ نہ دے سکا۔''

شاہ فرانس کی خاموشی پر ایک فرانسیسی مؤرخ بصد حسرت لکھتا ہے:۔

''فرانس والوں نے اس زریں موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اُس وقت جب سلطان کل جنوبی ہند کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور انگریز اُس کے رحم و کرم پر تھے، اگر فرانس سلطان کی مدد کرتا تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی۔''

یہ خبریں جب گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کو کلکتہ پہنچیں تو وہ ان واقعات کو بنائے جنگ قرار دے کر تیاری میں مصروف ہو گیا۔

سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے کیا تھا۔ انگریزوں نے بلاوجہ باغیوں کی حمایت کی اور جب اُنہیں اور باغیوں کو شکست ہوئی تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ کی بنیاد ڈال دی اور ایسے منصوبے بنانے لگ گیا کہ جن سے سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑا جائے۔

OOO

Marfat.com

●

جنوبی ہند میں سلطنت خداداد کے قیام سے مسلمانانِ برصغیر کو یہ اُمید پیدا ہو گئی تھی کہ شمالی ہند میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو جنوبی ہند میں ایک مضبوط سلطنت عطا کی ہے جو مغلیہ سلطنت کا بدل ثابت ہو گی۔

لیکن......

یہ سلطنت خداداد اور مسلمانانِ ہند کی بدقسمتی تھی کہ اس سلطنت کی روزِ اوّل ہی سے مخالفت شروع ہو گئی تھی اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ اس مخالفت میں مسلمان حکمران اور ریاستیں پیش پیش تھیں۔

آیئے اس کا آغاز سے اب تک کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ والا جاہ محمد علی، انگریزوں کی مدد سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ حیدر آباد کا بھی حکمران بن جائے اس کے لئے ایک طرف اُس نے انگریزوں کو اپنے ساتھ ملایا اور دوسری طرف حیدر آباد کے چند غداروں اور مفاد پرستوں کو اپنا ہمنوا بنا کر سازش شروع کر دی۔

اسی زمانے میں جنوبی ہند میں حیدر علی خاں ایک دم ایک عظیم طاقت بن کے اُبھرنے لگا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ والا جاہ محمد علی نے اپنی نظریں حیدر آباد سے ہٹا کر حیدر علی خاں پر لگا دیں۔

والا جاہ محمد علی اس وقت چونکا تھا جب حیدر آباد کے نواب بسالت جنگ نے حیدر علی کو صوبہ سرا کا صوبیدار مقرر کیا۔

نواب بسالت جنگ سے پہلے صوبہ سرا دراصل ارکاٹ میں شامل تھا بلکہ ختم کر دیا گیا تھا۔ والا جاہ ارکاٹ کا حکمران ہونے کی وجہ سے صوبہ سرا پر بھی اپنا حق سمجھتا تھا اس لئے وہ صوبیدار سرا نواب بہادر حیدر علی کا شدید مخالف ہو گیا۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد جب نظام الملک حیدر آباد دکن کا حکمران ہوا تو وہ بھی حیدر علی کا مخالف ہو گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ حیدر علی کو نظام الملک کے بھائی بسالت

جنگ نے صوبیدار بنایا تھا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ نواب بہادر کی طاقت اس قدر تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ اُسے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ سرا کی سلطنت خداداد کہیں پورے ہندوستان کی مالک نہ ہو جائے اور اس کے یعنی نظام الملک کے شہنشاہِ ہند بننے کے خواب چکنا چور نہ ہو جائیں۔

جنوبی ہند میں تیسری طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی جو ارکاٹ اور حیدر آباد میں اپنا اقتدار بڑھا رہی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے والا جاہ سے کورومنڈ کے علاقے حاصل کر لئے تھے اور ارکاٹ کے باقی علاقوں کی وہ ایجنٹ بن گئی تھی۔ گویا ارکاٹ پر والا جاہ محمد علی کے پردے میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی قابض ہو چکی تھی۔

کمپنی حیدر علی خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اس لئے خائف تھی کہ انؒ کی موجودگی میں ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جمنا مشکل تھے۔

جنوبی ہند میں چوتھی طاقت مرہٹوں کی تھی۔ اُنہیں جنوبی ہند میں ایک نئی اسلامی سلطنت کا قیام سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

پانچویں طاقت میسور کا قدیم ہندو خاندان تھا جو بظاہر کوئی مضبوط طاقت نہ تھی لیکن وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینا اور حیدر علی کے اقتدار سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ یہ خاندان دراصل میسور کی رانیوں کے ذریعے سازشیں کرتا رہتا تھا۔

سلطان کے والد نواب بہادر حیدر علی خاں جب میسور کے سپہ سالار تھے تو کھانڈے راؤ اور راجہ نے مل کر اُنہیں قتل کرنے کی سازش کی مگر حیدر علی خاں نے اُنہیں میدانِ جنگ میں شکست دے کر سرنگا پٹم پر قبضہ کر لیا اور راجہ میسور کو عملی حکومت سے معزول کر کے اُس کی پنشن تین لاکھ سالانہ مقرر کر دی۔

یہ وہی کھانڈے راؤ ہے جسے نواب بہادر نے لوہے کے ایک بڑے پنجے میں قید کر دیا تھا اور اسے ''حیدر علی کا طوطا'' کا نام دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حیدر علی نے راجہ کو معزول کر کے تمام اختیارات خود سنبھال لئے تھے اور سرنگا پٹم ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔

پتہ نہیں حیدر علی کی اس میں کیا مصلحت ہو گی مگر سرنگا پٹم ہندو راجاؤں کی زمانہ قدیم سے راجدھانی چلی آ رہی تھی۔ یہاں کی رعایا اور مذہبی پیشواؤں پر راجہ کا اثر تھا۔ ظاہر ہے راجہ اور وہاں کی رعیت کو یہ دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہو گی کہ حیدر علی جو کل تک اسی ریاست کا سپہ سالار

Marfat.com

تھا، اب وہ حکمران بن کر رعایا اور راجہ دونوں پر حکومت کر رہا ہے۔ آگے چل کر راجہ اور رعیت کا حیدر علی کے خلاف بڑا سخت ردِعمل ہوا۔

پس...... حیدر علی کے خلاف پہلی سازش 1761ء میں ہوئی جب راج محل کی رانیوں نے اپنے نمائندے رائے درگ سری نواس راؤ کے ذریعے مدراس کے گورنر کے پاس درخواست بھیجی کہ وہ حیدر علی خاں سے ریاست میسور کو آزاد کرانے میں رانیوں کی مدد کرے۔

اس وقت مدراس کا گورنر لارڈ پیگاٹ تھا۔ اُس نے درخواست کے جواب میں رانیوں کو اپنی تائید کا یقین دلایا۔

حیدر علی خاں کے خلاف دوسری سازش 1765ء میں ہوئی جب رانیوں کو انگریزوں کی طرف سے زبانی جمع خرچ کے سوا عملی طور پر کوئی مدد حاصل نہ ہوئی تو اُنہوں نے اپنے نمائندہ کو پونا روانہ کیا۔

پونا اس وقت مرہٹوں کا صدر مقام تھا اور مرہٹوں کا پیشوا وہیں رہتا تھا۔ اس درخواست میں بھی رانیوں نے مرہٹوں کے پیشوا سے سرنگا پٹم کو حیدر علی خاں سے آزاد کرانے کے لئے مدد مانگی تھی۔

مرہٹے خود بھی جنوب میں اُبھرتی ہوئی اس طاقت سے خائف تھے۔ اب جو اُن سے رانیوں نے مدد مانگی تو وہ فوراً تیار ہو گئے اور مادھو راؤ پیشوا نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ حیدر علی کو ختم کرنے کے لئے میسور کے علاقوں پر حملہ کر دیا۔

لیکن...... اُسے ایک کے بعد ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اپنی مشکلات پر قابو نہ پا سکا اور اُسے خود حیدر علی سے صلح کر کے واپس ہونا پڑا۔

سلطنت خداداد کے خلاف تیسری سازش 1767ء میں ہوئی۔ یہ سازش اکیلے نہیں ہوئی بلکہ اس میں جنوبی ہند کی تین طاقتوں

1- والا جاہ محمد علی نواب ارکاٹ

2- نظام الملک حیدر آباد اور

3- ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملی بھگت

بنیاد بنی تھی۔

والا جاہ ارکاٹ کا حکمران تھا اور انگریز اُس کے ایجنٹ تھے۔ ارکاٹ پر نظام دکن کی سیادت تھی اور والا جاہ خود مختار ہونے کے لئے حیدر آباد دکن میں سازشیں کر رہا تھا۔ حیدر آباد کا وزیر رکن الدولہ اور میر عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے

Marfat.com

حیدرآباد سے ایک معاہدہ کیا۔

اس کی تین شرطیں تھیں۔

1- والا جاہ محمد علی کو ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کر لیا گیا اور اُسے نذرانے اور پیشکش سے بھی معافی مل گئی۔

2- نظام الملک دریائے کرشنا کے جنوب میں پورے علاقوں سے دست بردار ہو گیا۔

3- انگریزوں کو والا جاہ کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کر لیا گیا۔

اس معاہدے میں نہ صرف والا جاہ محمد علی اور ارکاٹ کا مسئلہ طے ہوا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس معاہدے میں صوبہ سرا کا معاملہ بھی شامل کر دیا۔ چنانچہ معاہدہ کی شق نمبر 10 کے تحت صوبہ سرا کی دیوانی ساٹھ لاکھ روپے دینے کے عوض صوبہ کمپنی کو بخش دیا گیا۔

مگر...... صوبہ سرا کا حکمران تو حیدر علی خاں تھا اس لئے معاہدے کی شق نمبر 9 سے یہ ظاہر کیا گیا کہ حیدر علی نے صوبہ سرا پر زبردستی قبضہ کیا ہے اور وہ غاصب ہے۔

ان تینوں طاقتوں بلکہ سازشیوں نے اپنے طور پر سازش مکمل کرنے کے بعد متحدہ طور پر حیدر علی پر حملہ کر دیا جس میں نظام، والا جاہ اور انگریز تینوں ہی کی فوجیں شامل تھیں۔ اس جنگ کو ''میسور کی پہلی جنگ'' کا نام دیا گیا۔

حیدرآباد کی ایک مطبوعہ تاریخ اسے اس طرح بیان کرتی ہے:۔

> ''حیدر علی خاں کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے دوسری طرف نظام سرکار اور تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک کے در پردہ کرناٹک پر انگریز حکمرانی کر رہے تھے۔ انگریزوں کو حیدر علی خاں سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ خود حیدر علی خاں بھی اس بدیسی طاقت کو ہند سے نکالنا چاہتے تھے لیکن نواب کرناٹک کی سادہ لوحی نے انگریزوں کے قدم ہند میں جما دیئے تھے اور نواب کرناٹک ہی کے توسط سے انگریزوں نے نظام علی خاں کے پاس اچھا رسوخ حاصل کر لیا تھا۔''

اتحادیوں کے لئے اس جنگ کا نتیجہ بہت مایوس کن نکلا۔ انگریزوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے نتیجہ میں ''صلح نامہ مدراس'' لکھا گیا جو انگریزوں کی ذلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سلطنت خداداد کے خلاف تیسری سازش میں مرہٹوں، نظام، والا جاہ اور انگریزوں کے ساتھ راج محل کی رانیوں کا نام کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ممکن ہے کہ وہ نواب حیدر علی سے اُس

Marfat.com

وقت بہت زیادہ خوش ہوں۔

لیکن......

میسور کی پہلی جنگ اور معاہدہ مدراس کے بعد رانیوں میں ایک بار پھر حرکت پیدا ہوئی اور اُنہوں نے ریاست کی بازیابی کے لئے مرہٹوں کا منہ دیکھنا شروع کیا۔

چنانچہ 1770ء میں رانیوں نے اپنے دیوان ترمل راؤ کو پونا روانہ کیا۔ ترمل راؤ نے پونا پہنچ کر مرہٹوں کے پیشوا مادھوراؤ کے سامنے رانیوں کی درخواست پیش کی۔ اس وقت مرہٹے بھی کچھ انہی خطوط پر سوچ رہے تھے۔

ان کے پیش نظر پہلے ہی سے دو امور تھے۔

1- میسور پر قبضہ کرنا۔

2- حیدر علی سے انتقام لینا۔

میسور کی رانیوں اور مرہٹوں کے مفادات تقریباً مشترک تھے اس لئے مادھوراؤ پیشوا نے ترمل راؤ کو یقین دلا کر واپس بھیج دیا اور مرہٹوں نے 1774ء میں میسور پر چڑھائی کر دی۔

مرہٹوں کی کمان خود مادھوراؤ پیشوا کر رہا تھا مگر اُسے حیدر علی کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور وہ واپس چلا گیا۔

اس طرح دکن میں ہندو راج قائم کرنے کا خواب ایک بار پھر خواب ہی بن کر رہ گیا اور شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

حیدر علی خاں کو جاسوسوں نے بتایا کہ اس سازش کا سرغنہ راج محل کی رانیوں کا پردھان یعنی دیوان ترمل راؤ ہے جو مرہٹہ پیشوا کو میسور پر حملہ کی ترغیب دینے خود پونا گیا تھا۔ حیدر علی نے اُسے گرفتار کر لیا مگر رانیوں کی خوشامد درامد اور اپنے جذبہ ترحم سے مجبور ہو کر اُسے معاف کر دیا اور اپنی طرف سے اُسے کڑپہ میں نواب عبدالحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔

احسان فراموش ترمل راؤ کڑپہ پہنچ کر خاموش نہیں بیٹھا بلکہ اُس نے وہاں ایک اور سازش یعنی سلطنت خداداد کے خلاف پانچویں سازش کی ابتدا کی۔ اس سازش میں اُس کا بھائی نارائن راؤ بھی شریک ہو گیا جو اس وقت اتفاق سے کڑپہ ہی میں موجود تھا۔

ان دونوں کو معلوم ہوا کہ مدراس کا گورنر اب لارڈ پیگاٹ ہو گیا ہے۔ یہ وہی گورنر تھا جس نے چار سال پہلے رانیوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔

پس......

دونوں بھائیوں نے کڑپہ سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا۔ اُنہیں یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ لارڈ

Marfat.com

پیگاٹ نے ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخیل ہونا شروع کر دیا ہے اور اب حالات زیادہ سازگار ہیں۔

ان حالات اور خیالات کے تحت دونوں بھائی پہلے تنجاور پہنچے۔ اس وقت تنجاور میں انگریز ریذیڈنٹ جان سلیوان تھا۔

ترمل راؤ اور نارائن راؤ نے جب اپنا منصوبہ جان سلیوان کے ساتھ ساتھ راجہ تنجاور کے سامنے رکھا تو وہ دونوں اُن کے ہمراز ہو گئے۔ ان دونوں بھائیوں نے اُنہیں یہ بھی بتا دیا کہ لارڈ پیگاٹ نے کچھ عرصہ پہلے رانیوں کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔

راجہ تنجاور کا تعاون حاصل کرنے کے بعد دونوں بھائی مدراس پہنچے اور پیگاٹ کو اس کا سابقہ وعدہ یاد دلایا۔ لارڈ پیگاٹ نے از سرِ نو رانیوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا مگر اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اس منصوبہ کا آغاز کس طرح کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ سبؒ کے سب سازشی اُس وقت کے میسور کے اندرونی حالات سے بالکل ناواقف تھے اور کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میسور کے حالات سے واقفیت حاصل کی جائے۔

لارڈ پیگاٹ کو گورنر ہونے کی حیثیت سے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ چنانچہ اُس نے ایک پادری کو اپنا قاصد بنا کر سرنگا پٹم روانہ کیا۔ اس پادری کا نام شوارٹز تھا۔ اُسے ایک دوستانہ خط دے کر نواب حیدر علی کے پاس بھیجا گیا تھا اور اس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ پادری شوارٹز کو مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔

حیدر علی خاں کو دوستانہ خط بھیجنے کا تو ایک بہانہ تھا دراصل پادری کو ایک جاسوس کے فرائض سونپے گئے تھے اور اُسے راج محل کی رانیوں سے ملاقات کا حکم دیا گیا تھا۔ اس مقصد میں یہ پادری بہت کامیاب رہا۔

نواب بہادر حیدر علی خاں نے پادری شوارٹز کی پذیرائی کی اور اُسے مذہبی تبلیغ کی اجازت دے دی۔

پادری نے تبلیغ کی اجازت سے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور میسور کی رانیوں تک جا پہنچا۔ وہاں اُس نے ترمل راؤ، نارائن راؤ اور انگریز ریذیڈنٹ سلیوان اور گورنر مدراس کے درمیان ہونے والی تمام گفت و شنید سے رانیوں کو آگاہ کیا اور خود میسور کے اندرونی حالات سے آگاہ ہو کر تنجاور پہنچا۔

تنجاور میں بیٹھ کر پادری نے گورنر مدراس کی اجازت سے میسور کی رانی لکشما اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ترتیب دیا جس کا خاکہ حسب ذیل ہے:۔

Marfat.com

میسور میں ہندو راج قائم کرنے کا معاہدہ

مورخہ 28 اکتوبر 1786ء

شرائط

رانی لکشما کی جانب سے	ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے
ایسٹ انڈین کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک واپس ہم کو لے کر دے تو:	
1۔ جس وقت انگریز فوج حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کرے گی تو انگریزوں کو تین لاکھ کنتا یارا پگوڈا (سونے کا سکہ تین روپے کے برابر) دیئے جائیں گے۔	———
2۔ جس وقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالا گھاٹ پر بڑھے گی اور ادومیلی بادیسی برم کے مقامات پر قبضہ کر لے گی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے۔	———
3۔ جس وقت انگریز فوج میسور پر قبضہ کر کے اس ملک کو ہمارے قبضے میں دے گی تو پھر ایک لاکھ پگوڈا اور دیئے جائیں گے۔	———
4۔ جس وقت سرنگاپٹم کو تسخیر کر لیا جائے گا اس وقت مزید پانچ لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے۔	ایسٹ انڈین کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے۔
5۔ سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد جس وقت سے رانی لکشما کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا اس تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پانچ لاکھ پگوڈا بطور خراج دیئے جائیں گے۔	کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے لیکن رقم کے متعلق اس وقت تعین نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم نہیں ملک کی حفاظت کے لئے کس قدر فوج ضروری ہو۔

Marfat.com

اس کے علاوہ سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دی جائے گی اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کے لئے یہاں رکھنا ضروری ہوگا۔

6- کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم و نسق میں کوئی دخل نہ ہوگا۔

کمپنی ملک کے اندرونی نظم و نسق میں دخل نہیں دے گی لیکن وہ خراج جو میسور کی طرف سے مرہٹوں یا سلطنت مغلیہ کے صوبیداروں کو دیا جاتا ہے وہ کمپنی کے ذریعے ادا کیا جائے گا۔ براہِ راست ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا۔

7- حیدر علی کی تمام املاک، مال و زر، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جس قدر سامان ہو، وہ میسور کے حوالے کر دینا ہوگا۔

یورپی قاعدۂ جنگ کے مطابق تمام مالِ غنیمت سپاہیوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر اس مالِ غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کر دی جائے تو کمپنی اپنے افسروں کو ہدایت کرے گی کہ رقم لے کر مالِ غنیمت چھوڑ دیں۔

8- حیدر علی اور وہ تمام افسر جو میدانِ جنگ میں اسیر ہوں، میسور کے راجہ کے حوالے کر دیئے جائیں۔

کمپنی حیدر علی کے خلاف بطور حریف جنگ کر رہی ہے اس لئے یہ شرط منظور نہیں کی جا سکتی۔ البتہ میسور کی راجدھانی کے فوائد مدنظر رکھے جائیں گے۔

دستخط:

1- سی ٹی شوارٹز

2- ترمل رائے (برائے رانائے میسور)

دستخط:

جان سلیوان

ریذیڈنٹ تنجاور (برائے ایسٹ انڈیا کمپنی)

اس معاہدہ کے سلسلے میں تاریخ کے اوراق میں تین خطوط بھی موجود ہیں۔

ایک خط ترمل راؤ اور اُس کے بھائی نارائن راؤ کا دستخط شدہ ہے جس میں ان دونوں بھائیوں نے راجہ تنجاور اور ریذیڈنٹ سلیوان کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے میسور کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا۔

Marfat.com

دوسرے اور تیسرے خط پر لارڈ میگارنٹی کے دستخط ہیں۔
ان میں پہلے خط کے ذریعے لارڈ میگارنٹی نے رانی لکشما کو انگریزوں کے تعاون کا یقین دلایا ہے اور دوسرے خط میں اس معاہدے کی تصدیق کی ہے:
جس زمانے میں یہ معاہدہ ترتیب پا رہا تھا اُس وقت حیدر علی اور انگریزوں کے درمیان میسور کی دوسری جنگ جاری تھی۔
یہ سازش حیدر علی کے خلاف کی گئی لیکن اتفاقاً اس زمانہ میں نواب حیدر علی خاں وفات پا گئے اس لئے یہ سازش سلطان ٹیپو کے خلاف استعمال ہوئی۔
جس وقت حیدر علی خاں کا انتقال ہوا تو سلطان ٹیپو انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا۔
حیدر علی خاں کا انتقال بھی دارالسلطنت سرنگا پٹم سے باہر ہوا تھا۔
یہ بھی عجب اتفاق تھا کہ حیدر علی کے انتقال کی خبر پہلے سرنگا پٹم پہنچی، پھر شہزادہ ٹیپو کو اس کی اطلاع ہوئی۔ امرائے سلطنت نے احتیاط کے طور پر شہزادہ کریم کو سرنگا پٹم میں تخت نشین کر دیا تھا تاکہ دشمنوں کو سازش کرنے کا موقع نہ ملے۔
مگر..... سازشی تو ایسے ہی مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ دارالسلطنت سرنگا پٹم میں سازشوں کا ایک مرکز تو راج محل تھا جہاں کی رانیاں مرہٹوں اور انگریزوں سے ساز باز کرتی رہتی تھیں تاکہ انہیں مسلمانوں سے ریاست واپس مل جائے۔ لیکن رانیوں کے علاوہ بھی سرنگا پٹم میں کٹر ہندوؤں کا ایک ایسا گروہ تھا جو یہ چاہتا تھا کہ میسور میں خالص ہندو حکومت قائم ہو۔
اس گروہ کا سرغنہ انچے شامیا تھا۔ اُس کا پورا نام شامیا انیگار تھا اور اُسے حیدر علی خاں مرحوم نے ڈاک کا افسر اعلیٰ بنایا تھا۔ اُس کے چھوٹے بھائی کا نام رنگا انیگار تھا جسے رنگیا کے نام سے پکارتے تھے۔
اس گروہ کا تیسرا آدمی نرسنگ راؤ تھا۔ یہ شخص بلدیہ کا صدر تھا اور اس کے ساتھ ہی خزانہ کا افسر بھی تھا۔ اُس کے چھوٹے بھائی کا نام سنکیا تھا اور یہ شخص کوئمبتور میں جج کے عہدہ پر فائز تھا۔
ان سرغنوں کے علاوہ اس سازش میں اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے سرکاری عہدیدار شریک تھے۔
ان سب نے باہم طے کیا کہ سرنگا پٹم پر قبضہ کر کے ہندو راج قائم کیا جائے۔ اس سازش کو کامیاب کرنے کے لئے اُنہوں نے دو تجاویز پر غور کیا اور ان پر عمل کے مندرجہ ذیل طریقے طے کئے:۔
1- موقع ملنے پر سلطان ٹیپو کو میدانِ جنگ میں قتل کر دیا جائے یا پھر انگریزوں سے مدد

Marfat.com

حاصل کر کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے۔

2- ایک مقررہ دن سرنگا پٹم میں علم بغاوت بلند کر کے قلعہ پر قبضہ اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے۔

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کے لئے ترل راؤ اور شوارٹز کے معاہدے نے راستہ صاف کر دیا تھا مگر سرنگا پٹم والوں کو یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ شہزادہ ٹیپو نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کر لیا تھا جو کرنل ہمبرٹن کے ماتحت تھی۔

اس خبر سے لاعلمی کے باعث سازشیوں نے سازش کے دوسرے حصے پر عمل شروع کیا جس کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز تھیں:۔

1- تنخواہ کے دن جب مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہریداروں کے ذریعے گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔

یہ اس لئے ممکن سمجھا گیا کہ تنخواہ لیتے وقت فوجی سپاہی عام طور پر نہتے ہوتے تھے۔

2- رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کر کے فوراً خزانہ کے لئے گولہ بارود اور تمام ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا جائے۔

3- ان تجاویز پر عمل کے لئے فوج کے ہندو سپاہیوں اور پہریداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

4- ضلع کوئمبتور (پائیں گھاٹ) کے جج کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ انگریز فوج کی نقل و حرکت میں مدد دے۔

5- شامیا کے بھائی رنگیا کو یہ کام سونپا گیا کہ قلعہ میں قید انگریز قیدیوں کو آزاد کر کے ان کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

رنگیا نے اس مقصد کے لئے دس دن پہلے جنرل میتھوز اور دوسرے قیدیوں سے ملاقات کی تھی۔

6- ان تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے 24 جولائی 1784ء کا دن مقرر کیا گیا تھا۔

O

دانشوروں کا کہنا ہے کہ دو عادتیں انسان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتیں۔

1- نیند کی عادت اور 2- عشق و محبت کی عادت۔

اس کے لئے ایک مثل مشہور ہے کہ انسان کو تلوار کی نوک اور پھانسی کے تختے پر بھی نیند آ جاتی ہے۔

اسی طرح یہ مثل بھی مشہور ہے کہ عشق و محبت کی کرشمہ سازیاں میدانِ جنگ میں بھی اپنا

Marfat.com

رنگ دکھا کے رہتی ہیں۔

میسور کے ہندو راجاؤں کے پاس سواری کے لئے کئی ہاتھی تھے۔ ان ہاتھیوں کو سنبھالنے کے لئے ایک مسلمان خاندان مامور تھا۔ مسلمانوں کا یہ خاندان صدیوں سے راجہ کے ہاتھیوں کی دیکھ بھال کا کام کر رہا تھا۔ اس فیل بان خاندان کی رہائش راج محل کے قریب ہی تھی۔

پھر جب راجاؤں سے ریاست نکل کر حیدرعلی خاں کے پاس چلی گئی تو بھی رمضان خاں فیل بان راج محل ہی میں مقیم رہا۔ دراصل اُسے راج محل میں ایک فرد کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔

رانی لکشما نے ریاست ہاتھ سے نکل جانے کے بعد رمضان خاں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ حیدرعلی کے پاس جا سکتا ہے۔ مگر رمضان خاں نے اس خاندان کا نمک کھایا تھا۔ اُس نے راج محل سے جانے سے انکار کر دیا۔

رانی لکشما اُس کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئی اور رمضان خاں معہ اپنی اکلوتی بیٹی کے جو رمضانی کے نام سے مشہور تھی، راج محل میں بے خوف و خطر رہنے لگا۔

رمضان خاں کے خاندان کے دوسرے لوگ راج محل سے چلے گئے تھے اور اُنہوں نے حیدرعلی خاں کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

رمضان بہت بوڑھا ہو گیا تھا اور اب اُس سے کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ رانی لکشما نے اُسے کام کرنے سے روک دیا تھا اور اُسے گھر بیٹھے گزارہ کے لئے تنخواہ مل رہی تھی۔

رمضان کی بیٹی رمضانی تیرہویں چودھویں سال میں قدم رکھ رہی تھی۔ کھانے پہننے کو بھی اچھا ملتا تھا اس لئے خوب رنگ رُوپ نکالا تھا۔ وہ دن بھر راج محل میں گھسی رہتی تھی اور لکشما کی خدمت کی بجا آوری کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔

رانی لکشما کا محل سازشوں کا مرکز تھا۔ وہاں ہندو سازشیوں کے مشورے ہوتے اور منصوبے تیار کئے جاتے تھے۔

جب رمضانی چھوٹی تھی تو اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا لیکن جوں جوں شعور پیدا ہوا وہ ان باتوں کو سمجھنے لگی تھی۔

رمضانی جب کوئی بات سن کے آتی تو باپ سے کہتی۔

"بابا! یہ لوگ نواب بہادر کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نواب بہادر نے ریاست پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہیں مار کر یہ ریاست کو آزاد کرائیں گے۔"

اور رمضان اُسے زور سے ڈانٹتا۔ "چپ ہو جا رمضانی! ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔"

"میں کب باتیں کرتی ہوں بابا؟" رمضانی جواب دیتی۔ "یہ باتیں تو وہ لوگ کرتے ہیں

Marfat.com

جو رانی لکشما کے پاس آتے ہیں۔“

پھر رمضان اُسے محبت سے سمجھاتا۔ ”دیکھ رمضانی! تو رانی لکشما کی خدمت پر لگی ہے۔ کوئی باتیں کیا کرے تو، تو اپنے کان بند کر لیا کر۔ کچھ سننے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ نواب بہادر کو ماریں یا نواب بہادر انہیں ماریں ہمیں کسی بات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ سن لیا تو نے؟“

مگر رمضانی ضد پکڑ جاتی۔

”مگر بابا! کلو تو کہتا ہے کہ نواب بہادر فرشتہ ہیں فرشتہ۔ اُنہوں نے تو کبھی رانی لکشما کو مارنے کی بات نہیں کی۔“

کلو اُس کے چچا کا بیٹا تھا۔ اُس کا چچا خاندان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ قلعہ میں چلے جانے کے بعد قلعہ دار کی نوکری میں تھا۔

رمضانی ہفتہ میں ایک دن چچا کے گھر ضرور جاتی تھی۔ کلو سے اُس کی پکی دوستی تھی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ دونوں میں محبت تھی۔

پتہ نہیں کلو کا نام کلو کیوں رکھا گیا تھا؟ اُس کا رنگ گورا تھا اور آنکھیں بھوری بھوری۔ ہاتھ پیر بھی اچھے تھے۔

کلو کے باپ نے رمضان سے کہہ دیا تھا کہ اگلی عید پر وہ رمضانی کو اپنی بہو بنا کر لے جائے گا۔ مگر رمضان، بیٹی کو اپنی زندگی میں اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے صاف کہہ دیا تھا کہ۔

”رمضانی میری جان کے ساتھ ہے کلو کے باپ۔ جب تک میں زندہ ہوں اسے میرے ہی پاس رہنے دو۔ میرے بعد پھر یہ تمہارے ہی گھر رہے گی، اور کہاں جائے گی؟“

کلو کے باپ کا مطالبہ بھی درست تھا۔ اُس کا بیٹا ضد کر رہا تھا کہ رمضانی کو راج محل سے فوراً لے آیا جائے۔

کلو نے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بتائی تھی۔ لیکن رمضان جانتا تھا کہ راج محل میں رمضانی کا کنیز بن کے رہنا کچھ مناسب نہیں۔ وہاں کا ماحول ہندوانہ تھا۔ دن رات پوجا پاٹ کا چرچا رہتا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے پنڈت رانیوں کے پاس آتے رہتے تھے۔ ایسے ماحول میں رمضانی راستے سے بھٹک بھی سکتی تھی۔ ماں اُس کی پہلے ہی مر گئی تھی اور رمضان کو تو یوں بھی آنکھوں سے کم دکھتا تھا۔

کلو کے باپ کے مطالبے میں اس قدر شدت پیدا ہوئی کہ رمضان بیٹی کو اگلی عید پر گھر سے رخصت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

Marfat.com

رمضانی تو دل ہی سے یہ چاہتی تھی اور اب تو یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ رمضانی کی رخصتی کے ساتھ ہی رمضان بھی راج محل سے قلعہ میں آ جائے گا۔

کلو بھی قلعہ دار سید محمد خاں کی نوکری پر لگ گیا تھا اور اُس نے قلعہ دار سے اپنی رہائش کے لئے الگ کوارٹر مانگ لیا تھا۔

لیکن...... ارمانوں بھری رمضانی کی رخصتی عید سے پہلے ہی ہو گئی۔

اس کی وجہ شہزادہ ٹیپو (جواب سلطان بن چکا تھا) کے خلاف وہ سازش تھی جس کا سرغنہ محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ انچے شامیا تھا۔ یہ وہی سازش تھی جس کا ذکر سابقہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اس سازش پر 24 جولائی 1784ء کو عمل ہونا تھا۔

مقررہ تاریخ سے ایک دن پہلے یعنی 23 اور 24 جولائی 1784ء کی درمیانی رات کو تمام لوگ رانی لکشما کے محل میں جمع ہوئے۔

رانی لکشما نے اگرچہ اس سازش میں براہِ راست حصہ نہیں لیا تھا لیکن وہ اس میں شریک ضرور تھی اور تمام کارروائی اُسی کے محل میں ہو رہی تھی۔

اس تاریخ یعنی 23 جولائی 1784ء کو منصوبہ کے مطابق ہندو پہریداروں اور سپاہیوں میں ہتھیار تقسیم کر دیئے گئے تاکہ 24 جولائی کو مسلمان سپاہیوں میں تنخواہ تقسیم ہونے کے موقع پر انہیں قتل کر دیا جائے۔

رمضانی اگرچہ دن رات لکشما کی خدمت میں رہتی تھی مگر اُسے اس سازش کا پتہ بالکل نہ چل سکا۔ ہو سکتا ہے پچھلی سازشوں کی ناکامی کے بعد رانی لکشما زیادہ محتاط ہو گئی ہو اور سازشیوں کے اجلاس وغیرہ میں زیادہ رازداری سے کام لیا گیا ہو۔ اس لئے رمضانی کو کچھ نہ معلوم ہو سکا۔

رمضانی دراصل ایسی باتوں کی کرید نہ کرتی تھی بلکہ جو کچھ اُس کے کانوں تک پہنچ جاتا تھا اسے وہ باپ اور کلو تک پہنچا دیتی تھی۔

مگر...... 23 اور 24 جولائی 1784ء کو اتفاقیہ طور پر رمضانی پر اس سازش کا انکشاف ہو گیا۔ ہوا یوں کہ رمضانی معمول کے مطابق رانی لکشما کی خدمت میں موجود تھی کہ ایک لونڈی نے داخل ہو کر رانی کو اطلاع دی۔

''بڑی ڈیوڑھی کا چوکیدار کچھ عرض کرنے حاضر ہوا ہے۔''

رانی کو چوکیدار کا اس وقت آنا شاید ناگوار گزرا۔ اگرچہ ابھی رات کچھ زیادہ نہ ہوئی تھی اور رانی خاصی دیر سے سویا کرتی تھی مگر رانی نے بڑے سخت لہجے میں جواب دیا۔

Marfat.com

''کیوں آیا ہے؟ کیا کہنا چاہتا ہے اس وقت؟''

لونڈی گھبرا گئی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''مہارانی! اُس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ ابھی پوچھ کے آتی ہوں۔''

رانی لکشما نے منہ بنا کر اُس کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ قریب بیٹھی ہوئی رمضانی نے لونڈی کو اس طرح اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو کہ ''جا اور پوچھ کے آ۔''

لونڈی اُلٹے پیروں واپس ہو گئی اور چند ہی منٹ بعد لوٹ آئی۔ رانی لکشما کا مزاج پہلے ہی بگڑ چکا تھا۔ اُس نے اور زیادہ سختی سے پوچھا۔ ''کیا کہتا ہے چوکیدار؟ کیوں آیا ہے؟''

لونڈی کو ڈر کی وجہ سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اُس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''مہارانی! چوکیدار نے بتایا ہے کہ انچے شامیا اور دوسرے لوگ آئے ہیں اور آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''

اب رمضانی کی باری تھی۔ اُس نے رانی کے بولنے سے پہلے ہی جواب دیا اور جواب بھی بالکل رانیوں کے سے انداز میں دیا۔

''جا...... اور اُن سے کہہ دے کہ مہارانی اس وقت نہیں مل سکتیں۔ انچے شامیا صبح سے دو بار ملنے آ چکا ہے۔ اب کیا ایسا ضروری کام پڑ گیا ہے کہ پھر پریشان کرنے آ گیا ہے۔ آخر مہارانی آرام نہ کریں کیا؟''

لونڈی شاید واپس جانے لگی تھی کہ رانی نے اُسے روکا۔ ''ٹھہر جا! انچے شامیا کو بٹھا۔ میں آتی ہوں ابھی۔'' پھر پلٹ کر رمضانی سے کہا۔ ''تو گھر جانا چاہے تو چلی جا۔ اگر بیٹھنا ہو تو انتظار کر۔ میں ابھی آتی ہوں اُن سے دو باتیں کر کے۔''

''ابھی کہاں جاؤں گی مہارانی۔'' منہ چڑھی رمضانی نے تڑ سے جواب دیا۔ ''مجھے اتنی جلدی نیند کہاں آئے گی۔''

رمضانی کی بات ختم ہونے سے پہلے رانی اپنے کمرے سے نکل چکی تھی۔

رمضانی کا ماتھا ٹھنکا۔ انچے شامیا رمضانی کو پسند نہ تھا۔ وہ بے دھڑک راج محل میں آتا تھا۔ رمضانی یہی سمجھتی تھی کہ وہ رانی کا کوئی عزیز دار ہے جبھی روز آتا ہے۔ اور کبھی تو اُس کے دن میں کئی کئی چکر لگ جاتے ہیں۔

انچے شامیا کا رمضانی سے آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ اُسے چھیڑتا۔

''رمضانی! تو کتنی اچھی ہے۔ چلے گی میرے گھر؟''

رمضانی فوراً انکار کرتی۔ ''واہ جی۔ میں کیوں جانے لگی کسی کے گھر۔ مہارانی مجھے کب

Marfat.com

چھوڑتی ہیں۔ وہ مجھے کسی کے گھر نہیں جانے دیتیں۔''

''میں تجھے مہارانی سے مانگ لوں تب تو چلے گی؟''

رمضانی نے مہارانی سے شکایتاً کہا تھا۔

''مہارانی! یہ جو انچے شاما مہاراج ہیں، کہتے تھے کہ رمضانی! میں تجھے مہارانی سے مانگ لوں گا۔ آپ انکار کر دیجئے گا۔ میں اُن کے گھر نہیں جاؤں گی۔''

مہارانی نے ہنس کر کہا تھا۔

''وہ تجھے چھیڑتا ہے۔ مخول کرتا ہے۔ مگر ہے اچھا آدمی۔ بڑا امیر ہے۔ اُس کے پاس چلی جائے گی تو عیش کرے گی عمر بھر۔''

''واہ مہارانی...... میں کیوں جانے لگی؟'' رمضانی نے صاف انکار کر دیا تھا۔ ''مجھے آپ کے پاس کیا کمی ہے جو میں کسی اور کے گھر جاؤں؟''

''تو، تو کسی کے گھر نہیں جائے گی؟'' رانی نے پوچھا تھا۔

اور رمضانی نے بے دھڑک کہا تھا۔ ''نہیں...... بالکل نہیں۔ آپ کو چھوڑ کے کسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔''

''کلو کے گھر بھی نہیں جائے گی کیا؟''

اور رمضانی شرما گئی تھی۔ وہ انہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ لونڈی پھر آ گئی۔

''اب کیوں آئی۔ کیا کوئی اور آ گیا ہے ملنے مہارانی سے؟'' رمضانی کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا اس لئے وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

''ہاں رمضانی جی۔'' لونڈی نے جواب دیا۔ ''گرو پنڈت آئے ہیں۔''

رمضانی اور چڑ گئی۔ ''انہیں بھی اسی وقت آنا تھا۔ جا کے کہہ دے کہ مہارانی اس وقت مصروف ہیں۔ کسی سے نہیں مل سکتیں۔''

لونڈی چپ چاپ واپس ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اُس نے رمضانی سے بحث کی تو وہ مہارانی سے شکایت کر دے گی اور پھر اُس کی مصیبت آ جائے گی۔

لونڈی کے جانے کے بعد رمضانی کو ایک دم خیال آیا کہ مہارانی کو گئے ہوئے تو ایک گھنٹہ سے زیادہ ہو چکا ہے۔ ایسی کیا باتیں ہو رہی ہیں جو مہارانی نے اتنی دیر کر دی۔

اس تجسس نے رمضانی کے دل میں ایسی کھلبلی مچائی کہ وہ دریافت حال کے لئے اس کمرے کی طرف چلی جہاں مہارانی باہر والوں سے ملاقات کیا کرتی تھیں۔

اس سے پہلے اُس نے کبھی چھپ کے باتیں سننے کی کوشش نہ کی تھی۔ ہاں اُس کے کان میں

Marfat.com

چلتے پھرتے اگر کوئی بات پڑ جاتی تو وہ اپنے باپ اور کلو تک ضرور پہنچاتی تھی۔
رمضانی کمرے کے پاس پہنچی تو اُسے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ کمرے کے اندر شمعوں کی تیز روشنی ہو رہی تھی اور یہ روشنی پردوں سے چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ رمضانی کو کمرے کی کھڑکیوں تک پہنچنے کی ضرورت نہ پڑی۔ باہر کی راہداری میں اندر ہونے والی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔
رمضانی نے راہداری کے ایک ستون کے پاس رُک کر پہلے تو کمرے کے اندر نظر دوڑائی۔ کمرے کے اندر موجود لوگ اس کے لئے اجنبی نہ تھے۔ ان میں دو تو اُس کے خاص واقف کار تھے۔ ایک انچے شامیا۔ دوسرا رنگیا۔
یہ دونوں سگے بھائی تھے اور دونوں ہی رمضانی کو چھیڑتے رہتے تھے۔ رنگیا نے تو ایک دن آہستہ سے اُس سے کہہ بھی دیا تھا۔
''رمضانی! میرا دل تجھ پر آ گیا ہے۔ میں تجھے اپنی رانی بناؤں گا۔''
رمضانی کو ہنسی آ گئی۔ اُس نے جواب دیا تھا۔
''مہاراج! یہی بات تمہارے بھائی شامیا نے کہی تھی۔
''وہ تو صرف تجھے چھیڑتا ہے۔'' رنگیا نے اُسے بہلا دیا تھا۔
''تم بھی تو مجھے چھیڑتے ہو۔'' رمضانی نے ہنس کے کہا تھا۔
''نہیں رمضانی! مجھے تجھ سے محبت ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں تجھے اپنی رانی بنا کے رکھوں گا۔''
''اچھا تو جب تم راجہ ہو جاؤ تو مجھے رانی بنا لینا'' رمضانی نے رنگیا کا منہ بند کر دیا تھا۔
مگر...... اس وقت تو انچے شامیا اور رنگیا کمرے کے اندر شیر کی طرح دھاڑ رہے تھے۔ اُن کے چہرے لال تھے اور منہ سے کف اُڑ رہا تھا۔
رمضانی نے اُدھر کان لگا دیئے۔ اب جو اُس نے ان لوگوں کی باتیں سنیں تو اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
''ہائے...... کیا میرا کلو بھی مار ڈالا جائے گا؟''
اس کے ساتھ ہی رمضانی کے دل میں ایک ٹیس اُٹھی اور ہوک بن گئی۔ اُس کا سر چکرانے لگا اور ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ تیزی سے رانی کے کمرے کی طرف پلٹی۔ اس میں اب اور کوئی بات سننے کی طاقت نہ رہ گئی تھی۔ غداروں اور باغیوں کا پورا منصوبہ اُس کے دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح چوٹیں لگا رہا تھا۔

Marfat.com

کمرے میں پہنچ کر وہ فرش پر جیسے گر پڑی۔ اُس کا سر بھاری ہو گیا اور سارا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اُس نے سب باتیں سن لی تھیں اور آنے والے کل کے طوفان کی شدت وہ ابھی سے محسوس کرنے لگی تھی۔ مگر...... اس طوفان میں اُسے صرف اپنا کلو تھپیڑے کھاتا دکھائی دے رہا تھا۔

رمضانی کو آئے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ رانی لکشما کمرے میں داخل ہوئی۔

''اے رمضانی! تو اب تک گھر نہیں گئی؟'' رانی نے تعجب کا اظہار کیا۔

رمضانی، رانی کے ایک دم آ جانے سے گھبرا گئی تھی۔ مگر اُس نے فوراً خود کو سنبھالا اور ادب سے بولی۔ ''مہارانی! میں کیسے جاتی آپ کی اجازت کے بغیر؟''

اور لکشما نے اُسے اجازت دے دی۔

''اگر میں مصروف ہو جاؤں تو، تو بغیر اجازت چلی جایا کر۔ جا چلی جا۔ رات بہت ہو گئی۔''

رمضانی بھاگم بھاگ گھر پہنچی۔ باپ بڑبڑایا۔ ''اتنی رات کر دی۔ میرا بھی کچھ خیال کیا کر۔''

رمضانی نے ٹالا۔ ''رانی نے اب اجازت دی ہے تو آئی ہوں۔''

باپ نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔ رمضانی تو بے چین ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

''بابا! میں قلعہ جا رہی ہوں۔''

''کیوں؟'' بابا چونک پڑا۔

''تمہیں پتہ نہیں۔ کلو بہت بیمار ہے۔'' رمضانی نے صاف جھوٹ بولا۔

''کب سے بیمار ہے کلو؟ مجھے تو نے بتایا نہیں۔''

''بتایا تھا۔ تمہیں یاد کب رہتا ہے؟'' پھر ذرا ٹھہر کے بولی۔ ''چلی جاؤں پھر؟''

''مجھے بھی ساتھ لے چل۔''

''کل لے چلوں گی۔'' اور رمضانی کوٹھڑی کے دروازے پر پہنچ گئی۔

باپ نے نصیحت کی۔ ''دیکھ بھال کے جانا۔ رات میں آنے کی ضرورت نہیں۔ کیا پتہ کیا ہو جائے۔''

رمضانی کو پوری چھوٹ مل گئی۔

O

راجہ کے محلات کے گرد ایک اُونچی دیوار تھی جو فصیل کا بھی کام کرتی تھی۔ فصیل کے گیٹ پر پہرے دار نے رمضانی کو گھور کر دیکھا مگر اُسے روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رانی لکشما کی خاص کنیز کو کون روک سکتا تھا؟

راج محل سے قلعہ دار اور اُس کے مکان کا فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ ایک روشن لمبی سڑک ان

Marfat.com

دونوں حصوں کو ملاتی تھی۔

سڑک کے دونوں طرف بڑی بڑی شمعیں، شمع دانوں میں جل رہی تھیں اور رمضانی تیز تیز قدموں سے قلعہ دار کے مکان کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

اس وقت سرنگا پٹم کا حاکم قلعہ (قلعہ دار) سید محمد خاں تھا۔ وہ بڑا محنتی اور وفادار افسر تھا۔ صبح سورج نکلتے ہی دفتر پہنچ جاتا اور شام غروبِ آفتاب کے وقت گھر واپس جاتا۔ دفتر سے اُس کا گھر قریب ہی تھا مگر وہ دفتری اوقات میں گھر نہیں جاتا تھا۔

قدرت کے کام نرالے ہوتے ہیں۔ وہ جو کام بگاڑنا چاہے تو اس کے اسباب پیدا کرتی ہے اور اگر کسی کام کو سنوارنا منظور ہو تو اس کے اسباب بھی غیب سے پیدا کرتی ہے۔

قلعہ دار سید محمد خاں غروبِ آفتاب کے وقت گھر واپس آجایا کرتا تھا۔ اُس کا پہریدار کلو بھی اُسے گھر تک پہنچا کے گھر چلا جایا کرتا تھا۔

مگر اُس شام قلعہ دار کو ایک ضروری کام کی وجہ سے دفتر میں ہی رُکنا پڑا اور جب وہ دفتر سے اُٹھا تو رات بھیگ رہی تھی۔

قلعہ دار سید محمد خاں اور کلو آگے پیچھے دفتر سے قلعہ دار کے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ اُنہیں کسی کے بھاگنے کی آواز محسوس ہوئی۔

کلو نے فوراً بندوق سیدھی کر لی۔ قلعہ دار نے کہا۔

''کوئی ہمارے دفتر کی طرف بھاگتا ہوا جا رہا ہے۔ تم آگے بڑھ کر دیکھو۔ میں تمہارا یہیں پر انتظار کر رہا ہوں۔''

کلو حکم پا کر بندوق چھپائے ہوئے تیز قدموں سے آگے بڑھا۔

قلعہ دار سید محمد خاں کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ بظاہر تو قلعہ کی فضا پُرسکون تھی لیکن اُسے معلوم تھا کہ یہاں کسی وقت بھی کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا ہے۔ جب تک نواب بہادر حیات تھے، سازشی ڈرڈر کے کام کرتے تھے۔ مگر اُن کے بعد یہ شیر ہو گئے تھے۔ مخالفین کا خیال تھا کہ جواں عمر سلطان ٹیپو اتنی بڑی سلطنت کو سنبھال نہ سکے گا۔ اسی لئے جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی بغاوتیں اور سازشیں سر اُٹھانے لگی تھیں۔

قلعہ دار سید محمد خاں ایسے ہی خیالات میں اُلجھا کھڑا تھا کہ کلو واپس آیا۔ مگر وہ تنہا نہ تھا۔ کوئی عورت اُس کے ساتھ تھی۔

''یہ کون ہے کلو؟'' قلعہ دار نے دریافت کیا۔

''آقا! یہ...... یہ رمضانی ہے۔'' کلو نے رُک رُک کے بتایا۔

Marfat.com

''یہ اتنی رات گئے یہاں کیوں آئی ہے؟'' قلعہ دار کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

قلعہ دار کی ڈانٹ پر کلو ڈر گیا۔ ''آقا! یہ کہتی ہے کہ کل قلعہ میں قیامت آئے گی۔ سب مسلمان مار دیئے جائیں گے......اور......''

''کیا بکواس ہے یہ؟'' قلعہ دار کو غصہ آ گیا۔ ''ادھر آ رمضانی! کیا کہہ رہی ہے تو؟''

رمضانی کلو کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔ اُس کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ قلعہ دار کی آواز سن کر ڈرتے ڈرتے آگے آ گئی۔

''صاحب......'' رمضانی کی آواز گلے میں پھنسنے لگی۔

''گھبرا مت رمضانی!'' قلعہ دار نے اُسے تسلی دی۔ ''بتا کیا بات ہے؟ آج تک رات میں تو ادھر کبھی نہیں آئی۔ اب کیا مصیبت پڑی کہ بھاگی چلی آئی ہے؟''

''صاحب جی! میں جھوٹ نہیں بولتی۔'' رمضانی ذرا سنبھلی۔ ''جھوٹ ثابت ہو تو گردن اُڑا دیجئے گا۔''

''کیا جھوٹ ثابت ہو جائے؟ کچھ تو بتا!'' قلعہ دار نے نرمی سے پوچھا۔

رمضانی ذرا اور سنبھلی۔ ''صاحب جی......وہ انچے شامیا، اُس کا بھائی رنگیا......اور وہ سب راج محل میں رانی لکشما کے پاس کہہ رہے ہیں کہ کل سب مسلمانوں کو مار ڈالو......قلعہ......''

''چپ ہو جا......ٹھہر جا!'' قلعہ دار نے رمضانی کو روک دیا۔ پھر کلو کو حکم دیا۔ ''تو جا اور ایک سو بندوقچیوں کو ساتھ لے کر دم کے دم میں واپس آ جا۔ رتی بھر دیر نہ ہو۔ بھاگتا ہوا جا۔''

قلعہ دار سید محمد خاں نے کلو کو اُدھر بھیجا اور خود رمضانی کو لے کر اپنے گھر آیا۔ اُس کے گھر والے رمضانی کو پہچانتے تھے اس لئے اُسے دیکھ کر اُنہیں کچھ زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ مگر قلعہ دار کے حکم پر اُنہیں بہت حیرانی ہوئی۔

قلعہ دار کا حکم تھا۔

''پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ۔ شاید ہمیں یہاں سے نکلنا پڑے۔''

پھر قلعہ دار، رمضانی کو اپنے کمرے میں لے گیا اور اُس سے پوچھا۔

''ہاں رمضانی! اب بتا۔ راج محل میں کیا ہو رہا ہے؟''

''صاحب جی!'' رمضانی کا خوف دُور ہو چکا تھا۔ اُس نے اطمینان سے بتانا شروع کیا۔

''شامیا، رنگیا اور سب ہندوؤں نے طے کیا ہے کہ کل جب سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو ہندو سب مسلمان سپاہیوں کو قتل کر ڈالیں۔ صاحب جی! آپ کل کلو کو تنخواہ لینے نہ بھیجئے گا۔''

قلعہ دار کو رمضانی کی بات پر غصے کی بجائے اُس کی معصومیت پر رحم آ گیا۔ سچ ہے کہ گھٹنے

Marfat.com

پیٹ ہی کی طرف مڑتے ہیں۔ رمضانی کو صرف کلو کی فکر تھی اور یہی فکر اُسے راج محل سے یہاں کھینچ لائی تھی۔

قلعہ دار نے آہستہ سے کہا۔ ''گھبرا مت رمضانی! تیرا کلو نہیں مارا جائے گا۔ اب بتا اور کیا باتیں ہو رہی تھیں وہاں؟''

''صاحب جی! اب تو وہ سب لوگ چلے گئے ہیں۔ مہارانی بھی اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔ جبھی تو میں موقع پا کر کلو کو خبر دینے آ گئی۔'' رمضانی کی معصومیت بدستور برقرار تھی۔ اُس کی ہر بات کی تان کلو پر آ کر ٹوٹتی تھی۔

''کوئی اور بات بھی ہوئی تھی اُن میں؟'' قلعہ دار نے نرمی سے پوچھا۔

''ہاں صاحب جی!'' رمضانی نے بتایا۔ ''شامیا کہہ رہا تھا کہ فوج کے ہندو سپاہیوں کو انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔''

''ہوں......'' قلعہ دار نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ ''اور کچھ بھی سنا ہے تو نے؟ یاد کر کے بتا رمضانی! تیرے بتانے سے سینکڑوں مسلمانوں کی جانیں بچ جائیں گی۔''

''صاحب جی! میں کیوں نہیں بتاؤں گی۔ جیسے کلو کی جان ویسے دوسروں کی جان۔ میں سوچ سوچ کے بتاتی ہوں......'' رمضانی ایک لحہ ٹھہری، پھر بولی۔ ''وہ آپ کے قلعہ میں انگریز قیدی ہیں ناں اُن میں ایک بڑا افسر بھی ہے۔ یہ لوگ اُس افسر سے ملے ہیں اور طے کیا ہے کہ اُس کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیں گے۔'' اتنا کہہ کر رمضانی پھر خاموش ہو گئی۔

قلعہ دار سید محمد خاں بہت بے چین تھا۔ اُس نے پھر پوچھا۔ ''کچھ اور یاد کر رمضانی! شاید یاد آ جائے۔''

رمضانی سوچتے ہوئے بولی۔ ''صاحب جی! وہ باہر سے فوج بلانے کی بات بھی کر رہے تھے اور...... اور ہاں جی، وہ کمینے کہہ رہے تھے...... ہائے...... میری زبان کٹ جائے...... کہہ رہے تھے کہ سلطان کو وہیں قتل کرا دیں گے۔ اور ہاں کوئی نرسنگ راؤ ہے وہ انگریزی فوج لائے گا۔''

اتنے میں اطلاع ملی کہ کلو واپس آ گیا ہے۔ قلعہ دار سید محمد خاں باہر آ گیا۔ ایک سو بندوقچی باہر موجود تھے۔

قلعہ دار سید محمد خاں تیس پینتیس سال کا ایک تنومند سردار تھا۔ اُس نے اُسی وقت مندرجہ ذیل احکام جاری کئے۔

1- دس بندوق بردار نرسنگھ راؤ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔

2- دس بندوق بردار انچے شامیا اور رنگیا کو گرفتار کر کے لائیں۔

Marfat.com

3- پانچ بندوق بردار شتاب رائے کو گرفتار کر کے لائیں۔
4- دو تیز رفتار سوار فوراً سلطان معظم کی طرف روانہ ہوں جو اُنہیں اس سازش سے آگاہ کرنے کے علاوہ اُن سے اپنی ذاتی حفاظت کی درخواست کریں۔
5- 25 بندوق بردار اپنے ساتھ مزید سپاہیوں کو لے جائیں اور قلعہ میں موجود تمام ہندو سپاہیوں کو گرفتار کر لیں۔
6- دس سوار قلعہ کے جیل خانہ پر جائیں اور پہرے پر جس قدر ہندو سپاہی ہوں، اُن سب کو گرفتار کر کے اُن کی جگہ مسلمان پہرے دار مقرر کر دیے جائیں۔

باقی بندوقچیوں کو لے کر قلعہ دار سید محمد خاں صدر دروازے پر پہنچا اور وہاں سخت پہرہ لگا دیا۔

قلعہ کے باقی دروازوں پر بھی پہرے دار زیادہ کر دیئے گئے۔ تمام راج محلوں کے گرد زبردست پہرہ لگا دیا گیا۔

ان انتظامات میں آدھی سے زیادہ رات گزر گئی۔ قلعہ دار سید محمد خاں گھوڑے پر سوار پورے قلعہ میں چکراتا پھر رہا تھا اور حسب ضرورت جگہ جگہ چوکی پہرہ سخت کر رہا تھا۔ اُس نے اب تک رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ اسی پر کیا موقوف گھر کے تمام لوگوں نے بھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا اور وہ سب مختصر سامان کے ساتھ آمادۂ سفر تھے۔ مگر...... خدا کا شکر تھا کہ سازش تکمیل کے مراحل سے گزرنے سے پہلے ہی کھل گئی تھی اور قلعہ دار کو اپنے گھر والوں کو قلعہ سے باہر نہیں بھیجنا پڑا تھا۔

پھر بھی سب پر ایک خوف و دہشت سا طاری تھا۔

ایک بار جب سید محمد خاں کسی طرف سے گھوم کے گھر پہنچا تو رمضانی نے گلوگیر آواز میں اُس سے درخواست کی۔ ''صاحب جی! مجھے گھر بھجوا دیجئے یا میرے بابا کو وہاں سے بلوا لیجئے۔ وہ میرے بنا بہت گھبرا رہا ہوگا۔

''رمضانی! ہم تمہارے احسان مند ہیں۔'' قلعہ دار نے متشکر لہجے میں کہا۔ ''ہمیں بھی تمہارے بابا کی اسی قدر فکر ہے جتنی تمہیں ہے۔ مگر تمہیں کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔ باغیوں کے گرفتار ہوتے ہی ہم تمہارے بابا کو یہاں بلوا لیں گے۔ تمہارا یا تمہارے بابا کا اب راج محل میں یا اس کے قریب رہنا ٹھیک نہیں۔ ہم تمہیں اور تمہارے بابا کو یہاں سرکاری مہمان کے طور پر رکھیں گے۔ تم نے ہمیں ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا ہے۔''

قلعہ دار کی بات ختم ہوئی تھی کہ دس بندوقچیوں کے پہرے میں نرسنگھ راؤ گرفتار کر کے لایا گیا۔ نرسنگھ راؤ، سرنگا پٹم کی بلدیہ کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے آیا اور قلعہ دار سید محمد خاں کو دیکھتے ہی اُس کے پیروں میں گر پڑا۔

Marfat.com

''خاں صاحب! تمہیں اپنے اللہ کی قسم۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے انچے شاہیا نے بہکایا تھا۔ وہی دونوں بھائی سازش کے سرغنہ ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے زبردستی روپیہ نکلوا کر سپاہیوں میں بانٹا تھا۔ مجھے معاف کر دو خاں صاحب! سید صاحب! میں عمر بھر تمہارے گھر والوں کو دُعائیں دیتا رہوں گا۔''

نرسنگھ راؤ نے بغیر پوچھے سازش کا اعتراف کر لیا۔

قلعہ دار سید محمد خاں کو رمضانی کی بات کا یقین تھا، پھر بھی اُس کا دل دھک دھک کر رہا تھا کہ شاید رمضانی کے سننے میں کچھ فرق ہو۔ مگر نرسنگھ راؤ کے اقبالِ جرم کے بعد رمضانی کی تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ قلعہ دار نے اُسے جواب دیا۔

''نرسنگھ راؤ! چیخ و پکار کی ضرورت نہیں۔ تو بغاوت میں شریک ہے، خواہ اس کے سرغنہ کوئی بھی ہوں۔ تیرا مقدمہ سلطانِ معظم کے حضور پیش ہو گا اور وہی فیصلہ کریں گے۔ خاموش کھڑا رہ۔ جو بویا ہے وہی کاٹے گا۔''

نرسنگھ راؤ کی آدھی جان نکل گئی۔

اسی وقت قلعہ کے صدر دروازے کے دو پہریدار ایک ہندو کو لے کر حاضر ہوئے۔ قلعہ دار نے قلعہ کے تمام دروازے سیل کرا دیئے تھے اور حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص باہر جانے کی ضد کرے تو پہلے اس کی تلاشی لی جائے پھر اُسے پیش کیا جائے۔

پہریداروں میں سے ایک نے بتایا۔ ''قلعہ دار صاحب! یہ آدمی خود کو مہارانی لکشما کا خاص ملازم بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ مہارانی نے اسے منگلور اپنے ایک عزیز کے پاس بھیجا ہے۔ اس لئے اس کا اسی وقت قلعہ سے باہر جانا ضروری ہے۔''

قلعہ دار نے دریافت کیا۔ ''تم نے اس کی تلاشی لی۔ کچھ نکلا اس کے پاس سے؟''

''نہیں قلعہ دار صاحب!'' پہرے دار نے جواب دیا۔ ''یہ کہتا ہے کہ وہ زبانی پیغام لے کر جا رہا ہے۔ اس نے تلاشی دینے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ کہتا ہے کہ مہارانی کے محل کے آدمیوں کی گیٹ پر تلاشی لینے کا حکم نہیں ہے۔''

قلعہ دار کو طیش آ گیا۔ ''حکم ہے کہ نہیں، یہ تو بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے تم اس کی تلاشی لو۔''

پہریداروں نے اُس کی تلاشی لی تو اُس کی اندر کی جیب سے ایک بند لفافہ نکلا۔ لفافہ قلعہ دار سید محمد خاں کو دیا گیا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور روشنی میں لے جا کر پڑھا۔

لفافہ سے جو خط نکلا وہ جنرل میتھوز کا لکھا ہوا تھا۔ یہ جنرل دوسرے انگریزوں کے ساتھ قلعہ سرنگا پٹم میں قید تھا۔

Marfat.com

جنرل میتھوز نے خط میں منگلور میں مقیم کرنل ہمبرٹن سے درخواست کی تھی کہ وہ فوراً سرنگا پٹم روانہ ہو جائے کیونکہ بغاوت ہو چکی ہے اور سرنگا پٹم اور قرب و جوار کی پوری ہندو آبادی اس بغاوت میں شریک ہے۔ سلطان سرنگا پٹم سے دُور ہے اور قلعہ پر قبضہ کی کوشش جاری ہے۔

خط پڑھنے کے بعد قلعہ دار نے ہندو قاصد سے پوچھا۔

''سچ سچ بتا یہ خط تجھے کس نے دیا ہے؟''

قاصد نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑا رہا۔

قلعہ دار نے کلو کو حکم دیا۔ ''کلو خاں! اس سے تین بار پوچھو کہ یہ خط اسے کس نے دیا ہے۔ اگر یہ تیسری بار بھی جواب نہ دے تو اس کے دائیں ہاتھ کی پانچوں اُنگلیاں قلم کر دو۔ اگر پھر بھی نہ بتائے تو بائیں ہاتھ کی اُنگلیاں کاٹ دو۔ پھر دایاں ہاتھ، بایاں ہاتھ...... دایاں پیر، بایاں پیر......اور آخر میں خنجر......''

قاصد کے ہاتھ پیر لرز رہے تھے۔ جب بات خنجر پر پہنچی جو اُس کی مکمل موت کی خبر تھی تو وہ رو پڑا اور ہاتھ جوڑ کے بولا۔

''میری جان بخش دو قلعہ دار صاحب! میں سب کچھ بتاتا ہوں۔''

وہ اس قدر خوفزدہ تھا کہ دھوتی ہی میں اُس کا پیشاب خطا ہو گیا۔

قلعہ دار سید محمد خاں چیخ کر بولا۔ ''بتا چاہے نہ بتا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں تم لوگوں کو قتل تو کرا سکتا ہوں مگر کسی کو معاف نہیں کر سکتا۔ تم لوگ سلطانِ معظم کے مجرم ہو۔ تمہارا فیصلہ وہی کریں گے۔''

قاصد نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ ''قلعہ دار صاحب! مجھے خط انچے شامیا نے دیا تھا۔ مگر وہاں اُس کا بھائی رنگیا بھی موجود تھا۔''

قلعہ دار نے دوسرا سوال کیا۔ ''یہ خط تجھے راج محل میں دیا گیا یا کسی اور جگہ؟ اور کیا تجھے معلوم ہے کہ اس سازش میں رانی لکشما شامل ہے؟''

''نہ...... نہ قلعہ دار صاحب! مجھے مہارانی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' قاصد گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ''یہ خط مجھے انچے شامیا نے اپنے گھر بلا کر دیا تھا۔ راج محل میں تو میں آج تک گیا ہی نہیں۔''

اُسی شب...... انچے شامیا، رنگیا اور دوسرے سرغنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ نائب قلعہ دار شتاب رائے کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ یہ سرنگا پٹم کا سابق قلعہ دار تھا۔

قلعہ دار سید محمد خاں نے قلعہ میں موجود تمام افسروں کو طلب کر لیا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ

Marfat.com

بھی بتایا کہ ہندو سپاہیوں میں کچھ اسلحہ بھی تقسیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ...... رسالدار اسد خاں کو حکم دیا گیا کہ تقسیم شدہ اسلحہ ہندو سپاہیوں سے واپس لے کر سپاہیوں کو جیل میں بند کر دیا جائے۔

یہ تمام کام نہایت خاموشی سے کیا گیا۔ راج محل یا قلعہ والوں کو اس وقت تک کوئی خبر نہ تھی کہ وہاں تیار ہونے والی سازش کا کیا انجام ہوا؟

انہیں اس وقت کچھ شبہ ہوا جب قلعہ دار سید محمد خاں کے حکم سے رمضانی کے باپ رمضان کو راج محل کی غلام گردش سے بلوایا گیا۔ اُسے پانچ سوار لینے آئے تھے۔ وہ سیدھے رمضان کی کوٹھڑی پر پہنچے اور اُسے ایک گھوڑے پر بٹھا کر ساتھ لے گئے۔

یہ خبر فوراً مہارانی لکشما کو پہنچائی گئی۔ اُس نے رمضان کے بارے میں پوچھا مگر کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ جب سوار رمضان کو لے کر جا رہے تھے تو راج محل کے پہرے دار اور دوسرا عملہ دُور ہی کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مہارانی کو اگرچہ شبہ ہو گیا تھا کہ شاید سازش ناکام ہو گئی ہے لیکن وہ انچے شامیا یا کسی اور کے گھر اپنا آدمی بھیج کر خود کو اس سازش میں ملوث نہ کرنا چاہتی تھی۔

صبح ہونے پر جب یہ خبر عام ہوئی تو ہر شخص حیران رہ گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا افسوس تھا کہ حیدر علی خاں مرحوم اور ان کے ہونہار بیٹے سلطان ٹیپو نے صرف چند گاؤں پر مشتمل ریاست میسور کو ایک عظیم الشان سلطنت میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن راج محل کی رانیوں نے اب تک نواب کو نواب اور سلطان کو دل سے سلطان تسلیم نہیں کیا اور وہ آئے دن حکومت کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں۔

ادھر قلعہ دار سید محمد خاں نے تمام باغیوں کو سخت پہرے میں سلطان کے پاس منگلور روانہ کر دیا۔ وہاں پہنچنے پر سلطان نے باغیوں سے پوچھ گچھ کی تو سب نے معافیاں مانگنا شروع کر دیں۔ باغیوں کے ساتھ قلعہ دار نے رسالدار اسد خاں کو بھیجا تھا تا کہ وہ سلطان کو سازش کی پوری تفصیل سے آگاہ کرے۔

سلطان نے پوری تحقیق کے بعد تمام باغیوں کو، سوائے شتاب رائے کے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ شتاب رائے کے خلاف کوئی مضبوط ثبوت نہیں تھا اس لئے اُسے رہا کر دیا گیا۔

اس طرح سلطنت خداداد کے خلاف یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔

انگریزوں نے اُسی سال سلطان سے معاہدہ کر لیا۔ یہ عہد نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً کیا تھا۔ کیونکہ اس معاہدہ سے جنوبی ہند میں ان کے اقتدار کو سخت دھچکا پہنچا تھا اور جب اس کی

Marfat.com

خبر انگلستان پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔

منرو نام کا ایک انگریز جو اس جنگ میں خود شامل تھا، لکھتا ہے:۔

''مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو معاہدہ ہوا ہے وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کرسکتا جو اس جنگ میں اُٹھانا پڑیں۔''

O

اس سازش کے فوراً بعد سلطنت خداداد کے خلاف ساتویں سازش کی گئی۔

یہ سازش دراصل نظام دکن اور مرہٹوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ سلطنت میسور انگریزوں کے ساتھ چار سالہ جنگ میں اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ اسے آسانی سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں معاہدہ کرکے سلطان سے جنگ چھیڑ دی۔

یہ جنگ تین سال تک جاری رہی اور آخر نظام اور مرہٹوں کو اس میں شکست اُٹھانا پڑی۔ سلطان کو یہ فتح 1788ء میں حاصل ہوئی۔ انگریز اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھے لیکن ان کا رابطہ رانی کے ایجنٹ ترمل راؤ سے قائم تھا۔

انگریز، ہندوستان اور انگلستان میں سلطان کو نہایت گندے الفاظ میں بدنام کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ اُس وقت انگلستان کا وزیر اعظم مسٹر پٹ تھا۔ اُس نے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا گورنر جنرل اور جنرل میڈوز کو مدراس کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔

لارڈ کارنوالس کو اُمید تھی کہ جنرل میڈوز اپنی جنگی قابلیت کے زور پر سلطان کو ضرور شکست دیدے گا۔ مگر خلافِ توقع جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں اُٹھانا پڑیں۔ ان پیہم شکستوں سے کارنوالس اس نتیجے پر پہنچا کہ جنوبی ہند کی کوئی انفرادی طاقت سلطان کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہوسکتی اس لئے ضروری ہے کہ سلطان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے جس میں جنوبی ہند کی تمام طاقتیں شامل ہوں۔

ظاہر ہے کہ لارڈ کارنوالس یہ چاہتا تھا کہ نظام دکن، مرہٹوں کا پیشوا اور وہ خود یعنی انگریز ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ پھر سلطان پر ایک بھرپور حملہ کرکے اس کے کس بل نکال دیئے جائیں۔

پس...... اُس نے اسی منصوبہ کے تحت کام شروع کیا۔

مرحوم نواب بہادر حیدر علی خاں اور سلطان ٹیپو کے خلاف ہونے والی سازشوں پر اگر غور کیا جائے تو ان میں بعض باتیں مشترک نظر آتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ ان تمام سازشوں میں راج محل کی رانیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک دکھائی

Marfat.com

دیتی ہیں۔

دوسری بات جو مشترک ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہے وہ یہ کہ ان سازشوں کی ناکامی یا انکشاف پر عام طور پر حسن و عشق کی دیدہ دلیریاں اور کارفرمائیاں نظر آتی ہیں۔

انچے شامیا والی سازش اس قدر زبردست تھی اور اس کا تانا بانا اس انداز سے بنا گیا تھا کہ اس کے ناکام ہونے کی ایک فیصد بھی اُمید نہ تھی۔ مگر اس میں ایک معمولی فیلبان کی بیٹی رمضانی کے عشق نے ایسی آگ لگائی کہ بہترین سازشی دماغوں کا بنا ہوا یہ تانا بانا ایک دم جل کر بھسم ہو گیا۔

تمام باغی اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور رمضانی کا عشق کامیاب ہوا۔ سلطان نے رمضانی کی کلو کے ساتھ نہ صرف شادی کرائی بلکہ یہ شادی بڑی دُھوم دھام سے شاہی اخراجات سے ہوئی۔ اور سلطان بہ نفس نفیس اس بارات میں شامل ہوا۔

رمضانی اور کلو کو اس قدر سلامی ملی جو اُن کی آئندہ کئی پشتوں کے لئے کافی تھی۔ کلو کو ترقی بھی دی گئی۔

O

لارڈ کارنوالس نے متحدہ محاذ یا اتحادِ ثلاثہ کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ دوسری طرف اُس نے اپنے گورنروں کو حکم دیا تھا کہ سلطنت خداداد کے اندر سازشوں کا جال پھیلا دیا جائے اور سلطان کے افسروں کو مال و دولت یا دُوسرے لالچ اور وعدوں سے خریدا جائے۔ اس کام کے لئے کرنل ریڈ کو مقرر کیا گیا۔

کرنل ریڈ نے ان لوگوں، امیروں، پالیگاروں اور حکمرانوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطان ٹیپو کے ایک یا کسی دوسری وجہ سے خلاف ہو گئے تھے:

ایسے لوگوں میں کنکندی نالہ کے پالیگار بھاری کورہ کے لڑکے، چک بالا پور، گریکوٹہ، کھٹکو میر، مدن ہلی، آنیکل اور انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ نیکنڈہ کا راجہ اور چیل نائیک کا پالیگار بھی شامل تھا۔

ان لوگوں کو یقین دلایا گیا کہ اگر میسور پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو ان کے علاقے اور ریاستیں انہیں واپس کر دی جائیں گی۔

سلطان کے ان مخالفوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سلطنت خداداد میں داخل ہو کر اپنی اپنی جگہ پہنچیں اور وہاں کے حالات سے انگریزوں کو مطلع کریں نیز جنگ کے وقت انگریزی فوج کو رسد وغیرہ مہیا کریں۔ اس کے لئے ان میں سے ہر ایک کو کافی رقم دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں اس رقم کو

Marfat.com

استعمال کریں۔

سلطان نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ مخالفین کو سلطنت خداداد میں ہرگز داخل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تاجروں کا بھیس بدلا اور مختلف راستوں سے سلطنت خداداد میں داخل ہو کر ملک بھر میں سازشوں کا جال پھیلا دیا۔

کرنل ریڈ جو اِن سازشیوں کا انچارج تھا، اُس نے میسور کے ایک اہم کارکن (افسر) کو اپنے جال میں پھانس لیا اور یہ کرنل ریڈ کا سب سے بڑا کارندہ بن گیا۔

اُس کا نام سید امام تھا۔

سید امام نے سلطان کی ملازمت کر لی تھی اور سرنگا پٹم سے انگریزوں کو خبریں بھیجا کرتا تھا۔ اُسے کرنل ریڈ نے بہت کافی رقم بھجوائی تھی کہ وہ اپنے ساتھ اور لوگوں کو بھی شامل کر لے۔ چنانچہ اس غدارِ ملک وملت نے اپنے ساتھ پندرہ بیس سرکاری افسروں کو شامل کر لیا تھا۔ یہ لوگ دن میں تو سرکاری کام کرتے نظر آتے مگر اُن کی راتیں شبستانوں میں گزرتی تھیں۔

سید امام کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اُس نے اوپر تلے چار شادیاں کی تھیں مگر کوئی اولاد نہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ اُس نے ایک لڑکے کو متبنیٰ کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

سید امام کا یہ بیٹا سن شعور میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ ہر وقت باپ کے ساتھ رہتا تھا اور اس کے کارناموں سے پوری طرح واقف تھا۔

یہ لڑکا جس کا نام فخر امام تھا، اپنے باپ کی حرکتوں سے سخت نالاں تھا۔ مگر کچھ کر بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے کہ اس کا اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور اس کا باپ اسے اس خیال سے کہیں ملازم نہ کراتا تھا کہ کہیں اس کے کرتوتوں کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

خدا معلوم کہ غداروں کا یہ گروہ اور کیا غضب ڈھاتا کہ آخر اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ یہ روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:۔

جس حویلی میں سید امام اور فخر امام رہتے تھے اس کے سامنے سرنگا پٹم کے ایک مسلمان تاجر کا مکان تھا۔ اُس کی اکیلی بیٹی زرینہ آتے جاتے فخر امام کو دیکھتی اور فخر امام اُسے دیکھا کرتا۔

یہ دیکھا دیکھی اور تاک جھانک آخر محبت میں بدل گئی۔ یہ بات جب زرینہ کے باپ کے کانوں تک پہنچی تو اُس نے بیٹی سے پوچھ گچھ کی۔

”زرینہ بیٹی! میں نے سنا ہے کہ سید امام کا لے پالک بیٹا تجھے آتے جاتے تاکتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟“

زرینہ سناٹے میں آ گئی۔ اکیلی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ باپ کی بہت منہ چڑھی تھی

Marfat.com

بیباک تھی۔ مگر باپ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہ پسینے میں نہا گئی۔

باپ نے کوئی جواب نہ پایا تو پھر کہا۔ ''زرینہ! تو میری اکیلی اولاد ہے۔ تیری ماں کے مرنے کے بعد میں نے تیری ماں اور باپ دونوں کے فرائض ادا کیے ہیں۔ تیری کوئی بات کبھی نہیں ٹالی۔ اگر فخر امام کو تو اچھا سمجھتی ہے تو مجھے بتا دے۔ میں اُس سے تیری شادی کر دوں گا۔''

باپ نے بڑی معقول پیش کش کی تھی۔ زرینہ کو مان لینی چاہئے تھی۔ مگر...... برا ہو اس نسوانی حیا کا...... زرینہ کی زبان باپ کے سامنے پھر بھی نہ کھل سکی اور وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ حالانکہ اُس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

پھر...... اُس کی یہ مشکل اُس کی ایک سہیلی نے حل کر دی۔

زرینہ کا باپ واپس جانے کو تھا کہ زرینہ کی رازدار ایک سہیلی گھر میں داخل ہوئی۔ زرینہ کا باپ جاتے جاتے رُک گیا۔ اُس نے زرینہ کی سہیلی سے کہا۔

''میں نے زرینہ سے ایک بات پوچھی ہے۔ وہ مجھے جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔ تم اس کی سہیلی ہو، اس کا جواب لے کر مجھے بتا دو۔ میں مہمان خانے میں بیٹھا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر مہمان خانے میں چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی زرینہ تیزی سے اُٹھی اور دوڑ کے سہیلی سے لپٹ گئی۔ وہ اس زور سے لپٹی کہ اُس کی سہیلی بانو کی پسلیاں چرچرانے لگیں۔

''چھوڑ...... چھوڑ زرینہ؟ کیا مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟'' بانو نے کسمساتے ہوئے کہا اور زرینہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ پھر خود ہی زرینہ نے بات چھیڑی۔

''آج بابا نے مجھ سے ایک بڑی اچھی بات کہی ہے زرینہ!''

''اور تو نے بابا کو اس کا جواب نہیں دیا؟'' بانو نے ہنس کر کہا۔

''ہائے اللہ...... تجھے کیسے معلوم ہوا؟''

''بس...... فرشتوں نے بتایا ہے۔''

''سچ سچ بتا...... تجھے کس نے بتایا؟''

زرینہ ذرا سنجیدہ ہوئی تو بانو نے کہا۔ ''پہلے تو یہ بتا کہ بابا نے آج تجھ سے کیا بات کہی تھی؟ تب میں بتاؤں گی۔''

بابا نے کہا تھا......'' اور زرینہ کا چہرہ حیا سے گلنار ہو گیا۔ وہ مزید کچھ کہنے کی بجائے ایک بار پھر بانو سے لپٹ کر رہ گئی۔

''اچھا...... تو یہ بات ہے۔ میں سمجھ گئی۔'' بانو نے اُسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''شادی کی

Marfat.com

بات کی ہوگی بابا نے۔"

"ہاں...... یہی بات تھی۔" زرینہ ہنس پڑی۔ "مگر تو نے کیسے جانا؟"

"میری شادی سے پہلے میرے بابا نے بھی مجھ سے پوچھا تھا۔" بانو نے کہا۔

یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ بانو کی ماں بھی بچپن ہی میں مرگئی تھی اور اُس کے باپ نے بھی زرینہ کے باپ کی طرح دوسری شادی نہ کی تھی۔ اس طرح یہ دونوں بے ماں کی بچیاں آپس میں کھیلتے کودتے جوان ہوئی تھیں۔

مگر اب زرینہ اکیلی ہوگئی تھی۔ ایک سال پہلے بانو رخصت ہو کے دوسرے شہر چلی گئی تھی۔ پھر وہ جب کبھی میکے آتی تو دونوں سہیلیاں مل بیٹھتیں۔ پھر بچپن کے دن یاد کئے جاتے اور وہ گھنٹوں باتیں کیا کرتیں۔

زرینہ نے جواب دیا۔ "تم نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ بابا پوچھ رہے تھے کہ کیا مجھے فخر امام پسند ہے؟ میں شرم کے مارے اُنہیں کوئی جواب نہ دے سکی۔"

اور وہ تیرے جواب کے لئے اب تک مہمان خانے میں انتظار کر رہے ہیں۔" بانو نے مسکرا کر اُسے چھیڑا۔

"بابا انتظار کر رہے ہیں؟" زرینہ نے تعجب سے اُس کی بات دہرائی۔ "مگر وہ تو تمہارے آنے سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔"

"وہ جا رہے تھے کہ میں آ گئی۔" بانو نے اُسے بتایا۔ "اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے زرینہ سے ایک بات پوچھی ہے۔ تم اس سے جواب لے کے مجھے بتاؤ۔ اور یہ کہ وہ مہمان خانے میں جواب کا انتظار کریں گے۔"

"ہائے...... بابا اب تک یہاں بیٹھے ہیں؟" زرینہ گھبرا گئی۔

"گھبرانے کی کیا بات ہے؟ جواب دو! تمہیں فخر امام پسند ہے کہ نہیں؟" بانو نے زرینہ کے چٹکی لے کر پوچھا۔

"پسند تو ہے مگر میں اپنے منہ سے کیسے کہوں؟" زرینہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک اُٹھے تھے۔

"بس...... اب تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بانو نے ایک اور چٹکی لی۔ "میں تمہاری پسند بابا کو پہنچا دوں گی۔" بانو اُٹھ کے کھڑی ہوگئی۔

"کہاں چلیں؟ بیٹھو نا!" زرینہ نے اُسے روکا۔

"تمہارے بابا انتظار کر رہے ہیں۔ میں اُنہیں جواب دینے جا رہی ہوں۔" اور بانو لپک

Marfat.com

جھجک کرتی کمرے سے نکل گئی۔

زرینہ کا خیال تھا کہ بانو، بابا سے گفتگو کرنے کے بعد اُس کے پاس واپس آئے گی۔ لیکن جب وہ دیر تک نہ آئی تو اُس نے ملازمہ سے پوچھا۔ ملازمہ نے بتایا۔

''وہ تو ایک منٹ صاحب جی سے بات کر کے اپنے گھر چلی گئیں۔ صاحب جی بھی اُن کے بعد ہی چلے گئے تھے۔''

زرینہ اسی اُلجھن میں گرفتار تھی کہ بانو ہنستی ہوئی پھر داخل ہوئی۔ ''لے مبارک ہو زرینہ! میں نے تمہاری پسند تمہارے بابا تک پہنچا دی ہے۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اچھا۔'' زرینہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''بابا نے کچھ کہا تھا؟''

بانو منہ بنا کے بولی۔ ''تیرا تو دماغ خراب ہو گیا ہے سہیلی! وہ مجھ سے کیا کہتے؟ ہاں یہ ضرور کہا تھا کہ مشکل یہ ہے کہ دونوں گھروں میں کوئی عورت نہیں ہے۔ شادی کی بات کس طرح چلائی جائے؟''

زرینہ فکر مند ہو گئی۔ ''اب کیا ہو گا؟ سید امام سے بات کون کرے گا؟''

''تو فکر کیوں کرتی ہے؟'' بانو نے اُسے تسلی دی۔ ''اس کا حل بھی میں نے سوچ لیا ہے۔''

''مجھے بھی بتاؤ! تم نے کیا سوچا ہے؟'' زرینہ اُس کے سر ہو گئی۔

بانو نے اُسے بتایا۔ ''میں نے سوچا ہے کہ جس دن سید امام گھر آئیں تم مجھے بلوا لینا۔ میں خود ان سے بات کروں گی۔''

''تم...... تم میری شادی کی بات سید امام سے کرو گی؟'' زرینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''تمہیں شرم نہیں آئے گی؟''

''تم بالکل احمق ہو زرینہ! میں آخر شادی شدہ ہوں۔ مجھے بات کرنے کا سلیقہ ہے۔'' بانو نے جواب میں کہا۔ ''تم بس مجھے خبر بھیج دینا۔ پھر میں جانوں۔''

○

سید امام اور فخر امام دونوں دن بھر گھر ہی پر رہتے تھے۔ مگر ادھر کچھ دنوں سے شاید سید امام پر کام کچھ زیادہ پڑ گیا تھا اس لئے وہ دونوں صبح کو آپس میں ملتے۔ پھر سید امام سویرے ہی گھر سے نکل جاتا اور رات بھی بہت دیر سے واپس آتا۔

زرینہ اُوپر کی منزل میں چلی جاتی اور فخر امام کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں بیٹھ جاتی اور فخر امام جسے اُس کا منہ بولا باپ اب کم ہی اپنے ساتھ لے جاتا تھا، بھی پہلی منزل کے کمرے میں چلا جاتا۔ پھر دونوں کی نظریں ٹکراتیں اور اشاروں میں دل کی باتیں کرتی رہتیں۔

Marfat.com

کہتے ہیں دو محبت کرنے والے اگر زبان سے بات نہ بھی کریں تو ایک دوسرے کا مطلب بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتے تک چلتا رہا۔

پھر ایک صبح ایسا ہوا کہ فخر امام کہیں جانے کے لئے گھر سے نکلا۔ اُسی وقت سید امام باہر سے آ گیا۔ دونوں میں دروازے ہی پر گفتگو ہوئی۔ پھر فخر امام کہیں باہر چلا گیا اور سید امام گھر میں داخل ہوا۔ زرینہ کسی ایسے ہی موقعے کی تلاش میں تھی۔ اُس نے ملازمہ کو بھیج کر فوراً ہی بانو کو گھر بلوالیا۔

''آج سید امام گھر میں ہیں۔'' اُس نے بانو کے داخل ہوتے ہی اُسے اطلاع دی۔

بانو مسکرادی اور بولی۔ ''تو اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟ اپنی حالت تو سنبھال۔''

''تم جاؤ گی نہیں اُن کے پاس؟'' زرینہ بوکھلا کر بولی۔

بانو کو ہنسی آ گئی۔ ''تو ایسے پریشان ہو رہی ہے جیسے کل ہی تیری شادی ہو جائے گی۔ ذرا سوچنے دے، سید امام سے کس ڈھنگ سے بات کروں گی۔ میں ڈرتی نہیں۔ لیکن پہلا موقع ہے غیر مرد سے بات کرنے کا۔ پتہ نہیں کس دماغ کے ہیں بزرگ محترم......''

''بزرگ محترم نہیں، وہ تو اپنے آپ کو اب تک جوان ہی سمجھتے ہیں۔'' زرینہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''گھر سے نکلتے ہیں تو دروازے پر رُک کر اچھی طرح پگڑی کو سنبھال کے سر پر جماتے ہیں۔ اور اگر کوئی عورت آتے جاتے مل جائے تو اُسے کنکھیوں سے ضرور دیکھتے ہیں۔''

''بہت تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔'' بانو ہنسی۔

''بڑے گھاگ ہیں۔ چار بیویاں کھا چکے ہیں۔'' زرینہ چہک رہی تھی۔ ''اگر پانچویں مل جائے تو اُس سے بھی کر لیں۔''

''ایسے تجربہ کار تو بڑے اچھے جیون ساتھی ثابت ہوتے ہیں۔'' بانو نے شرارت بھری نظروں سے زرینہ کو دیکھا۔

زرینہ باتیں تو خوب بناتی تھی مگر سیدھی سادھی۔ وہ بانو کی بات کی تہ تک نہ پہنچ سکی اور فوراً بولی۔ ''یہ بات تو تم نے سچ کہی۔ بوڑھے شوہر اپنی بیویوں سے پیار کرتے بہت ہیں۔''

بانو اسی موقع کی تلاش میں تھی۔ اُس نے فوراً جملہ کسا۔ ''تو پھر میرا خیال ہے تیرا پیغام فخر امام کی بجائے سید امام کے لئے نہ دے دُوں؟ بڑے عیش کرے گی بوڑھے کے ساتھ۔ جھولیاں بھر بھر محبت ملے گی تجھے اور......''

''خدا کی مار تجھ پر......'' زرینہ نے اُسے دوہتھڑ رسید کر کے کہا۔ ''تو یہ سوچ رہی ہے میرے لئے؟ سہیلی ہے کہ میری دشمن؟ میں اُس کھوسٹ کی داڑھی میں آگ نہ لگا دُوں...... خدا

Marfat.com

غارت کرے اُسے۔"

"ارے رے رے..... " بانو نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اپنے ہونے والے سسر کو ایسا نہیں کہتے۔ اُس غریب نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟"

پھر بانو نے ایک ہلکا سا قہقہہ بلند کیا اور اس میں زرینہ کی آواز بھی شامل ہو گئی۔

بانو چلنے کے لئے تیار ہوئی تو زرینہ اُسے دروازے تک پہنچانے گئی۔

"فخر امام بھی ہے گھر میں؟" بانو نے دروازے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"ہو نہ ہو، تمہیں کیا؟" زرینہ چڑ گئی۔ "بات تو سید امام سے کرنا ہے۔"

بانو مسکراتی ہوئی چل پڑی۔ مکان دُور ہی کتنا تھا۔ سڑک کے اِدھر زرینہ کا گھر اور اُدھر بالکل سامنے سید امام رہتا تھا۔ گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بانو بے دھڑک داخل ہو گئی۔

"کون ہے؟" دروازے کے برابر والے کمرے سے آواز آئی۔ یہ کمرہ مہمان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

"میں ہوں۔ سامنے کے مکان سے آئی ہوں۔" بانو نے بھاری آواز سے اندازہ لگایا کہ یہ سید امام ہی ہو سکتا ہے۔

وہ سید امام ہی تھا۔ اُس نے جھانک کے دیکھا۔ "کس سے ملنا ہے تم کو؟"

"آپ سید امام ہیں نا؟"

"ہاں..... میں ہی سید امام ہوں۔"

"بس آپ ہی سے ملنا ہے۔"

"مجھ سے.....؟" اور پھر سید امام نے دروازہ کھول دیا۔ "آ جاؤ اندر۔"

بانو بلا کھٹکے اندر چلی گئی۔

"بیٹھ جاؤ!"

بانو ایک گدے دار کوچ پر بیٹھ گئی۔

"اب کہو! کس لئے آئی ہو؟" سید امام حیران نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے مکان کے بالکل سامنے میری ایک سہیلی رہتی ہے۔"

"رہتی ہو گی۔ پھر.....؟" سید امام نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"زرینہ نام ہے اُس کا..... بڑی سلیقہ شعار اور خوبصورت لڑکی ہے۔ دیکھا ہو گا آپ نے کبھی اُسے۔"

بانو بہت سنبھل سنبھل کے بات کر رہی تھی۔ مگر اصل مطلب زبان پر نہ آ رہا تھا۔ اُس کے

Marfat.com

لئے یہ پہلا موقع تھا ایسی بات کا۔

سید امام نے ایک اُنگلی سے سر کھجایا، پھر سوچتے ہوئے کہا۔ ''شاید دیکھا ہو...... مگر پھر؟''

''دیکھا ہے آپ نے، یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کیسی لگی آپ کو؟'' بانو کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ منزل کے قریب پہنچ گئی ہو۔

''اچھی ہے۔ خوبصورت ہے۔ مگر پھر؟'' سید امام کا سوال اپنی جگہ برقرار تھا۔

''دیکھیے نا! آپ کا گھر کیسا سونا سونا ہے۔'' بانو نے کھلنا شروع کیا۔ ''آپ نے چار شادیاں کیں۔ اللہ کی مرضی کسی سے اولاد نہ ہوئی۔ گھر کی ویرانی سے تو آپ ضرور اُلجھتے ہوں گے۔''

''کیوں نہیں...... بہت اُلجھتا ہوں۔ مگر پھر......؟''

''پھر یہ کہ......'' بانو ایک لمحہ کے لئے رُکی، پھر ہمت کر کے کہا۔ ''پھر یہ کہ اس گھر میں عورت آجائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ گھر میں کسی نہ کسی عورت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ چاہیں تو یہ گھر آباد ہو سکتا ہے۔''

''مگر کیسے؟ کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟'' سید امام کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ ''کیا تم اب تک کنواری ہو؟''

''میری بات چھوڑیے۔ میری شادی ہو چکی ہے۔'' بانو کھل کے بات کرنے لگی۔ ''میں.... میں چاہتی ہوں زرینہ اس گھر میں آجائے۔ آپ نے تو دیکھا ہے اُسے؟''

''اچھا...... تم اپنی سہیلی کی بات کر رہی ہو۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔ خوبصورت ہے۔'' سید امام نے سرشاری کے عالم میں سر ہلایا۔

''تو آپ زرینہ کو بیاہ کے لانے پر آمادہ ہیں؟'' بانو نے اُسے پکا کرنا چاہا۔

''میں بالکل تیار ہوں۔ مگر تم نے زرینہ سے بھی پوچھ لیا ہے؟'' سید امام کا دل خوشی کے مارے بلیوں اُچھل رہا تھا۔

''زرینہ کا میرا ذمہ۔'' بانو نے فوراً کہا۔ ''مگر آپ فخر امام کی مرضی معلوم کر لیجئے۔ دیکھئے نا، وہ آپ کا سگا بیٹا تو ہے نہیں۔ لے پالک ہے۔ کیا پتہ وہ اس رشتے کو پسند نہ کرے۔ پوچھ لینے میں تو کوئی حرج نہیں۔''

فخر امام کے نام پر سید امام جیسے ہتھے سے اُکھڑ گیا۔ سخت لہجے میں بولا۔ ''اُس کی کیا مجال جو میری مرضی میں دخل دے۔ میرے ٹکڑوں پر پڑا ہے۔ جب چاہوں اُسے نکال باہر کروں۔ کیا پہلی شادیاں میں نے اُس سے پوچھ کے کی تھیں جواب پوچھوں؟''

Marfat.com

''جی......؟'' اور بانو گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں ہاں......اُس کی کیا مجال کہ چوں بھی کر سکے۔'' سید امام بڑے جوش سے بول رہا تھا۔ ''میں عزت دار آدمی ہوں۔ اللہ نے دولت سے مالا مال کیا ہے۔ دربار میں میری بات ہمیشہ اُونچی رہتی ہے۔ مجھے اختیار ہے میں جس سے چاہوں شادی کروں۔ زرینہ کو اطمینان دلانا کہ گھر میرا ہے۔ فخر امام کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ میں کس سے شادی کرتا ہوں اور کسے گھر میں بساتا ہوں۔ میں آج ہی فخر امام کو یہاں سے چلتا کر دوں گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔''

''میں جا رہی ہوں۔'' یہ کہتی ہوئی بانو کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''ارے......ابھی بات تو پوری نہیں ہوئی۔'' سید امام بھی کھڑا ہو گیا۔ ''نکاح کب ہو گا؟ کہو تو میں آج ہی قاضی کو بلا کر دو بول پڑھوا لوں۔ مجھے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ تو بتاتی جاؤ مہر کتنا ہو گا؟ اگر زرینہ چاہے تو مہر کی رقم نقد بھی ادا کی جا سکتی ہے۔''

''او بڈھے! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟'' بانو دروازے سے نکلتے ہوئے بولی۔ ''چار بیویوں کو کھا چکا ہے اب تک تیری نیت نہیں بھری؟ تو، تو زرینہ کے باپ سے بھی بڑا ہے۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' سید امام اُس کے پیچھے دروازے پر پہنچ گیا۔ ''خود ہی رشتہ لائی ہو اور خود ہی ناراض ہو رہی ہو۔''

''ہاں! میں رشتہ لائی تھی۔'' بانو سڑک پر پہنچی اور پلٹ کر کہا: ''مگر تیرے لئے نہیں۔ یہ پیغام تیرے بیٹے فخر امام کے لئے تھا بڈھے! تو بیچ میں کہاں سے کود پڑا؟''

بانو تو سڑک پار کر کے نکل گئی۔ مگر......سید امام جس کے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو گئے تھے، وہ اس انکشاف سے ایسا پریشان ہوا کہ اُس کا سر چکرایا اور وہ دھڑام سے دروازے پر گر پڑا۔ راہ گیروں نے اُسے اُٹھا کر اندر پہنچایا۔

زرینہ نے جب بانو سے بڑے میاں کی باتیں سنیں تو ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ فخر امام اُسی شام گھر سے نکال دیا گیا۔

اور اُس کے پاس سامان ہی کیا تھا؟ ایک تھیلے میں دو جوڑے کپڑے۔ یہی اُس کی کل کائنات تھی اور بس!

فخر امام جب گھر سے نکل کر جا رہا تھا تو بانو نے اپنے شوہر کے ذریعے اُسے اپنے گھر بلوایا اور اُسے تمام قصے سے آگاہ کر دیا۔

Marfat.com

فخر امام کو کچھ باتیں تو منہ بولے باپ سے معلوم ہو گئی تھیں باقی باتیں اب معلوم ہوئیں۔ اُسے اپنے منہ بولے باپ پر افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ سید امام ایسی پست طبیعت کا مالک ہے کہ وہ دنیا کا ذلیل سے ذلیل کام کر سکتا ہے۔

پھر...... اُس کے دل میں سید امام کی محبت کی جگہ وطن کی محبت پیدا ہو گئی۔ سلطان کا چہرہ اُس کی نظروں میں گھوم گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سلطان سے ملاقات کے لئے منگلور جا رہا تھا۔

O

فخر امام نے سلطان کے حضور پیش ہو کر بڑی رقت سے عرض کیا۔

''اے شاہا! مجھ پر خدا کی مار پڑی ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ مجھے کس ماں نے پیدا کیا اور میرا باپ کون ہے؟ جب میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے بتایا گیا کہ سرنگا پٹم کے سید امام نے مجھے متبنیٰ کیا ہے اور میں اُس کی لے پالک اولاد ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ لے پالک اولاد کی بہت قدر ہوتی ہے کیونکہ وہ اصلی اولاد کا بدل ہوتی ہے۔ لیکن سید امام نے مجھے دو وقت کی روٹی اور پرانے کپڑوں کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ یہ بات نہیں کہ وہ غریب ہے یا اُس کا ہاتھ تنگ ہے۔ وہ سلطنت خداداد کا ایک بڑا افسر ہے مگر اُس کی عیاشیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ وہ گھر میں اور گھر سے باہر شراب و شباب کی محفلیں سجاتا ہے اور ہمہ وقت بدکار عورتوں میں گھرا رہتا ہے۔

میں اُس کی بدکاریوں اور ڈانٹ پھٹکار تو اب تک برداشت کرتا رہا مگر پچھلے سال میں نے سید امام کو ایک ہندو افسر سے گفتگو کرتے ہوئے سنا تو مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ پھر میں اُس کی ٹوہ میں لگ گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک طرف تو سرکار سے تنخواہ لیتا ہے اور دوسری طرف ملک اور قوم سے غداری کے صلے میں اسے ہر ماہ ایک بڑی رقم حاصل ہوتی ہے۔

سید امام کا کام یہ ہے کہ دارالسلطنت میں ہونے والی سرکاری اور غیر سرکاری باتوں کی اطلاع انگریزوں کو بھجواتا ہے۔ ان لوگوں کا ایک باقاعدہ گروہ ہے جس میں لال خان بخشی پنکنور، میر نظیر علی موکب دار اور اُس کا بھائی اسمٰعیل خان رسالدار وغیرہ شامل ہیں۔

چونکہ میں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے اس لئے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یا تو میں بے وقوف ہوں یا بالکل پاگل ہوں۔ اس لئے ان لوگوں نے مجھے بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔

مجھے یہ سب باتیں سلطانِ معظم کو بہت پہلے بتا دینا چاہئیں تھیں لیکن میں سوچتا تھا کہ میرے پاس ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر پتہ نہیں میری باتوں کا یقین کیا جائے یا نہیں۔ اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ آپ مجھے جھوٹا سمجھیں یا سچا۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے عرض کر دیا۔''

Marfat.com

جس وقت فخر امام نے سلطان کے سامنے یہ بیان دیا، سلطان کے پاس صرف چند سردار موجود تھے۔ سلطان نہایت توجہ سے فخر امام کا ایک ایک لفظ سنتا رہا۔ پھر اُس نے فوراً نظیر علی، اسماعیل اور لال خاں کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔

سلطان ٹیپو کا کچھ ایسا رُعب تھا کہ جب یہ لوگ گرفتار کر کے اُس کے سامنے پیش کیے گئے تو اُنہوں نے فوراً اقبالِ جرم کر لیا۔

سید امام کچھ ٹال مٹول کر رہا تھا لیکن جب اُس کے سامنے فخر امام کو لایا گیا تو اُس نے بھی فوراً جرم کا اقبال ہی نہیں کیا بلکہ اپنے گروہ میں شامل پندرہ مزید لوگوں کے نام بتا دیئے۔ وہ تمام افراد بھی گرفتار کر لئے گئے۔

ان سب کو موت کی سزا دے دی گئی۔

ان میں سے ایک جاسوس جس کا نام امام الدین تھا وہ کولار اور نندی گڑھ کے علاقہ میں تعینات تھا۔ اُسے کہیں سے خبر مل گئی۔ وہ راتوں رات بھاگ نکلا اور سانگھڑ پہنچ کے دم لیا۔

اس سازش کے ختم ہونے پر سلطان نے فخر امام کو اپنا متبنیٰ بناتے ہوئے کہا۔

''خدا کی ذات سے نا اُمید نہ ہونا چاہئے فخر امام! خدا انسان کو آزاد پیدا کرتا ہے اور اسے اپنی زندگی کا راستہ چننے کا پورا اختیار دیتا ہے۔ اگر تم پہلے ہی ہمت کر کے ہمیں اس سازش سے آگاہ کر دیتے تو تمہیں اتنے دن تکلیف نہ اُٹھانا پڑتی۔''

اس کے بعد سلطان نے فخر امام اور زَرینہ کی شادی کرا دی اور فخر امام کو اپنے جاسوسی کے محکمہ میں ملازم رکھ لیا۔

O

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ملیوار پر سلطان نے فروری میں حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ 1790ء تک جاری رہا۔ اس میدان میں سلطان کے چھ ہزار سواروں کے سامنے راجہ دھرم راجہ کی ایک لاکھ فوج جنگ کر رہی تھی۔ پھر بھی راجہ کو پسپا ہونا پڑا۔

سلطان کے ساتھ فرانسیسی سالار موسیو لال تھا۔ اُسے سلطان نے کرنکور کی طرف بھیجا تاکہ وہ انگریزوں کی اس فوج کو روکے جو بمبئی سے مدافعت کے لئے آئی تھی۔

راجہ دھرم راجہ ہر جگہ شکست کھانے کے بعد جنوب میں پسپا ہو گیا۔ مئی کے آخر تک سلطان ٹراونکور کے محاذ پر پوری طرح حاوی ہو چکا تھا۔

اس زمانہ میں انگریزوں، مرہٹوں اور نظام دکن میں سہ فریقی معاہدہ ہوا تھا جس کا مقصد سلطان کی طاقت کو ختم کر کے اس کی سلطنت کے حصے بخرے کرنا تھا۔ سلطان نے پسپا ہوتے

Marfat.com

ہوئے راجہ دھرم راجہ کا تعاقب نہ کیا اور نہ وہ اس سے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔
انگریزوں نے سلطان کے ٹراونکور پر حملہ کے خلاف اُسے ایک خط بھیجا تھا جس میں اُس سے شکایت کی گئی تھی کہ ٹراونکور انگریزوں کا حلیف ہے اور سلطان اور انگریزوں میں بھی جنگ نہ کرنے کا ایک معاہدہ موجود ہے اس لئے سلطان نے ٹراونکور پر حملہ کر کے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ سلطان نے اس کے جواب میں جنرل انگلینڈ کو لکھا کہ:۔

''ٹراونکور کے سپاہیوں کی نازیبا حرکات سے مشتعل ہو کر سلطانی فوج نے ٹراونکور پر حملہ کیا تھا۔ اس سے اُس معاہدے کو توڑنا مقصود نہ تھا جو اس کے اور انگریزوں کے درمیان موجود ہے۔''

جنرل انگلینڈ نے سلطان کے پاس تجویز بھیجی کہ سلطان اپنے دربار میں انگریز کمشنروں کو تعینات کرنے کی اجازت دے۔ سلطان نے انگریزوں کی یہ تجویز بھی منظور کر لی تھی۔
مگر دوسری طرف...... لارڈ کارنوالس تو جنگ پر تلا بیٹھا تھا۔ اور اب تو سہ فریقی معاہدہ بھی ہو گیا تھا اس لئے اُس نے مدراس کے گورنر کو خط لکھا کہ:۔

''ٹیپو کے ان تمام خطوط کے جواب میں اُسے لکھا جائے کہ کرنگنور اور اجے کوٹہ، ولندیزیوں کے آزادانہ مقبوضات تھے۔ انہوں نے راجہ کوچین کو کبھی خراج ادا نہیں کیا۔ انہیں یہ حق حاصل تھا کہ وہ ان مقبوضات کو راجہ ٹراونکور یا کسی اور کو جسے وہ مناسب سمجھیں، اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔

ٹیپو نے ٹراونکور کی سرحد پر خود حملہ کیا ہے اور اس حملہ آور فوج کا وہ خود سپہ سالار ہے۔ راجہ کا بیس سال سے اس پر قبضہ تھا اور اُسے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ٹیپو کا یہ حملہ ایک مخاصمانہ قدم ہے جس نے ہمارے درمیان موجود معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔''

یہ خط موصول ہوتے ہی جنرل میڈوز، مدراس سے ترچناپلی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اُس کی فوج ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔
جنرل میڈوز نے اپنے ترچناپلی آنے کی اطلاع سلطان کو پہلے ہی بھجوا دی تھی۔ جب وہ ترچناپلی پہنچا تو اُسے سلطان کا ایک خط ملا جس میں سلطان نے سلطنت خداداد کی سرحد پر انگریزوں کی فوج کے اجتماع کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا اور اس بات کی خواہش کی تھی کہ وہ اپنے ایک معتمد کو ترچناپلی بھیجنا چاہتا ہے تاکہ وہ وہاں پر اپنی صفائی پیش کرے اور غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔ سلطان نے اس بات کی بھی خواہش کی تھی کہ دونوں حکومتوں کے درمیان خلوص و

Marfat.com

اعتماد کی فضا پیدا ہونی چاہئے۔

سلطان کے اس خط کے جواب میں جنرل میڈوز نے جو کچھ لکھا اس کے لفظ لفظ سے غرور اور تکبر ٹپکتا ہے۔ اُس مغرور نے سلطان کو لکھا:۔

''آپ کا خط ملا۔ اس میں جو کچھ درج ہے میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ آپ ایک عظیم الشان حکمران ہیں۔ آپ نے اپنے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا شمار روشن خیال فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔

انگریز نہ کبھی برداشت کرتے ہیں اور نہ خود دوسروں کی توہین کرتے ہیں۔ ہماری آپ سے اُسی وقت جنگ چھڑ گئی تھی جب آپ نے ہمارے حلیف راجہ پر حملہ کیا تھا۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ زبردست ہی کو فتح عطا نہیں کرتا اور نہ ہی تیز رو، ہمیشہ دوڑ میں جیتتے ہیں بلکہ فتح و کامرانی کا انحصار عام طور پر عدل و انصاف پر ہوتا ہے اور اسی پر ہمارا اعتقاد ہے۔''

جنرل میڈوز مئی 1790ء کے آخری ہفتے میں ترچنا پلی پہنچا تھا۔ وہ فوج کی کمان سنبھالتے ہی سلطانی حدود میں داخل ہو گیا۔

سلطان کو جب جنرل میڈوز کے حملہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ ستی منگل اور ہروڑ کے نواح میں دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ ہر لشکر نے دوسرے پر بڑھ چڑھ کے حملے کئے مگر فریقین میں سے کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ انگریزوں نے پسپا ہوتے ہوئے بڑی چالاکی سے ستی منگل پر قبضہ کر لیا۔

یہ تھا میسور کی تیسری جنگ کا آغاز......!

OOO

Marfat.com

●

انگریزوں نے سلطان ٹیپو کے خلاف میسور کی تیسری جنگ کا آغاز کر دیا۔ وہ اپنے اس اقدام میں کس قدر حق بجانب تھے، تاریخ اس کا جواب اس طرح دیتی ہے۔

سر جان مالکم جو کارنوالس کا بڑا مداح تھا، لکھتا ہے۔

کارنوالس نے اس عہد نامے کو منسوخ کر دیا جو 1784ء میں انگریزوں اور سلطان کے درمیان ہوا تھا۔ یہ معاہدہ بنگلور کے نام سے مشہور تھا۔

اس معاہدہ کی بجائے کارنوالس نے اس معاہدہ کو مستند قرار دیا تھا جو 1768ء میں یعنی سولہ سال پہلے ہوا تھا۔ اس معاہدے میں نظام الملک، مرہٹے، سردار اور نوابین اودھ وارکاٹ اور راجگانِ تانجور اور ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار دیئے گئے تھے۔

کارنوالس، سلطان کا نام نظر انداز کرنے میں حق بجانب نہیں تھا کیونکہ عہد نامہ بنگلور کے مطابق سلطان کو انگریزوں کا حلیف مانا گیا تھا۔

یہ تو کارنوالس کے ایک مداح کا بیان ہے۔ اب کرنل ولکسن کا بیان ''تاریخ میسور'' میں ملاحظہ ہو:۔

''کارنوالس جیسے سیاست دان اور انصاف پسند انسان سے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ منگلور کے عہد نامے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس وقت مدراس کا گورنر مسٹر ہالینڈ تھا۔ کارنوالس نے اُسے حکم دیا کہ وہ سلطان کے خلاف جنگی تیاریاں کرے اور سلطنت خداداد کے خلاف صف آرا ہو جائے۔

مسٹر ہالینڈ نے اس حکم کے جواب میں کارنوالس کو تحریر کیا کہ سلطان ٹیپو کا ہماری قوم کے خلاف جنگ کرنے یا عہد نامہ منگلور کو توڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

کارنوالس نے ہالینڈ کے اس جواب سے اندازہ لگایا کہ ہالینڈ اس کے ڈھب کا آدمی نہیں ہے اس لئے اُس نے مسٹر ہالینڈ کو مجبور کر کے اس سے استعفیٰ

Marfat.com

لے لیا اور اس کی جگہ جنرل میڈوز کو مدراس کا گورنر مقرر کیا۔

خود سلطان ٹیپو نے بھی انگریزوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ ان سے جنگ نہیں کرنا چاہتا اور نہ ٹراونکور پر حملہ کا اُسے کوئی خیال ہے۔ لیکن کارنوالس نے ٹراونکور کا بہانہ بنا کر جنگ شروع کر دی۔

کارنوالس کے دل میں سلطان ٹیپو کے خلاف جو بد ارادے تھے وہ اس کے اس خط سے بالکل بے نقاب ہو جاتے ہیں جو اُس نے اپنے نئے گورنر مدراس میڈوز کو لکھا تھا۔ جیمس مل کے مطابق اس خط کا مضمون اس طرح تھا:۔

''ہندوستان میں انگریز قوم کی عزت اور شہرت کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم سلطان ٹیپو سے نبرد آزما ہوں۔ نہ صرف نبرد آزما ہوں بلکہ اس کی طاقت کو موقع پا کر ختم کر دیں۔ ورنہ اگر اسے فرانسیسیوں کی کمک حاصل ہو گئی تو پھر ہمیں ہندوستان کو خیر باد کہنا پڑے گا۔''

اس سلسلے میں صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں:۔

1790ء میں جب سلطان نے پورے پائیں گھاٹ کو مسخر کر لیا اور انگریز فوج جہازوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ اس کے علاوہ ٹراونکور کے پورے علاقے پر سلطان کا قبضہ ہوتا دکھائی دینے لگا تو اس وقت دکن کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابو قاسم عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے۔

کارنوالس نے سازش شروع کی اور نظام دکن کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دوسری طرف اُسے بھونسلہ راجہ ناگپور سے خطرہ تھا کہ وہ کہیں روڑے نہ اٹکائے اس لئے اُس نے جان فاسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے ناگپور بھیجا۔

اس وقت مرہٹے بلا وجہ سلطان سے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس اطلاع پر کارنوالس نے جان فاسٹر کو دوسرا خط لکھا جس میں کہا گیا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل جائیں۔

چنانچہ جان فاسٹر نے پھر کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اتحادِ ثلاثہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک باقاعدہ معاہدہ ہوا جس میں یہ طے پایا کہ سلطان کی روز افزوں بڑھتی طاقت کو ختم کر دیا جائے اور

Marfat.com

اس کے ملک کو تینوں طاقتوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔

اس معاہدے کے ہوتے ہی جنوری 1791ء میں کارنوالس کلکتہ سے مدراس پہنچ گیا اور ایک ہی مہینہ کے اندر اُس کی فوجیں بغیر اعلانِ جنگ کئے سلطنت خداداد کی حدود میں داخل ہو گئیں۔

نظام علی خاں 40 ہزار سوار اور 20 ہزار پیدل، امرا، وزرا اور اپنے دونوں بیٹوں عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدر آباد سے چل کر آنیکل میں خیمہ زن ہوا اور اپنے امیروں کو فوجیں دے کر سلطانی علاقوں پر قبضہ کے لئے روانہ کیا۔

دوسری طرف کارنوالس نے اپنی انگریزی فوج کے ساتھ موگلی گھاٹ اور ونکٹ گری عبور کر کے ملبارگل، کولار اور ہوسکوٹہ میں چوکیاں قائم کیں۔ وہاں سے وہ کرشنا راجپور پہنچا جو منگلور سے صرف 3 میل دُور تھا۔

سلطان کے خلاف سازشوں کے زبردست جال پھیلائے گئے تھے جن میں سلطان کے تقریباً تمام بڑے بڑے امیر اور وزیر شامل تھے۔

سلطان کو دشمنوں کی پیش قدمی کی کوئی خبر نہ دی جا رہی تھی۔ اُسے حملہ کی خبر اُس وقت ہوئی جب انگریز فوج بنگلور پر حملہ کے لئے پر تول رہی تھی۔

کرنل فلائیڈ کی تجویز تھی کہ سواروں کو کوئمبتور میں رہنے دیا جائے اور باقی فوج کو ستی منگل کے محاذ پر لگا دیا جائے۔

لیکن...... ایک دوسرا انگریز افسر کیپٹن آر۔ جی بالڈ براؤن اس تجویز کا مخالف تھا۔ اُس نے دلیل دی کہ ایک ایسے قلعے کی چہار دیواری میں خود کو مقید کرنا جو صرف بارہ پونڈ کے ایک گولے سے تباہ ہو سکتی ہے، یہ زیادہ بہتر ہے کہ کھلے میدان میں ٹھہرا جائے۔

چنانچہ کیپٹن کی رائے قبول کی گئی اور تمام فوج کوئمبتور میں ٹھہری رہی۔ پھر کرنل اسٹوارٹ بھی اُن سے آملا اور جنرل میڈوز نے بنگلور پر حملہ کا منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

O

سلطان انگریزوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر سرنگا پٹم سے نکلا اور ننگی پہنچ کر قیام کیا۔ اُس وقت انگریز فوج بنگلور سے صرف 3 میل دُور تھی۔

سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعہ بنگلور کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔ شیخ انصر، بخشی محمد خاں اور بہادر خاں قندھاری کو قلعہ داری کی خدمت سونپی۔

ابھی خیمے اچھی طرح نصب نہ ہوئے تھے اور سلطان کی سواری کو 3 ہزار سوار اور چار پلٹنیں

Marfat.com

اسد اللٰہی گھیرے ہوئے تھی کہ کرنل فلائیڈ نے ایک دستہ فوج کے ساتھ سلطان پر حملہ کر دیا۔ سلطان نے توپ خانہ کو گولہ باری کا حکم دیا اور انگریز دستے پر اس قدر گولے برسے کہ وہ حواس باختہ ہو کر میدان چھوڑ بھاگا۔

اس جھڑپ میں کرنل فلائیڈ بھی زخمی ہوا۔ سلطانی سپاہ نے 400 انگریز سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ ان سپاہیوں کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ اس جھڑپ کے نتیجے میں جنرل میڈوز واپس مدراس طلب کر لیا گیا۔

سہ فریقی معاہدہ میں اگرچہ مرہٹے برابر کے فریق تھے لیکن اس جنگ میں اُنہوں نے کوئی خاص سرگرمی نہ دکھائی۔ شاید اُن کی افرادی قوت کم ہو گئی تھی۔ مرہٹوں کی طرف سے صرف ایک سردار پرسورام بھاؤ انگریزوں کی حمایت میں سلطنت خداداد پر حملہ آور ہوا۔

مرہٹوں کی اصل کمان کیپٹن لٹل کے ہاتھ میں تھی۔ وہ پندرہ ہزار مرہٹہ فوجیوں کے ساتھ دریائے کرشنا پار کر کے قلعہ دھاڑوار پر قابض ہو گیا۔

انگریز فوج پہلی مرتبہ مشرقی گھاٹ میں آئی تھی۔ اس وقت سلطان پانڈیچری کے علاقہ میں فرانسیسیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا لیکن فرانسیسی کمانڈر نے کارنوالس کو یقین دلایا تھا کہ اُس کے اور سلطان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے اس لئے وہ سلطان کو کمک مہیا نہیں کرے گا۔ اس مقام پر سلطان کو اطلاع ملی کہ کارنوالس ویلور پہنچ گیا ہے۔ سلطان نے بھی ویلور کا رُخ کیا مگر کارنوالس وہاں سے بنگلور کی طرف نکل گیا۔

کارنوالس کے پاس اس وقت بے تحاشہ فوج تھی۔ اس فوج میں پہلی بار 200 ہاتھی بھی شامل ہوئے تھے جو اُودھ سے اسی مقصد کے لئے بلوائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں ساز و سامان اور 20 ہزار سامان لے جانے والے چھکڑے اور بیل بھی اُس کے پاس پہنچ گئے۔ پھر وہ اس تمام لاؤ لشکر کو لے کر بنگلور پہنچا۔

انگریزوں نے اپنی ہر منزل پر دہشت گردی اور لوٹ مار کا بڑے پیمانے پر مظاہرہ کیا۔ کارنوالس نے لشکر کو حکم دیا کہ وہ خوف و دہشت پھیلائے تاکہ لوگ اس قدر ہراساں ہو جائیں کہ سلطان کی مدد کو نہ آئیں۔

پھر وہاں سے کارنوالس کولار پہنچا۔ اس جگہ حیدر علی خاں کا پرانا مقبرہ تھا۔ تیسرے دن انگریزی فوجیں بنگلور سے دس میل پر آ کر خیمہ زن ہوئیں۔ اس جگہ سے بالکل قریب سلطان کا لشکر موجود تھا۔ اگلے دو دنوں میں انگریز بنگلور کی فصیل تک پہنچ گئے۔

اب قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔

Marfat.com

کرنل مورس اور جنرل میڈوز نے فصیل پر سخت حملہ کیا۔ محصورین نے پوری طاقت سے مدافعت کی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ ان مرنے والوں میں کرنل مورس بھی تھا۔

دو ہفتہ تک انگریزی فوجیں قلعہ پر شدید گولہ باری کرتی رہیں۔ اس کے سبب شہر کی فصیل ٹوٹ گئی۔

سلطان نے قمر الدین کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ والوں کی مدد کرتا رہے لیکن جب دشمن کی گولہ باری سے قلعہ کا حصار بھی گر گیا تو سلطان نے قلعہ خالی کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت کشن راؤ قلعہ کے اندر گیا اور تمام مال واسباب اُٹھوا کر دارالسلطنت سرنگا پٹم بھجوا دیا۔ صرف تھوڑی سی فوج قلعہ کے انتظام کے لئے چھوڑ دی گئی۔

کشن راؤ سلطان ٹیپو کا وزیر خزانہ (میر بخشی) اور ایک قابل اعتماد وزیر تھا۔ مگر اس کم بخت نے انگریزوں کو ایک خفیہ پیغام بھیجا کہ قلعہ پر قبضہ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔

قارئین!

اس کشن راؤ کو یاد رکھئے۔ اس لئے کہ یہ ایک بڑی زبردست سازش کا سرغنہ تھا۔ لیکن اُوپری دل سے سلطان کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے چل کر آئے گا۔

مارچ کے آخری عشرے میں انگریزوں نے رات کے وقت قلعہ پر آخری کاری ضرب لگائی۔ خندق پار کر کے قلعہ کے دروازے پر شدید حملہ ہوا۔

یہاں سید حمید سپہ دار اور دوسرے بہادروں نے وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ انگریزوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔ مگر انگریز دوسری سمت سے فصیل پر چڑھ گئے۔ اب دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ قلعہ والے ایک جگہ جم کر کھڑے ہو گئے اور جب تک اُن کی تمام کی لاشیں نہ گر گئیں وہ وہیں کھڑے رہے۔

جب لاشوں کا شمار کیا گیا تو وہ ایک ہزار سے زیادہ تھیں جو صرف ایک مقام پر پائی گئی تھیں۔

محصورین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ایک بیان کے مطابق انگریزوں نے ان کے ناموس کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔

یہ وقت ایسا تھا بلکہ غداروں اور سازشیوں نے سلطان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ قلعہ سے چند میل دُور ہونے کے باوجود محصورین کی مدد نہ کر سکا۔

انگریز لشکر قلعہ پر قبضہ کے بعد ماگڑی کے جنگل میں خیمہ زن ہو گیا۔ اب انگریزوں او سلطان میں آنکھ مچولی قسم کی جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ سے زیادہ چھیڑ چھاڑ تھی۔ مگر کارنو

Marfat.com

کو جلد ہی محسوس ہو گیا کہ سلطان اس کے لشکر کا دم خم ختم کرنا چاہتا ہے تا کہ پھر پلٹ کر ایک بھرپور حملہ کرے اور انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار کر دے۔

انگریزوں نے سلطان کو اپنے سامنے لانے کے لئے سرنگا پٹم پر حملہ کا پروگرام بنایا اور وہ لشکر لے کر منگلور سے شمال مشرق کی سمت روانہ ہوا۔ کارنوالس چاہتا تھا کہ وہ نظام کے لشکر سے مل جائے، پھر رسد حاصل کرے اور تازہ دم آنے والی فوج کو ساتھ لے لے۔

بنگلور پر انگریزی قبضہ کے سلسلے میں محمود بنگلوری کا بیان بھی قابل توجہ ہے۔ اس لئے کہ اس مؤرخ کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ اس نے بنگلور پر انگریزی فوج کے قبضہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصارِ قلعہ توڑنے میں مصروف رہی۔ آخر دیوار ٹوٹ گئی اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

کشن راؤ بنگلور میں سلطانی معتمد کے عہدہ پر مامور تھا اور قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں انگریزوں کو پہنچاتا تھا اور انگریز ان کے مطابق تدابیر کر لیا کرتے تھے۔

سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازے کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار کر لئے گئے۔ شہر لوٹا گیا اور بے شمار جواہر و زیورات انگریزوں کے ہاتھ آئے۔

یہ خبر جب سلطان کے حضور پہنچی تو میر قمر الدین اور سید صاحب نے دست بستہ ایک ساتھ عرض کیا۔

''سلطانِ معظم! ہمیں انگریزوں پر حملہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی جائے تا کہ ہم سپہ سالار اور قلعہ دار کے خون کا انتقام لے سکیں۔

سلطان نے جواب میں فرمایا۔

''جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہو تو سپاہ کی طاقت کو منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہوتا۔''

سلطان کو ابھی تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ اس شکست کی وجہ ایک گہری سازش ہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ سلطان اسی وقت بنگلور پر حملہ کر دیتا۔

سلطان نے نواحِ ماگڑی میں قیام کیا۔

اس کے چوتھے روز انگریزوں نے تین ہزار ہندوستانی سپاہی اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑے اور دیون ہلی کے قریب کیمپ لگایا۔

Marfat.com

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں شریک تھا اس لئے بغیر کسی جنگ کے قلعہ دیون ہلی انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔

انگریز یہاں سے چک بالا پور پہنچے اور اس پر قبضہ کر لیا۔

چک بالا پور قدیم وقتوں میں رام سوامی گوڈھ کے پاس تھا۔ کارنوالس نے ایک لاکھ روپے کے عوض چک بالا پور اُس کے اوّلین مالک کو دے دیا۔

کارنوالس نے یہ قدم اس لئے اُٹھایا تا کہ میسور کے پرانے حاکموں میں یہ خبر پھیل جائے کہ انگریز سلطان سے علاقے واپس لے لے کر ان کے وارثوں کے حوالے کر رہے ہیں۔

کارنوالس کے اس اقدام سے واقعی پرانے وارثین پر بہت اثر ہوا۔ اُنہوں نے سلطان کے خلاف پورے ملک میں بغاوت کی آگ کو اور زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا۔

سلطان انگریزوں کے تعاقب میں بالا پور کی طرف روانہ ہوا۔ بالا پور کے لوگوں کو سازشیوں نے پہلے ہی بھڑکا دیا تھا۔ چنانچہ جب سلطان کا ہراول دستہ بالا پور کے قریب پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے سلطان کو چڑانے کے لئے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دیا اور بعض لوگوں نے جنگلی بگل بجانا شروع کر دیئے۔

سلطان کو ان لوگوں کے اس ناشائستہ رویئے پر سخت غصہ آیا اور اُس نے لشکر کو حملہ کا حکم دے دیا۔

اس لڑائی میں دو ہزار آدمی مارے گئے اور 300 پیادوں کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے اُن سب کے ہاتھ پیر کاٹنے کا فرمان جاری کیا۔

سلطان اب تک کشن راؤ کی غداری سے بے خبر تھا اس لئے اُس نے کشن راؤ کو سرنگا پٹم کے انتظام کے لئے بھیج دیا اور خود بالا پور کی فتح کے بعد سلگٹہ سے ہوتا ہوا وینکٹ گری کوٹہ کے مقام پر پہنچا اور انگریز لشکر کے سامنے خیمہ زن ہوا۔

صبح کو سلطان حملہ کی تیاری کر رہا تھا کہ سرنگا پٹم سے ایک تیز رفتار قاصد اُس کے پاس پہنچا اور سلطان کی والدہ ماجدہ کا ایک خط اُن کے حوالے کیا۔ اس خط میں ایک نئی سازش کا انکشاف کیا گیا تھا۔

اس مختصر مگر اہم خط میں درج تھا:۔

"کشن راؤ نے کھانڈے راؤ مردود کی طرح فتنہ اور بغاوت کا جال بچھایا ہے اور بمبئی سے ایک لشکر کثیر آنے والا ہے۔ قلعہ کے اندر ہم سب موت کے منہ میں

Marfat.com

بیٹھے ہیں۔ تم سب سے پہلے دارالسلطنت کی خبر لو۔ ورنہ پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔"

سلطان نے خط کے مندرجات سے آگاہ ہونے کے بعد انگریزوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ معطل کر دیا اور اُسی روز سید صاحب کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ دارالسلطنت کے انتظام اور کشن راؤ کو اُس کے انجام تک پہنچانے کے لئے سرنگا پٹم روانہ کر دیا۔

اگر سلطنت خداداد کے خلاف ہونے والی سازشوں کو شمار کیا جائے تو نمبر کے اعتبار سے یہ آٹھویں یا نویں سازش ہوتی ہے۔

اس سازش میں بھی ہندوؤں کے علاوہ راج محل کی رانیوں خصوصاً لکشما کا پورا ہاتھ تھا۔ مگر ان کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا۔

اس سازش کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام سازشوں میں ایک ہی منصوبہ بنایا جاتا رہا تھا کہ سرنگا پٹم میں موجود مسلمان افسروں کو قتل کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ان سازشوں میں ایک بات کی اور یکسانیت پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہر منصوبے کو کسی نہ کسی عورت نے افشا کیا تھا۔

اس سازش کا انکشاف بظاہر سلطان کی والدہ کی طرف سے ہوا لیکن اُنہیں اس سازش کی خبر بختاور نامی ایک کنیز زادی نے دی تھی۔

تمام تواریخ میں بختاور نامی کنیز زادی کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے اس کے نام میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بختاور کے گرد جو کہانیاں بنی گئی ہیں ان میں کچھ بیانیہ اختلاف ہے مگر یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ بختاور نے جان پر کھیل کے جو قدم اُٹھایا اس کے پس منظر میں بھی عشق خانہ خراب کی سرشاریاں موجود تھیں۔

کشن راؤ معتمد سلطانی کی بغاوت اور بختاور کی دلیری کی یہ کہانی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب سلطان نے قلعہ بنگلور کے قبضہ کے دوران اپنے معتمد اور وفادار وزیر کشن راؤ کو سرنگا پٹم کے انتظام کے لئے دارالسلطنت بھیجا تو راؤ کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

کشن راؤ ان سازشیوں میں شامل تھا جنہیں انگریزوں نے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ تمام لوگ بظاہر سلطان کے ہمدرد اور وفادار تھے مگر دراصل انگریزوں کو تمام خبریں پہنچاتے اور در پردہ ان کے لئے رسد وغیرہ کا انتظام کیا کرتے تھے۔

کشن راؤ جسے کرشن راؤ بھی لکھا گیا ہے، کے گروہ میں سوامی گوڑہ، وینکٹ نائر، جوگی پنڈت نائب صوبے دار ارکاٹ، ہرپن پلی اور رائے درگ کے پالیگار پیش پیش تھے۔ انگریزوں نے بالا پور خود فتح کر کے ایک لاکھ سالانہ کے عوض رام سوامی گوڑہ کے حوالے کر دیا

Marfat.com

تھا کہ یہ شخص اس علاقے کے اوّلین وارثوں میں سے تھا۔
یہ علاقہ حاصل ہوتے ہی اُس نے اپنے خرچ پر اور اپنے آدمیوں کے ذریعے سلطان کے خلاف دُور ونزدیک بغاوت کا زہر پھیلانا شروع کر دیا۔
جوگی پنڈت ریاست میسور کے تمام مندروں کے بڑے پنڈتوں کا نمائندہ تھا۔ یہ پنڈت رانی لکشما کے اشارے پر میسور کو مسلمانوں سے واپس لے کر وہاں پرانی ہندو ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جوگی پنڈت مذہب کی آڑ میں سلطان کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا تھا۔
وینکٹ نائر، نائر قوم کا ایک بڑا سردار تھا اور نائروں کی حکومت بنانے میں دلچسپی رکھتا تھا۔
ہرپن ہلی اور رائے درگ کے علاقے چھوٹے چھوٹے زمینداریوں پر مشتمل تھے اور ان کے زمینداروں یعنی پالیگاروں کو ان کی خودسری کی وجہ سے سلطان نے معزول کر دیا تھا۔
ہر سازش کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے راجہ اوڈیر کی حاکمیت بحال کی جائے اور میسور پہلے کی طرح پھر ایک ہندو ریاست بن جائے۔
سرنگاپٹم دارالسلطنت تھا۔ سلطان اور اس کا پورا شاہی خاندان یہیں رہتا تھا۔ سرنگاپٹم کی حفاظت کے لئے قلعہ کو مضبوط کیا گیا تھا اور قلعہ دار اور سپہ سالار عام طور پر مسلمان مقرر کئے جاتے تھے۔ سپہ دار یعنی قلعہ کے دروازوں کے محافظوں کا سردار بھی عام طور پر مسلمان ہی ہوتا تھا۔
کشن راؤ جب تک معتمد سلطانی رہا اُسے سلطان کے ساتھ ساتھ رہنا پڑتا تھا اور وہ سوائے سلطان کے دشمنوں یعنی انگریزوں کو خبریں پہنچانے کے اور کوئی عملی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ دشمن کو خبریں بھیجنا بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا اور اس بنا پر انگریز اپنے لشکر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے احتیاط برتتے اور ان راستوں کو استعمال نہ کرتے جن کے بارے میں ان کو اطلاع دی جاتی کہ ادھر سلطانی فوجیں گھات لگائے بیٹھی ہیں۔
مگر اب...... جبکہ کشن راؤ سرنگاپٹم پہنچ چکا تھا اور اُسے دارالسلطنت کی دیکھ بھال کا کام سونپا گیا تھا تو اُس کے اختیارات میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ پس اُس نے سرنگاپٹم پہنچتے ہی اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔
کشن راؤ اگرچہ قلعہ دار نہ تھا لیکن اب اُس کے اختیارات گورنر جیسے تھے اور وہ شہر اور قلعہ کے تمام سول محکموں کا سربراہ تھا۔ کشن راؤ نے اپنا دفتر اپنے محل ہی میں بنایا تھا۔ یہ دراصل ایک پرانی حویلی تھی جسے اُس نے معتمد سلطانی ہونے کے بعد ایک محل میں تبدیل کر دیا تھا۔
اب اُس کے اختیارات لامحدود تھے۔ سرنگاپٹم کے تمام مسلمان افسر ایک طرح سے اُس

Marfat.com

کے ماتحت تھے اور اُس کی کسی صورت مخالفت لینے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اُنہیں علم تھا کہ اگر کشن راؤ نے کسی کی شکایت سلطان تک پہنچادی تو اس کی ملازمت فی الفور ختم ہوسکتی ہے۔

کشن راؤ ایک عیاش طبع اور شرابی افسر تھا۔ عیاش طبع اس لئے کہ سرنگا پٹم کی سرزمین پر ایک ہندو ریاست قائم ہونے کی وجہ سے وہاں عہد قدیم ہی سے عیاشی کا دور دورہ رہا تھا۔ ہندو پنڈت اور پروہت، مذہب کی آڑ میں بھکشو عورتوں کے ساتھ مندروں کی اندھیری کوٹھریوں کو اپنی عیاشیوں سے روشنی اور رونق بخشتے تھے۔ شراب اُن کے مذہب میں عام تھی۔ اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد بھی حیدر علی یا سلطان ٹیپو نے ہندوؤں کے لئے شراب نوشی کو منع قرار نہیں دیا تھا۔

شراب کو اُمّ الخبائث کہا گیا ہے۔ یعنی شراب تمام برائیوں کی ماں ہے۔

کشن راؤ کی بیوی اگرچہ کم عمر اور بہت زیادہ حسین اور وفادار تھی۔ لیکن جسے عیش و عشرت کا چسکا پڑ گیا ہو وہ فرشتہ صفت بیوی کی کب پرواہ کرتا ہے؟

کشن راؤ کوشش کرتا تھا کہ اُس کی سیاہ کاریوں پر پردہ پڑا رہے اس لئے وہ کسی عورت کو گھر نہ بلاتا تھا لیکن جب اُس کے یہاں دوستوں کی دعوت ہوتی اور اس میں سرنگا پٹم اور دوسرے مقامات کے بڑے بڑے ہندو امرا مدعو ہوتے تو اسے ان کی خاطر داری کے لئے شراب و شباب کا انتظام کرنا پڑتا۔

کشن راؤ کی شادی کو چار سال گزر چکے تھے مگر ابھی تک وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے اُمید ہو چلی تھی کہ شاید وہ باپ بن جائے۔

یوں تو آئے دن اُس کی بیوی کو دیکھنے ایک نہ ایک دائی آیا ہی کرتی تھی لیکن اس کے خاندان والوں نے اُسے مجبور کیا تھا کہ مادر ملکہ یعنی سلطان کی والدہ محترمہ سے درخواست کرے کہ وہ شاہی دائی کو اجازت دیں کہ وہ کشن راؤ کی بیوی کو دیکھنے آئے۔

چنانچہ کشن راؤ نے ایک دن مادر ملکہ کے حضور پیش ہو کر عرض کیا۔

''عالی مقام مادر ملکہ! میں اپنی اور اپنی بیوی کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ بختاور کی ماں کو ایک بار میری بیوی کو دیکھنے کی اجازت دی جائے۔''

شاہی دائی کا اصل نام گلاب تھا لیکن وہ پورے سرنگا پٹم میں بختاور کی ماں کے نام سے مشہور تھی۔ بختاور، گلاب کی اکلوتی بیٹی تھی اور ماں کے ساتھ امیروں اور وزیروں کے محلات اور حویلیوں میں بچہ کی پیدائش کے وقت جایا کرتی تھی۔

مادر ملکہ کو معلوم تھا کہ کشن راؤ کی بیوی ان دنوں اُمید سے ہے۔ کشن راؤ نے اپنی بیوی کو

Marfat.com

دارالسلطنت کی ہر دائی کو دکھایا تھا اور سب نے اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ واقعی باپ بننے والا ہے۔ لیکن کشن راؤ کو کسی طرح یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ اور آخر خاندان والوں کے کہنے سننے پر آج وہ بختاور کی ماں کو لینے آیا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ اگر گلاب نے بھی وہی کہا جو سب دائیاں کہہ رہی ہیں تو پھر اس بات میں واقعی کوئی شک نہیں ہے کہ وہ باپ بننے والا ہے۔

بختاور کی ماں ایک نہایت تجربہ کار دائی تھی۔ خاندانی دائی ہونے کی وجہ سے اُس کا تقریباً ہر محل اور بڑی حویلی میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور تمام بیگمات اُسے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ہندو رانیاں بھی ایسے موقعوں پر اسی کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

مادر ملکہ، بختاور کی ماں کو مسلمان امیروں کے گھر تو بھیج دیا کرتی تھیں مگر راج محل یا دوسرے ہندو افسروں کے گھروں میں بھیجنے پر وہ ناک بھوں چڑھاتی تھیں۔

کشن راؤ بھی ہندو تھا مگر اُس کی حیثیت معتمد سلطانی کی تھی اور اب وہ سرنگا پٹم کا گورنر ہو کے آیا تھا۔ مادر ملکہ انکار نہ کر سکیں۔ اُنہوں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کشن راؤ! گھبراؤ نہیں۔ ہمیں معلوم ہے سلطان ٹیپو تمہارا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ تمہیں جب ضرورت پڑے بختاور کی ماں کو بلوا لینا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

''مادرِ مہربان!'' کشن راؤ نے جلدی سے کہا۔ ''میں تو شاہی دائی کو لینے آیا تھا۔ میری بیوی کو اس وقت اُس کی ضرورت ہے۔ آپ اجازت مرحمت فرمائیے۔ عین نوازش ہو گی۔''

مادر ملکہ کو کشن راؤ کا بختاور کی ماں کو ''دائی'' کہنا کچھ ناگوار گزرا۔ اُنہوں نے تنبیہ کے لہجے میں کہا۔ ''کشن راؤ! ہم بختاور کی ماں کو تمہارے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ لیکن خیال رہے کہ تم اسے بختاور کی ماں ہی کہنا۔ دائی مت کہنا۔ شاید اسے برا لگے۔''

کشن راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بولا۔ ''مادر ملکہ! مجھے اپنی غلطی پر افسوس ہے۔ اب ایسی غلطی ہرگز نہ ہو گی۔''

مادر ملکہ نے کنیز بھیج کر بختاور کی ماں کو بلوایا۔

''کشن راؤ! تم تو جنگ کے علاقے سے آئے ہو۔'' مادر ملکہ نے اس دوران اُس سے پوچھا۔ ''وہاں کا کچھ حال سناؤ۔ سنا ہے کہ بدیسی قوم بڑی مکار ہے۔ وہ ہمارے آپس کے جھگڑوں سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔''

''مادر ملکہ!'' کشن راؤ بڑے پُرجوش لہجے میں بولا۔ ''سلطانِ معظم کے اقتدار کی قسم۔ انگریز

Marfat.com

قوم واقعی بہت دھو کے باز ہے۔ مگر سلطان اس کی ایک نہیں چلنے دیتے اور سلطانی لشکر کا تو کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔''

''ہوں...... ہوں۔'' ضعیف العمر مادر ملکہ نے سر ہلایا۔ ''خدا سلطان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

اسی وقت بختاور کی ماں آ گئی۔ اس کے آگے آگے بارہ تیرہ سال کی ایک چھوکری اُچھلتی کودتی چلی آ رہی تھی۔

''سلام بڑی ملکہ!'' بختاور نے قریب پہنچ کر ماں سے پہلے مادر ملکہ کو سلام کیا۔ بختاور کی ماں، مادر ملکہ کو سلام کر کے خاموش کھڑی ہو گئی۔

''بختاور کی ماں!'' مادر ملکہ نے متین لہجے میں کہا۔ ''یہ ہیں کشن راؤ۔ سلطان نے انہیں سرنگا پٹم کا گورنر بنا کر بھیجا ہے۔ تمہیں ان کی بیوی کو دیکھنا ہے۔'' پھر وہ ذرا دیر رُک کے بولیں۔ ''یہ خیال رکھنا کہ کشن راؤ کو باپ بننے کی بہت آرزو ہے۔ شادی کو برسوں ہو گئے ہیں مگر اب تک اولاد کو ترس رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مادر ملکہ! میں سمجھ گئی۔'' بختاور کی ماں نے مادر ملکہ کی بات کے جواب میں ادب سے کہا۔

''میں بھی جاؤں گی ماں!'' بختاور نے اچانک دخل دیا۔

''چپ ہو جا بختاور!'' ماں نے اُسے ہلکے سے ڈانٹا۔ ''بیچ میں نہیں بولا کرتے۔''

''ڈانٹ کیوں رہی ہو ماں؟ میں نے کوئی بری بات کی ہے؟'' اور بختاور نے منہ پھلا لیا۔

مادر ملکہ نے کشن راؤ سے دریافت کیا۔ ''تم سواری لے کر آئے ہو کیا؟''

''جی مادر ملکہ!'' کشن راؤ نے جواب دیا۔ ''سواری میرے ساتھ ہے۔''

''بختاور کی ماں! تم ان کے ساتھ اسی وقت چلی جاؤ'' مادر ملکہ نے حکم دیا۔

بختاور کی ماں اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ''جو حکم مادر ملکہ!''

بختاور نے پھر ضد کی۔ ''میں بھی ساتھ چلوں گی ماں!''

''لیتی جاؤ اسے بھی۔'' مادر ملکہ نے سفارش کر دی۔

اس طرح بختاور اور اُس کی ماں کا کشن راؤ کی حویلی میں آنا جانا ہوا۔

بختاور روز ماں کے ساتھ کشن راؤ کے ہاں جاتی اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے کشن راؤ کی بیوی کا دل بہلاتی۔ کشن راؤ کی بیوی بختاور سے اس قدر مانوس ہو گئی کہ وہ بغیر کام کے بھی اُسے اپنے پاس بلوائے رکھتی تھی۔

Marfat.com

یہ وہی ایام تھے جب سلطان کے خلاف کشن راؤ ایک زبردست سازش میں لگا ہوا تھا۔ سرنگاپٹم میں وہ گورنر تھا اور گورنر پورے علاقہ کا مالک ہوتا ہے۔ چنانچہ اب اُس کی حویلی میں باغیوں، غداروں اور سازشیوں کے روز اجلاس ہوتے تھے جن میں سرنگاپٹم سے باہر کے لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔

کشن راؤ کی بیوی بہت نیک اور شریف عورت تھی۔ اُسے شوہر سے بھی بہت محبت تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سلطان اور شاہی خاندان کو بھی دُعائیں دیتی تھی کہ اُس کے شوہر کو ہندو ہونے کے باوجود گورنر جیسا اہم عہدہ دیا گیا تھا۔

اُسے کوئی کام کاج تو تھا نہیں۔ طبیعت بھاری رہنے کی وجہ سے وہ بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ پھر ایک دن اُس نے محسوس کیا کہ حویلی میں باہر کے لوگوں کا آنا جانا زیادہ ہی شروع ہو گیا ہے۔ اب تو رات کو بھی لوگ آنے جانے لگے تھے۔

عورتوں کی فطرت ہوتی ہے کہ اگر انہیں کسی بات پر شبہ ہو جائے تو وہ اس کی ٹوہ میں لگ جاتی ہیں اور جب تک حقیقت معلوم نہ کر لیں انہیں چین نہیں آتا۔ یہی حال کشن راؤ کی بیوی کا ہوا۔ وہ اپنی جگہ سخت پریشان تھی کہ آخر حویلی میں لوگ رات رات بھر کیوں ٹھہرے رہتے ہیں؟ بعض لوگوں کو تو کشن راؤ نے مستقل طور پر ہی ٹھہرا لیا تھا۔

پھر یہ راز اُس پر جلد ہی کھل گیا۔

ایک شب وہ کچھ بے چین تھی اور اُسے نیند نہ آ رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ حویلی کی بیٹھک صحن کے دوسری طرف تھی۔ پھر بھی وہاں بیٹھے باتیں کرنے والوں کی آوازیں اس تک آ رہی تھیں۔

آخر تجسس اور شک، کشن راؤ کی بیوی کو کشاں کشاں مہمان خانے کے برابر والے کمرے تک کھینچ کر لے گیا۔ اس کمرے میں بیٹھ کر وہ مہمان خانے میں ہونے والی گفتگو اچھی طرح سن سکتی تھی۔ ابھی اُس نے چند ہی باتیں سنی تھی کہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''ہائے رام...... یہ کیا؟ کشن راؤ اپنے سلطان کے خلاف باتیں کر رہا ہے۔'' یہ خیال اُس کے دماغ میں پیدا ہوا اور جم کے رہ گیا۔ اب وہ کھڑکی سے لگ کے کھڑی ہو گئی اور صبح تک کشن راؤ اور اُس کے ساتھیوں کی ہر ہر بات غور سے سنتی رہی۔

پھر...... جب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا شوہر ایک نمک حرام اور غدار آدمی ہے۔ سلطان نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے مگر وہ پھر بھی سلطان کا تختہ اُلٹنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

Marfat.com

اب تو کشن راؤ کی بیوی رات ہوتے ہی مہمان خانے کے برابر والے کمرے میں چھپ کر بیٹھ جاتی اور غداروں، باغیوں اور احسان فراموشوں کی باتیں اور منصوبے سنتی رہتی...... اس طرح اُسے اس سازش میں شریک تقریباً تمام لوگوں کے نام معلوم ہو گئے۔ ان لوگوں میں سرنگاپٹم کے علاوہ باہر کے افراد زیادہ تھے۔

O

کشن راؤ کی بیوی تمام حالات سے واقف ہو چکی تھی۔ وہ ایک محب وطن عورت تھی لیکن دوسری طرف اُس کا جیون ساتھی تھا جس سے وہ بے پناہ محبت کرتی تھی۔

اُس کے دل میں کش مکش کئی دن جاری رہی جس کے نتیجہ میں اُس کی طبیعت سخت خراب ہو گئی اور وہ کئی دن بے ہوش پڑی رہی۔

اپنی بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں کشن راؤ کی بیوی نے یہ محسوس کیا کہ اس کا شوہر نہ صرف اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو گیا ہے بلکہ اب وہ انسان سے شیطان بن چکا ہے۔ اور اگر اس کی لگامیں جلد نہ کھینچی گئیں تو شاہی محلات اور ان کے مکین جل کے راکھ ہو جائیں گے۔

پس...... جس طرح اُس کا شوہر اپنے آقا کی وفاداری سے باغی ہو گیا تھا بالکل اسی طرح کشن راؤ کی بیوی اپنے شوہر سے باغی ہو گئی۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ سلطان کے خلاف اس سازش کو ناکام بنائے گی۔ خواہ اس کے لئے اُسے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

ایک دن جب بختاور اُس کے پاس آئی تو کشن راؤ کی بیوی نے باتوں باتوں میں اُس سے پوچھا۔ ''کیوں بختاور، تو اپنی ماں کو کتنا چاہتی ہے؟''

''بہت چاہتی ہوں۔ سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔'' بختاور نے پٹ سے جواب دیا۔

کشن راؤ کی بیوی نے دوسرا سوال کیا۔ ''اچھا اب یہ بتا کہ تو اپنی مالکن کو کتنا چاہتی ہے؟''

''مالکن یعنی مادر ملکہ کو پوچھ رہی ہیں آپ؟''

''ہاں ہاں۔ وہی تو تیری مالکن ہیں۔''

''اُنہیں بھی بہت چاہتی ہوں۔''

''کیوں چاہتی ہو آخر؟''

''وہ تو مادر ملکہ ہیں۔'' بختاور کے لہجے میں ادب آ گیا۔ ''سب کی ماں ہیں۔ محل والوں کی بھی اور محل سے باہر والوں کی بھی۔''

''اور سلطان کو تو کتنا چاہتی ہے؟''

Marfat.com

''اُنہیں تو سب سے زیادہ چاہتی ہوں۔'' بختاور کے چہرے پر قوس وقزح بکھر گئی۔ ''وہ تو پوری دنیا کے مالک ہیں۔ بس خدا اُن سے بڑا ہے اور سب اُن سے چھوٹے ہیں بی بی۔''

''اچھا یہ بتا۔'' اُس نے ذرا سنبھل کر کہا۔ ''اگر کوئی سلطان کو مارنے کی کوشش کرے تو، تو کیا کرے گی؟''

''میں..... میں اُس کی دانتوں سے بوٹیاں نوچ لوں گی۔'' بختاور لال بھبوکا ہو گئی۔ ''کس کی مجال ہے جو سلطان کو مارنے کی کوشش کرے۔''

کشن راؤ کی بیوی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خود سے کہا۔ ''یہ معصوم بچی سلطان کو کس قدر چاہتی ہے۔ سلطان نے کچھ نہیں دیا اسے، پھر بھی یہ سلطان کو چاہتی ہے۔ اس لئے چاہتی ہے کہ سلطان، سلطان ہے۔ سب کا سلطان۔ ہمارا سلطان۔ اس کا سلطان۔ مگر..... مگر ایک وہ ہے کہ سلطان نے اسے سب کچھ دیا لیکن وہ پھر بھی سلطان کو ختم کرنا چاہتا ہے۔''

بختاور بڑی خاموشی مگر بہت غور سے کشن راؤ کی بیوی کی خود کلامی سن رہی تھی۔ جب اُس نے کہا کہ۔ ''وہ پھر بھی سلطان کو ختم کرنا چاہتا ہے۔'' تو وہ خاموش نہ رہ سکی اور زور سے چیخ پڑی۔ ''کون..... کون سلطان کو ختم کرنا چاہتا ہے؟ مجھے بتاؤ! میں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گی..... کون ہے وہ؟ بتاؤ تو مجھے.....''

''بختاور.....!'' کشن راؤ کی بیوی بڑی افسردگی سے بولی۔ ''یہ بات میں تجھے کبھی نہ بتاتی مگر کیا کروں، تجھے بتائے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ اس وقت مادر ملکہ اور شاہی محلات کے تمام لوگ بڑے خطرے میں ہیں۔ ان سب کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اگر ان غداروں کو نہیں روکا گیا تو پورا سرنگا پٹم آگ میں بھسم ہو جائے گا۔''

کشن راؤ کی بیوی نے رُک کر بختاور کو دیکھا۔ بختاور منہ کھولے حیران نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں پوری بات تو نہ آئی تھی لیکن جتنا سمجھی تھی اس نے اُسے بدحواس کر دیا تھا۔

''تیری سمجھ میں کچھ آیا بختاور؟'' کشن راؤ کی بیوی نے اُس سے پوچھا۔ ''میں نے کیا کہا ہے ابھی؟''

''سردارنی!'' بختاور نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''کچھ کچھ سمجھ میں آیا ہے میرے۔ مگر یہ سب کون کر رہا ہے؟ آپ اپنے آدمی (میاں) سے کہہ کر اُسے پکڑوا کیوں نہیں دیتیں؟''

کشن راؤ کی بیوی نے پھر ایک گہری سانس لی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو بختاور! ہمارے سلطان نے کشن راؤ کو سرنگا پٹم کا گورنر بنا کر اسی لئے بھیجا تھا کہ یہاں اگر کچھ گڑبڑ ہو تو کشن راؤ

Marfat.com

گڑبڑ کرنے والوں کو پکڑے اور ان کو سزا دے۔"

"پھر آپ کہتی کیوں نہیں اُن سے؟" بختاور نے اپنی عقل کے مطابق بات کی۔ "لوگ پکڑے جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

کشن راؤ کی بیوی نے دُور خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو بختاور! اب مجھے کہنا ہی پڑے گا۔ مگر کس سے کہوں؟ کشن سے؟" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ "میری بھولی بختاور! میں کشن راؤ سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ کشن راؤ...... میرا شوہر یعنی سرنگاپٹم کا گورنر...... وہ...... وہ سلطان سے باغی ہو گیا ہے۔ اُس نے غداری پر کمر باندھ لی ہے...... کشن راؤ ہی تو سب کچھ کر رہا ہے۔ رات رات بھر میرے گھر میں منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ کشن راؤ سلطان کو تباہ کر کے سرنگاپٹم کا وزیراعظم بننا چاہتا ہے۔ وہ انگریزوں سے مل گیا ہے...... وہ نمک حرام ہو گیا ہے...... اور......"

کشن راؤ کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بختاور گھبرا گئی۔ اُس کی ننھی سی سمجھ میں یہ تو آ گیا تھا کہ گورنر کشن راؤ، سلطان سے غداری کر رہا ہے۔ مگر اب اُس کی سمجھ میں یہ نہ آ رہا تھا کہ وہ کشن راؤ کی بیوی کی اس حالت کو کیسے سنبھالے؟ کشن راؤ کی بیوی اس طرح رو رہی تھی جیسے اُس کا کوئی رشتے دار مر گیا ہو۔ چنانچہ بختاور چپ بیٹھی اُسے روتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اچھی طرح آنسو بہا لینے سے کشن راؤ کی بیوی کا دل کچھ ہلکا ہوا تب اُس نے بختاور کو اپنے اعتماد میں لیا اور اُسے اچھی طرح سمجھا بجھا کر مادر ملکہ کے پاس ایک خاص پیغام دے کر بھیجا۔

اس پیغام کے نتیجے میں پہلا کام یہ ہوا کہ ایک گھنٹہ بعد مادر ملکہ کی خاص سواری کشن راؤ کی حویلی پر آ کے رُکی۔ سواری میں سے مادر ملکہ کی خاص کنیز اُتری اور اندر پہنچ کر اُس نے کشن راؤ سے گفتگو کی۔ جس کے نتیجے میں کشن راؤ نے اپنی بیوی کو شاہی سواری میں بٹھا کر مادر ملکہ کے پاس بھیج دیا۔

OOO

Marfat.com

●

سلطان ٹیپو کشن راؤ کی غداری سے بے خبر تھا۔ وہ کشن راؤ کو دارالسلطنت کے انتظام کے لئے بھیج کر بالا پور ہوتا ہوا وہ سلکٹہ پہنچا۔ پھر وہاں انگریزوں سے مقابلے کے لئے وینکٹ گری کوٹہ کے مقام پر ڈیرے لگا دیئے۔ انگریزی فوج اُس کے مقابل ٹھہری ہوئی تھی۔ صبح کو انگریزوں پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سلطان کے پاس دارالسلطنت سے ایک تیز رفتار قاصد پہنچا۔ اُس نے سلطان کو مادر ملکہ کی طرف سے لکھا ہوا ایک خط پیش کیا جس میں درج تھا:۔

''کشن راؤ نے کھانڈے راؤ مردود کی طرح بغاوت کا جال پھیلایا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بمبئی سے انگریزی فوجِ کثیر سرنگا پٹم آ رہی ہے۔ ہم لوگ موت کے منہ میں بیٹھے ہیں۔ تم سب سے پہلے دارالسلطنت کی خبر لو۔ ورنہ پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔''

سلطان خط پڑھ کر سناٹے میں آ گیا۔ وہ کشن راؤ کی غداری کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ اُس نے اُسی وقت سید صاحب کے زیر کمان ایک لشکر کثیر سرنگا پٹم روانہ کر دیا۔

سلطان نے سید صاحب کو تاکید کی۔ ''خبردار...... راستے میں ذرا بھی دیر نہ ہو۔ کشن راؤ کو بے خبری میں جا پکڑو اور تمام غداروں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔''

سید صاحب کو سرنگا پٹم روانہ کرنے کے بعد سلطان نے میر قمر الدین کو سپہ سالار مقرر کیا اور اُنہیں حکم دیا کہ۔

''آپ انگریزوں پر حملہ کریں۔''

پھر...... وہ خود بھی تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر دارالسلطنت سرنگا پٹم کی طرف روانہ ہو گیا۔

میر قمر الدین نے فوراً اپنے لشکر کو حیدر آبادی لباس پہننے کا حکم دیا تا کہ اس کی شناخت نہ ہو سکے۔

سب کو معلوم تھا کہ سلطان سے لڑنے کے لئے حیدر آبادی لشکر بھی میسور میں داخل ہو چکا ہے اس لئے اس لشکر پر کسی کو شبہ نہ ہوا اور قمر الدین بیت منگل اور مالور کے راستہ بنگلور کی طرف روانہ ہوا۔

Marfat.com

راستے میں سامانِ رسد کا ایک بڑا کارواں دکھائی دیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سامان انگریز لشکر کے لئے جا رہا ہے۔

قمر الدین نے تھوڑی سوچ بچار کے بعد قافلے پر حملہ کر کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس لوٹ میں پانچ ہزار بیل قمر الدین کے ہاتھ لگے اور 200 آدمی گرفتار کئے گئے۔ قمر الدین اسی طرح لوٹ مار کرتا ہوا بنگلور کی طرف چلتا گیا۔

اس قافلے کے علاوہ اور کچھ قافلے بھی اُسے راستے میں ملے جو انگریزوں کے لئے رسد لے کر جا رہے تھے۔ قمر الدین نے ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز لشکر کو رسد ملنا بند ہو گئی اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ شاید نواب حیدر آباد ان سے باغی ہو کر سلطان سے مل گیا ہے۔ چنانچہ لشکریوں نے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔

○

دوسری طرف سید صاحب ماگڑی کے جنگل اور اتری واگ کے راستے بھاگم بھاگ معہ لشکر کے سرنگاپٹم پہنچے۔

اس وقت نصف شب گزر چکی تھی۔ اُنہوں نے کچھ وقت دریا کے کنارے گزارا، پھر صبح سے کچھ پہلے 500 جانثاروں اور اپنے خاص آدمیوں کو لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیتے گئے۔

قلعہ کا دروازہ اس وقت بند تھا۔ سید صاحب نے دروازہ کھولنے کے لئے دربان کو آواز دی۔ دروازے پر رسالدار اسد خاں متعین تھا۔ اُس نے فوراً دروازہ کھلوا دیا۔

سید صاحب نے قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہی اپنے آدمیوں کو خاص خاص مقامات پر پہرے پر لگا دیا پھر سیدھے مادر ملکہ کے محل پر پہنچے۔

مادر ملکہ کو پریشانی کی وجہ سے نیند نہ آتی تھی۔ وہ اس وقت بھی جاگ رہی تھیں۔ سید صاحب کی اطلاع پا کر گھبرائی ہوئی آئیں اور آتے ہی پہلا سوال کیا۔

''سلطان خیریت سے ہے نا؟''

''الحمد للہ سلطانِ معظم بخیریت ہیں۔''

''تنہا آئے ہو کہ لشکر ساتھ ہے؟''

''بے فکر رہئے۔ بہت بڑا لشکر ساتھ ہے۔''

''کشن راؤ کو اطلاع ہوئی کہ نہیں؟''

''بالکل نہیں۔''

Marfat.com

مادر ملکہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''پہلے کشن راؤ کو گرفتار کرو۔'' اُنھوں نے حکم دیا۔ ''پھر کچھ اور گفتگو ہوگی۔''

سید صاحب نے تعمیل حکم میں سر جھکا دیا اور وہیں کھڑے کھڑے ساتھ آئے ہوئے دستے کو حکم دیا۔ ''کشن راؤ کی حویلی کو گھیرے میں لے کر اسے گرفتار کرو۔ خبردار وہ بھاگنے نہ پائے۔''

ادھر فوجی دستہ کشن راؤ کو گرفتار کرنے روانہ ہوا، ادھر سید صاحب نے مادر ملکہ سے اجازت لے کر ان کے محل میں کچہری لگائی اور قلعہ دار، رسالدار، پہرے دار اور تمام چھوٹے بڑے افسروں کو طلب کر لیا۔

○

کشن راؤ کی حویلی پر فوجی دستہ پہنچا۔ اُس کی حویلی پر پانچ مسلح ہندو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سید صاحب کے بھیجے ہوئے دستہ کے سردار نے پہریدار کی طرف دیکھ کر سرد لہجے میں کہا۔

''کشن راؤ کو باہر لاؤ!''

''گورنر مہاراج رات بہت دیر سے سوئے ہیں۔'' ایک پہرے دار نے بڑی رعونت سے اکڑ کر کہا۔

سردار کو غصہ آ گیا۔ وہ چیخ کر بولا ''یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں ہے۔ اندر جاؤ اور اُسے باہر بھیجو۔''

''ہمیں جگانے کا حکم نہیں ہے۔'' پہرے دار نے اس تلخی کی کوئی پرواہ نہ کی۔

سردار نے حکم دیا۔ ''اندر گھس جاؤ اور کشن کو پکڑ کر لے آؤ۔''

اُس وقت تک گورنر کشن راؤ کو اطلاع پہنچ گئی تھی کہ کچھ سپاہی حویلی کے پہریداروں سے اُلجھ رہے ہیں۔ وہ بڑبڑاتا ہوا باہر آ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' کشن راؤ سپاہیوں کو دیکھ کر بڑے غصے سے بولا۔ ''کیوں اودھم مچایا ہے؟ کون ہو تم لوگ؟''

''تمھیں ہمارے ساتھ چلنا ہے کشن راؤ!'' سردارِ دستہ نے کہا۔

کشن راؤ بپھر گیا۔ ''کون ہے تو؟ معلوم ہے کہ تو کس سے بات کر رہا ہے؟''

''کشن راؤ! بک بک نہ کر اور میرے ساتھ چپ چاپ چل۔'' سردار بھی لال پیلا ہو گیا۔ ''یہ حکم سپہ سالار دولت خداداد میسور، سید صاحب کا ہے۔''

سپہ سالار کا نام سن کر کشن راؤ کی سٹی گم ہو گئی۔ گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ ''سید صاحب، وہ تو سلطانِ اعظم کے ساتھ ہیں۔ اُن کا حکم یہاں کیسے پہنچا؟''

Marfat.com

دستہ سردار نے بحث کرنے کی بجائے وضاحت کی۔ ''سید صاحب خود یہاں تشریف لائے ہیں۔ اس وقت مادر ملکہ کے محل میں کچہری لگائے بیٹھے ہیں۔ تمہیں طلب کیا ہے۔''

کشن راؤ کا رنگ فق ہو گیا۔ گھگھیا کر بولا۔ ''میں سید صاحب کے حضور ابھی پیش ہوتا ہوں۔ آپ لوگ چلئے میں کپڑے بدل کر آ رہا ہوں ملکہ مادر کے محل پر......''

''مکار! بھاگنا چاہتا ہے؟'' سردار نے ڈپٹ کر کہا۔ ''سپاہیو! پکڑ لو اسے اور گھسیٹتے ہوئے لے چلو۔''

''نہیں نہیں...... میں چل رہا ہوں۔'' اور وہ جلدی سے دو قدم آگے آ گیا۔

فوجی دستہ نے کشن راؤ کو مہلت دی نہ موقع...... اور اُسے اپنے گھیرے میں لے کر مادر ملکہ کے محل کا رُخ کیا۔

○

دوسری طرف مادر ملکہ کے محل میں سید صاحب نے کچہری لگا رکھی تھی اور قلعہ دار اور رسالدار پر بگڑ رہے تھے۔

''تم لوگوں کے کان میں تیل پڑا ہے۔ غضب خدا کا۔ اتنی بڑی سازش ہوئی اور تم لوگ بے خبر رہے۔ ہمیں میدانِ جنگ میں خبر مل گئی۔''

قلعہ دار صفائی پیش کر رہا تھا۔ ''سپہ سالار بہادر! مجھے کشن راؤ پر شبہ تو تھا مگر کوئی ثبوت نہ مل رہا تھا اس لئے کوئی خبر نہ بھیج سکا۔ پھر وہ گورنر ہے۔ ہم کچا قدم کیسے اُٹھاتے؟''

''قلعہ دار! یہ بہت بڑی غفلت اور غیر ذمہ داری ہے۔ تمہیں شبہ تھا تو اس شبے سے ہمیں مطلع کیا ہوتا۔''

اتنے میں فوجی دستہ کشن راؤ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے آ گیا۔

''تشریف لے آئے گورنر بہادر۔'' سید صاحب نے زہر خند کیا۔ ''کس قدر نمک حرام ہے تو۔ سلطان نے تجھے کیا نہیں دیا اور مادر ملکہ نے تجھ پر کون سی مہربانی نہیں کی۔ تو نے اپنی بیوی کے لئے بختاور کی ماں کی خدمات مانگیں اور انہوں نے اسے فوراً تیرے ساتھ بھیج دیا۔ تو کتنا ذلیل اور کمینہ ہے۔''

کشن راؤ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ اُسے پتہ چل گیا کہ سازش بے نقاب ہو گئی ہے۔ اب کوئی عذر کرنا بیکار ہے۔

سید صاحب نے ذرا رُک کر کہا۔ ''تجھ سے سوال جواب کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی میں تجھے صفائی پیش کرنے کا موقع دیتا ہوں۔ کہہ تو اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتا ہے؟''

Marfat.com

کشن راؤ نے ذرا دیر بعد کہا۔ ''مجھے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہنا کہ میں ہندو ہوں اور میں نے میسور میں ایک ہندو ریاست قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور......'' وہ ذرا رک کر بولا۔ ''اور مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے خود اپنے جرم کا اقبال کر لیا'' سید صاحب نے ایک سانس لے کر کہا۔ ''کوئی خواہش ہو تو مرنے سے پہلے بتا دو۔''

''ہاں......ایک خواہش ہے۔'' اُس نے بلا توقف کہا۔ ''میرے اس کام میں میری بیوی کا کوئی ہاتھ نہیں۔ اُسے سزا نہ دی جائے۔'' کشن راؤ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''تمہاری بیوی مادر ملکہ کے پاس ہے۔ اُس کی طرف سے اطمینان رکھو۔'' سید صاحب نے جواب دیا۔

''ایک اور خواہش ہے۔ اگر وہ پوری کر دی جائے تو......''

''بیان کرو!'' سید صاحب نے کہا۔

''مجھے یہ بتا دیا جائے کہ میری اس کوشش اور منصوبے کا راز کس نے افشا کیا؟'' کشن راؤ نے دوسری خواہش بتائی۔

سید صاحب کو مادر ملکہ نے سب کچھ بتا دیا تھا اور کشن راؤ کی بیوی اس وقت محل میں موجود تھی اس لئے سید صاحب نے یہ راز کھولنے سے گریز کیا۔

''مجھے افسوس ہے کشن راؤ!'' سید صاحب نے جواب میں کہا۔ ''میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ ایک سلطانی راز ہے جسے کسی صورت کھولا نہیں جا سکتا۔''

اس کے ساتھ ہی سید صاحب نے اعلان کیا۔ ''مجھے سلطانِ معظم نے حکم دیا کہ میں سرنگا پٹم پہنچ کشن راؤ کی غداری کی تحقیق کروں اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرم کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ کشن راؤ نے اپنا جرم خود تسلیم کر لیا ہے اس لئے میں کشن راؤ کے قتل کا فوری اعلان کرتا ہوں......اس طرح کہ پہلے اس کے دونوں بازو قطع کئے جائیں، پھر اس کی گردن تن سے الگ کر کے اس کی لاش بڑے بازار کے چوک میں لٹکا دی جائے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور کوئی بغاوت یا غداری کی جرأت نہ کر سکے۔''

سید صاحب خاموش ہوئے تو کشن راؤ نے کہا۔ ''سنو سید! تم میرے جسم کے جتنے ٹکڑے چاہو کر ڈالو۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ میں نے جو آگ بھڑکائی ہے وہ تمہارے سلطان کے بجھائے نہ بجھے گی۔''

کشن راؤ کے بازو قطع کر کے اُس کی گردن بدن سے الگ کر کے بے سر کے جسم

Marfat.com

چوراہے پر لٹکا دیا گیا۔

مگر...... کشن راؤ نے جو آخری بات کہی تھی وہ پوری ہو کے رہی!

کشن راؤ کی غداری کے اس واقعہ پر ''میسور گزیٹر'' کے ہندو مصنف ہیودن راؤ نے خوب حاشیہ آرائی کی ہے۔ وہ گزیٹر کے صفحہ 2625 پر لکھتا ہے:۔

''کشن راؤ کی بیوی خوبصورت، وفادار اور باعصمت تھی۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روائیت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں بجبر (بحوالہ کرمانی) داخل کر لی گئی۔''

بدذات مصنف کی شرارت دیکھئے کہ اُس نے اپنی تحریر میں کرمانی کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ کرمانی کی تحریر میں ''بجبر'' اور ''کر لی گئی'' کے الفاظ موجود نہیں۔

کرمانی کی تحریر اس طرح ہے:۔

''اُس کی بیوی نے جو حسین بھی، حیادار بھی اور باوفا بھی تھی، ملکہ معظمہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی اور اُنہی کے ذریعے حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی۔''

ملاحظہ ہو کہ کرمانی اور ہندو مصنف کی تحریر میں کس درجہ فرق ہے۔ ہندو مصنف کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشن راؤ کی بیوی کو اُس کے گھر سے پکڑوا کر لایا گیا اور اُسے زبردستی حرم میں داخل کر لیا گیا۔ جبکہ کرمانی کی تحریر بتاتی ہے کہ کشن راؤ کی بیوی نے خود درخواست کی اور مادر ملکہ کی سفارش سے حرم سلطانی میں رہنے کی اجازت دی گئی۔

مصنف نے ایک طرف تو ''کرمانی'' پر تہمت لگائی ہے اور دوسری طرف سلطانِ عالی مقام پر ایک نازیبا الزام عائد کیا ہے۔

مصنف نے گزیٹر کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں جو میسور کی تاریخ پر مشتمل ہے جہاں بھی موقع ملا ہے، مسلم سلاطین کو زہریلے الفاظ سے یاد کیا ہے مگر وہ جو فارسی کا ایک مقولہ ہے کہ:

''دروغ گو را حافظہ نہ باشد''

یعنی جھوٹے آدمی کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور وہ اپنی کہی ہوئی بات کو بعد میں بھول جاتا ہے تو اس ہندو مصنف نے اس کا خود ہی ثبوت فراہم کر دیا۔

اُس نے گزیٹر کے صفحہ 2625 پر تو سلطانِ عالی مقام پر ایک نازیبا الزام لگایا ہے مگر 2687 پر یہی مصنف سلطانِ عالی مقام کے بارے میں کہتا ہے:۔

''اس (سلطان) کو عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ ایک تاکیدی خط میں

Marfat.com

برہان الدین کو عورتوں سے دُور رہنے کے لئے کہتا ہے۔ اگرچہ اس (سلطان) کے تیرہ بیٹے اور بیٹیاں تھیں لیکن بقول بورنگ اُسے عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی۔
اُس کی جفاکش، اعتدال پسند زندگی، پاکیزگی کی اُس حد تک پہنچی ہوئی تھی جو ایک مذہب کے دلدادہ مسلمان کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی جس سے عالمگیر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔"

مصنف نے دراصل سلطان اور حرمِ سلطانی کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کہ ایک تحریر میں سلطان پر الزام لگاتا اور دوسری جگہ اس کی تعریف کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ مصنف نے اپنی پہلی تحریر میں لکھا ہے کہ "ایک روایت کے مطابق"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو یہ معلوم تھا کہ اس سلسلے میں "دوسری روایت" بھی موجود ہے جسے اُس نے جان بوجھ کے بیان نہیں کیا۔ وہ دوسری روایت اس طرح ہے:۔

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اُس کو سخت نفرت ہوئی اور بختاور دائی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی۔"

دراصل ہندو مصنف نے اس دوسری روایت کو اس لئے نہیں لکھا کہ اس سے سلطان کا دامن بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغرب کی مکارترین قوم، جسے انگریز کہا جاتا ہے وہ سلطان کو کیسے بخش دیتی؟ وہ تو اس بات کو اس قدر شہرت دیتے کہ اُن کے حکم پر لکھی جانے والی ہر تاریخ میں اسے جلی حروف میں لکھا جاتا۔

یہاں پر اگر لفظ "حرم" کی تشریح نہ کی گئی تو قاری کا دماغ پھر بھی اُلجھا رہے گا۔

بدقسمتی سے آج کل "حرم" سے شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہوتی ہیں مراد لی جاتی ہے۔ ورنہ "حرم" تو اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو مقدس ہو اور جہاں گناہ کرنا ممنوع ہو۔ اسی لئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو "حرمین" کہا جاتا ہے اور عرب کے بادشاہ شاہِ حرمین شریفین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

یہ لفظ بعد میں گھروں کے "زنانہ حصوں" کے لئے بھی استعمال ہونے لگا جس سے مقصود یہ تھا کہ اس جگہ عفت مآب عورتیں رہتی ہیں۔

پھر جب عیاش سلاطین اور نوابین نے جائز کے ساتھ ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی

Marfat.com

عورتوں کو بھی وہاں رکھنا شروع کر دیا تو ''حرم'' کا مفہوم کچھ اور ہو گیا۔ اب ہندو اور مغربی مصنف حرم کو اسی معنی میں سمجھتے اور لکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں مقامی طور پر جو بات مشہور ہے وہ یہ ہے کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ ملکہ زمان کو مطلع کیا تھا۔ اس لئے کشن راؤ کے رشتے دار، کشن راؤ کی بیوی کے خلاف ہو گئے تھے اور اُسے بے جا تنگ کرتے رہتے تھے جس سے مجبور ہو کر اُس نے مادر ملکہ سے پناہ کی درخواست کی اور مادر ملکہ نے اُسے پناہ دینے کے خیال سے محل کے اندر رہنے کی اجازت دے دی۔

سلطان کی والدہ چونکہ محل کے زنانہ حصے یعنی ''حرم'' میں رہتی تھیں اس لئے کرمانی نے بجا طور پر ''حرم'' کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن میسور گزیٹر کے مصنف کو تعصب نے اس درجہ بہکا دیا کہ اس نے ''حرم'' کو کچھ اور ہی معنوں میں سمجھانے کی کوشش کی اور اپنی تحریر میں ''خاص'' اور ''بجبر'' کے الفاظ کرمانی کا نام لے کر شامل کر دیئے۔

○○○

Marfat.com

●

میسور پر حملہ کرنے والی حیدر آبادی فوج دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک حصہ کا کمانڈار فرید الدین مؤید الدولہ تھا اور دوسری کی کمان عیسیٰ خان کے ہاتھ میں تھی اور یہ دونوں فوجیں سلطنت خداداد کے مختلف علاقوں کو تاخت و تاراج کرتی پھر رہی تھیں۔

عیسیٰ خان نے کنجی گوٹہ، تاڑ پتری اور تاڑمری پر قبضہ کر لیا تھا جبکہ مؤید الدولہ نے قلبہ گتی کا محاصرہ کیا تھا لیکن قطب الدین خاں دولت زئی نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ جب مؤید الدولہ نے دیکھا کہ قلعہ پر قبضہ ممکن نہیں تو وہ محاصرہ اٹھا کر مضافات کو تباہ کرتا ہوا کڑپہ کی طرف چلا گیا۔

مؤید الدولہ نے کڑپہ پر قبضہ کیا، پھر قلعہ سدوٹ بھی بلا مزاحمت اس کے ہاتھ آ گیا، اب اس نے آگے بڑھ کر ترم کنڈہ کا محاصرہ کر لیا۔

ادھر مرہٹہ فوج جو پرسورام کی کمان میں تھی، نے دھاڑواڑ، انگولا، مرجان اور شاہنور پر قبضہ جما لیا اور وہاں سے پرسورام چتلارگ کے قلعہ پر پہنچا۔

سلطان کے قلعہ دار دولت خان نے قلعہ بند ہو کر مرہٹوں کا دفاع کیا۔ مقابلہ طول کھینچ گیا تو پرسورام نے دولت خان کو دولت کا لالچ دیتے ہوئے چار لاکھ کے عوض قلعہ خالی کرنے کو کہا۔

یہ پیشکش پرسورام کے اس قاصد نے کی تھی جو مرہٹوں کی طرف سے صلح کی گفتگو کے لئے قلعہ کے اندر بھیجا گیا تھا۔

دولت خان، سلطان کے انتہائی وفادار سرداروں میں سے تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ نہ تو وہ میدان میں نکل کر مرہٹوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ زیادہ دنوں تک قلعہ کو دشمن سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مرہٹوں سے جنگ کیے بغیر وہ قلعہ ان کے حوالے کر دے۔

وہ دیر تک قاصد سے ٹوٹی پھوٹی مرہٹی زبان میں گفتگو کرتا رہا، پھر خاموش ہو کے کچھ سوچنے لگا۔

آخر کار اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا:۔

Marfat.com

''ہاں بھئی۔ اب تم بتاؤ تمہارے سپہ سالار پرسورام نے قلعہ حوالے کرنے کے عوض کتنی رقم کی پیشکش کی ہے؟''

قاصد نے جواب دیا:۔

''میں بتا تو چکا ہوں کہ اگر آپ لڑے بھڑے بغیر قلعہ ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کو چار لاکھ کی نقد رقم پیش کریں گے۔''

دولت خان نے چونک کے قاصد کو دیکھا:۔ ''کیا کہا تم نے۔۔ چار لاکھ۔ صرف چار لاکھ''

دولت خان کے لہجے میں حیرت در آئی:۔ ''مگر پہلے تو تم نے چالیس لاکھ کہے تھے!''

''نہیں قلعہ دار۔'' قاصد بولا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں نے پہلے بھی چار لاکھ کہے تھے اور اب بھی چار لاکھ کی پیشکش آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔''

دولت خان نے اسے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ پھر سوچ میں گم ہو گیا، پھر بہت دیر بعد قاصد نے اسے چونکایا۔

''قلعہ دار۔ آپ کس خیال میں گم ہیں، مجھے کچھ جواب دیجئے۔''

قلعہ دار دولت خان نے ایک بار پھر ایک لمبی سانس لی اور اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا:۔

''دیکھو قاصد۔ بات تو سوچنے والی ہی ہے، میرے کانوں نے تو یہ سنا تھا کہ سالار پرسورام مجھے چالیس لاکھ دینے پر آمادہ ہیں مگر اب تم چار لاکھ کہہ رہے ہو۔ میں نے تو چالیس لاکھ کو سامنے رکھ کر کچھ فیصلہ کر لیا تھا۔ پر وہ سب تو گڑ بڑ ہو گیا۔ چار لاکھ اور چالیس لاکھ میں ایک اور دس کا فرق ہے، میں یہ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تم غلط کہہ رہے ہو، میں تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ میں مرہٹی زبان کم کم جانتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔۔۔''

''تو پھر اب کیا فیصلہ کیا آپ نے۔؟'' قاصد نے تنگ آ کے کہا۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے لیکن وہ فیصلہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔''

دولت خان نے بڑے اعتماد سے کہا:۔

''ابھی ایک گھنٹے کے اندر چالیس لاکھ کے چار لاکھ ہو گئے، اس سے میں کیا سمجھوں؟''

قاصد چڑ کر غصہ سے بولا:۔ ''آپ کچھ بھی سمجھئے مگر مجھے جواب دیجئے۔ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔''

''بسم اللہ۔'' دولت خان نے فوراً کہا۔

Marfat.com

''آپ جا سکتے ہیں، آپ کو کوئی نہیں روک سکتا، رہا چار اور چالیس کا معاملہ تو میں خود سالار پرسورام کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان سے منہ در منہ بات کر کے معاملہ نپٹاؤں گا تا کہ بعد میں جھگڑا نہ اٹھ کھڑا ہو۔''

''آپ کب آئیں گے، ہمارے لشکر میں؟'' قاصد کا لہجہ کھرا اور سخت ہو گیا۔

''میں آج ہی جواب دینے حاضر ہوں گا۔'' دولت خان نے جواب دیا۔

''بس ذرا احباب سے بات کرلوں، پھر پہنچتا ہوں، آپ کے پاس۔ سالار پرسورام کی خدمت میں میرا اسلام پیش کیجئے گا اور میری طرف سے کہیے گا کہ میں آج رات ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بالمشافہ گفتگو کروں گا۔ آپ مطمئن رہیے۔ اس میں کوئی فرق نہ ہو گا۔''

پرسورام کے قاصد نے واپس جا کے اسے تمام گفتگو سے آگاہ کیا، پرسورام نے قاصد سے کہا:۔

''یہ مسئلہ ہر قیمت پر طے کرنا ہے، مصلحت تو یہ تھی کہ دولت خان نے چار کے بجائے چالیس کہے تھے تو تم نے اسی وقت ''ہاں'' کہہ دی ہوتی، رقم مجھے دینا ہے اور دولت خان کو لینا ہے اور یہاں آ کے میرے لشکر کے اندر، سمجھے کہ نہیں!''

قاصد مسکرا دیا:۔

''اب تو غلطی ہو گئی حکم ہو تو پھر جاؤں اور چالیس لاکھ پر معاملہ طے کر آؤں!''

''نہیں۔'' پرسورام نے کہا: ''اس کی ضرورت نہیں، اب اسے آنے دو۔''

پرسورام کو اطمینان ہو گیا کہ اب قلعہ چتلارگ پر اس کا قبضہ ہو جائے گا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ رات کو جب قلعہ دار دولت خان آئے تو اس کا شاندار استقبال کیا جائے، بظاہر تو اس نے یہ اعلان کیا۔۔۔ لیکن۔۔۔ اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ جب دولت خان اس سے گفتگو کو آئے تو اس کے خیمے کو گھیر لیا جائے اور جب وہ اشارہ کرے تو دولت خان کو گرفتار کر لیا جائے۔

شاید اسی وجہ سے مثل مشہور ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہے۔

پرسورام نے یہ انتظام تو کر لیا کہ وہ دولت خان کو واپس نہیں جانے دے گا مگر اس نے اس پر غور نہیں کیا کہ دولت خان بھی آخر ایک پرانا اور گھاگ قلعہ دار ہے، جب وہ دشمن کی خیمہ گاہ میں جا رہا ہے تو اس نے اپنی حفاظت کا بھی کوئی انتظام کیا ہو گا۔

چنانچہ۔۔۔۔

رات ہوتے ہی پرسورام کی خیمہ گاہ میں دولت خان کے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دوسری طرف دولت خان اندھیرے میں قلعے کا دروازہ کھول کے باہر نکلا۔

○

Marfat.com

دولت خان قلعے سے نکلا تو اس کے ساتھ صرف پانچ سوار تھے لیکن جب وہ قلعہ سے دور آگے چلا گیا تو قلعہ سے سواروں کے دو رسالے اور ان کے پیچھے ایک ہزار چیدہ چیدہ نوجوانوں کی پلٹنیں برآمد ہوئیں۔

دور سے دیکھنے والوں کو یہی دکھائی دے رہا تھا کہ پانچ چھ سوار گھوڑے بڑھائے چلے آ رہے ہیں۔

ایک تو رات اندھیری تھی، دوسرے یہ کہ دولت خان نے نوجوانوں کی پلٹن کو سیاہ لباس پہنا دیئے تھے، اس لیے وہ دور سے نظر نہ آتے تھے۔

جب دولت خان اپنے پانچ سواروں کے ساتھ مرہٹہ لشکر کے قریب پہنچا تو پرسورام کے منصوبے کے مطابق چند آدمی دولت خان کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔

ان کے آگے بڑھتے ہی دولت خان نے راسیں کھینچ لیں اور وہ اور اس کے ساتھ پانچوں سوار رک گئے۔

استقبال کو آنے والے ان کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

اسی لمحے دولت خان کے ساتھی سواروں نے چیخ چیخ کر ایک نئی زبان میں کچھ کہنا شروع کیا۔ یہ نئی زبان اور نئے الفاظ دراصل وہ اشارے تھے جو دولت خان نے اپنے سواروں کے دستوں اور نوجوانوں کی پلٹنوں کو سمجھا دیئے تھے اور ان اشاروں کا مطلب تھا کہ مرہٹہ لشکر گاہ پر عام حملہ کر دیا جائے۔

پھر۔۔۔۔

دیکھتے ہی دیکھتے میدان میں ہزاروں شعلے بھڑک اٹھے، دولت خان کے سوار دستوں اور پیادوں کے پاس شب خون مارنے کا سامان تھا، انہوں نے فوراً لکڑیوں میں لپٹے ہوئے کپڑوں میں آگ لگا کر شعلے بھڑکائے، اور آن واحد میں مرہٹہ لشکریوں پر کوندے لپکائے ٹوٹ پڑے۔

مرہٹے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس دولت خان کو گرفتار کرنے کے لیے انہوں نے جال بچھایا تھا وہ ان کو یوں مات دے گا۔

دولت خان نے مرہٹوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کے سواروں اور پیادوں نے ایک طرف تو مرہٹہ خیموں میں شعلے بھڑکائے اور دوسری طرف بھاگنے والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

پوری خیمہ گاہ میں قیامت کا سماں تھا۔ مرہٹہ لشکری جو خوشی خوشی گھوم پھر رہے تھے یا بیٹھے آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے، ان پر حملہ ہوا تو وہ بدحواس ہو گئے اور جس کا جدھر منہ اٹھا

Marfat.com

وہ بھاگ اٹھا، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔
چشم زدن میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔
پرسورام ایسا گھبرایا کہ سر پر پیر رکھ کر صوبہ سرا کی طرف بھاگا، کچھ لشکری اس کے ساتھ ہو لیے باقی کوئی ادھر گیا کوئی ادھر گیا۔
پرسورام کا پورا لشکر تباہ ہو گیا، وہ صوبہ سرا میں بھی نہیں ٹھہرا اور جتنے لشکری اس تک پہنچ سکے، انہیں ساتھ لے کے انگریزوں سے جاملا۔

○

لارڈ کارنوالس نے دو ہفتے تیاریوں میں صرف کیے، پھر مئی کے پہلے ہفتہ (1791ء) میں چنیا پٹن کے راستے سرنگا پٹم روانہ ہوا۔
دریائے کاویری میں ان دنوں پانی خشک تھا، اس لیے انگریزی فوج کو دریا پار کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی اور وہ اگلے ہفتے سرنگا پٹم سے 9 میل دور کری گٹھ پہنچ گئی لیکن اس ہفتہ میں سفر کے دوران اس انگریزی فوج نے جو اودھم مچایا، اسے سوچ کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
انگریز۔۔۔ جو خود کو مہذب قوم کہتے ہیں، ان کی فوج نے کارنوالس کے حکم کے تحت راستے میں پڑنے والی ہر بستی اور آبادی کو لوٹ لیا۔ پھر اس میں آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔
تہذیب کے ان ٹھیکیداروں نے انسان تو انسان آبادی کے جانوروں تک کو مار ڈالا اور جو کام کے تھے انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔
قدرت ظالم کو ڈھیل بہت دیتی ہے لیکن عبرت کے لیے کبھی کبھی اس کو خوفناک سزا بھی دیتی ہے۔
ہم بتا چکے ہیں کہ سلطان نے سید صاحب کو سرنگا پٹم بھیجا تھا اور قمر الدین کو سپہ سالار بنا کر اسے انگریزوں پر حملے اور شب خون مارنے کا حکم دیا تھا۔
چنانچہ۔۔۔ جب انگریزی لشکر کسی بستی کو تباہ کر کے دم لیتا تو قمر الدین کے چھاپہ مار دستے اس پر بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑتے اور قتل و غارت کے ساتھ ساتھ سامان رسد کو تباہ و برباد کر ڈالتے۔
کری گٹھ تک پہنچتے پہنچتے، انگریزی فوج پر دس بارہ حملے اور شب خون مارے جا چکے تھے۔
سپہ سالار قمر الدین نے اس سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ حرکت کی تھی۔
اس نے اپنے لشکر میں اعلان کرا دیا تھا کہ:۔
''جو لشکری کسی انگریز کی ناک اور کان کاٹ کر لائے گا اسے ایک طلائی ہون انعام میں دیا

Marfat.com

جائے گا۔

اگر اناج سے لدا ہوا بیل پکڑ کے لائے گا تو پانچ طلائی ہون انعام میں دیئے جائیں گے۔
اور اگر گھوڑا لائے گا تو اسے دس طلائی ہون انعام میں ملیں گے۔

قمر الدین کے اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ انگریزوں کے کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کا روزانہ ایک ڈھیر لگ جاتا تھا اور انگریزی فوج اس قدر دہشت زدہ ہوگئی تھی کہ ان کا کوئی سپاہی لشکر سے پانچ گز دور جانے کی بھی ہمت نہ کرتا تھا۔

چنانچہ۔۔۔ جب انگریزی فوج کری گٹہ پہنچی تو ناک کان کٹے سینکڑوں انگریزوں کا الگ ایک دستہ بن چکا تھا اور فوج کے پاس سامان رسد تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

14 مئی 1791ء کو نصف شب کے قریب انگریزوں نے سرنگا پٹم پر حملہ کیا، حملہ میں حصہ لینے والے لشکر میں انگریزوں کی چھ بٹالین فوج، ہندوستانیوں کی بارہ بٹالین اور ایک ہزار سوار اور 36 توپیں شامل تھیں۔

کارنوالس کی بدقسمتی یا سلطان کی خوش نصیبی تھی کہ اس رات شدید قسم کا طوفان بادو باراں آیا، طوفان اس قدر شدید تھا کہ انگریز کمانڈر کو حملہ کا حکم واپس لینا پڑا اور ان کے لشکری صبح تک تاریکی اور بارش و کیچڑ میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔

○

صبح کو جب مطلع صاف ہوا تو انگریزوں نے دیکھا کہ کری گٹہ کی پہاڑیوں پر سلطان کا سپہ سالار سید حمید قابض ہے۔ ان پہاڑیوں پر سید حمید نے رات کے طوفان بادو باراں کے دوران قبضہ کیا تھا۔

سپہ دار سید حمید کو پہاڑیوں سے ہٹانے کے لئے جنرل میڈوز نے زبردست حملہ کیا مگر اس نے زبردست شکست کھائی اور ہزاروں سپاہیوں کی جانیں تلف کرانے کے بعد اسے واپس ہونا پڑا۔
کرنل میکسوئل اور فلائیڈ بھی حملے کے لیے نکلے مگر سپہ سالار قمر الدین کے ہاتھوں شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔

لارڈ کارنوالس 48 گھنٹے بھی وہاں نہ ٹھہر سکا اور اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا مگر اس دوران لشکر میں سامان رسد بالکل ختم ہو چکا تھا اور ہر طرف بھوک، بھوک کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ چیزوں کی قیمت آسمان تک پہنچ گئی تھی، دالیں، چاول، گھی، خشخاش کا آٹا یا تو ناپید ہو گئے تھے یا اس قدر مہنگے ہو گئے تھے کہ انہیں خریدنا ممکن نہ رہا تھا۔
جب فوجیں بھوکوں مرنے لگی تو اس نے توپیں کھینچنے والے بیلوں کو کاٹ کاٹ کر کھانا

Marfat.com

شروع کر دیا۔

جب رسد کا کوئی انتظام نہ ہو سکا اور حالات بد سے بدتر ہو گئے تو کارنوالس نے واپسی کا اعلان کر دیا۔

اس نے بڑی بڑی توپیں زمین میں دفن کر دیں اور لکڑی کے تمام بھاری سامان میں آگ لگوا دی۔

سلطان نے جب انگریز لشکر کی بدحالی کے بارے میں سنا تو اس نے خشک و تر میووں کے تحائف بھیجے اور ساتھ میں کارنوالس کو دوستی کا ایک خط لکھا۔

مگر۔۔۔ کارنوالس نے شرافت کا ثبوت نہ دیا۔ اس نے میوے واپس بجھوا دیے اور سلطان کے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔

کارنوالس وہاں سے پسپا ہو کر اتری درگ پہنچ گیا، سلطانی لشکر کی طرف سے اس کی مزاحمت نہ ہو رہی تھی، اس لیے اس نے آسانی سے اتری درگ پر قبضہ کر لیا۔

کارنوالس کو وہاں کثیر تعداد میں سامان رسد حاصل ہوا، بھوکی فوج کو کچا پکا جو کچھ ملا وہ کھا گئی اور اسے بدہضمی ہو گئی۔

پرسورام کی نصف سے زیادہ فوج دولت خان کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ وہ اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ انگریزوں کے لیے سامان رسد اکٹھا کرتا پھرا، پھر بہت سا سامان رسد لے کر وہ کارنوالس کے پاس آیا۔

کارنوالس اس سے بہت خوش ہوا اور اس کے فوجیوں نے ایک عرصہ کے بعد پیٹ بھر کھانا کھایا۔

اسی اثناء میں کرنل ریڈ نے بنگلور سے انڈہ، مچھلی، شراب، روٹیوں، بطخوں، بکریوں، گایوں اور بیلوں کے ریوڑ کے ریوڑ انگریز لشکر کو بھجوا دیئے۔

کارنوالس اس سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے کرنل ریڈ کو بنگلور، بھسکوٹہ، کولار اور ہسوڑ کی تحصیلداری کے ساتھ ساتھ اس کے علاقہ کے پالیگاروں کی وکالت کا عہدہ بھی بخش دیا۔ پھر جب فوج کا پیٹ بھرا تو اس کے دل میں سرنگاپٹم کی تسخیر کا خیال پھر سے کلبلانے لگا۔

اس وقت نظام دکن کی فوجیں کڑپہ اور گرم کنڈہ کے عوام پر ظلم ڈھا رہی تھیں اور گھناؤنی قسم کی لوٹ مار میں مصروف تھیں۔

نظام کی فوجوں کا اب تک سلطانی فوجوں سے کوئی معرکہ نہیں ہوا تھا، شاید وہ براہ راست سلطان سے ٹکرانا نہیں چاہتا تھا یا پھر وہ سب کچھ کسی خاص منصوبے کے تحت کر رہا تھا۔

Marfat.com

جنوبی ہند میں ستمبر کا مہینہ، برسات کا مہینہ کہا جاتا ہے، اس لیے کارنوالس نے موسم برسات بنگلور میں گزارنے کا فیصلہ کیا اور فوجوں کی تنظیم نو میں لگ گیا۔

گزشتہ دنوں اسے سامان رسد کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آئی تھیں ان کے پیش نظر کارنوالس نے فراہمی رسد پر خاص توجہ دی تا کہ سرنگا پٹم پر دوبارہ حملہ کے دوران اسے کوئی دقت نہ ہو۔

پھر۔۔۔ اسی ستمبر کے مہینہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے انگریزوں کو نندی درگ کے قلعہ پر حملہ کے لیے جانا پڑا۔

نندی درگ کے قلعہ پر سلطان ٹیپو نے اپنے ایک بہادر سردار الف علی بیگ کو بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ مگر یہ سردار جاگیر پاتے ہی شمشیر دسناں کے بجائے چنگ و رباب اور محبوباؤں کی زلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا۔

اس نے قلعہ داری کے فرائض تو اپنے ایک ہم مشرب اور ہم پیالہ و ہم نوالہ سلطان خان کو سونپ دیئے اور خود حسن و جمال کے افسانوں کا ہیرو بن کر رہ گیا۔

جاگیر دار الف علی خان کے عیش وعشرت کے افسانے جب عام ہوئے اور لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ قلعہ نندی درگ کی حرم سرا سے عفت آب خواتین تو رخصت ہو چکی ہیں اور اب وہ حرم سرا ایک بہت بڑے عشرت کدے میں تبدیل ہو چکی ہے تو غنڈوں، بدمعاشوں اور لچے لفنگے اٹھائی گیروں کی بن آئی۔ انہوں نے ناچنے گانے والی دلرباؤں کے ذریعے جاگیردار لطف علی بیگ تک رسائی حاصل کر لی اور اسے ناچ گانے کے ساتھ ساتھ عیش وعشرت اور شراب و شباب کا ایسا چسکہ لگا دیا کہ اس نے محل سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

سلطان خان، اگرچہ لطف علی بیگ کا پرانا ساتھی اور گہرا دوست تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ لطف علی بیگ کو سمجھاتا کہ وہ قلعہ داری ہو کہ جاگیرداری، ان دونوں عہدوں پر صرف وہ لوگ قابض رہ سکتے ہیں جو اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتے ہیں اور جن کا ہاتھ ہر وقت قبضہ شمشیر پر رہتا ہو۔ مگر اسے کیا پڑی تھی کہ وہ بیگ کو اس خواب خرگوش سے جگاتا۔ اس نے جان بوجھ کے بیگ کو گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیا اور خود قلعہ داری کے ساتھ ساتھ اس نے جاگیرداری بھی سنبھال لی۔

سلطان خان نے جاگیردار لطف علی بیگ کو ہمہ وقت عیش وعشرت میں غرق رکھنے کے لیے کچھ ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کر لی تھیں جو نوجوان عورتوں کی خرید و فروخت کا کام کرتے تھے۔

سلطان خان ان کے ذریعے ہر ماہ نندی درگ اور اس کے ارد گرد کے علاقوں سے جوان

Marfat.com

اور نو جوان عورتوں کو منگواتا اور انہیں بھاری رقم دے کر جاگیردار کی خدمت کے لیے خرید لیتا، اس طرح ہر ماہ شاہی حرم سرا (جاگیردار کے محل) میں دس پندرہ نئی عورتوں کا اضافہ ہو جاتا اور اب تو یہ حال ہو چکا تھا کہ عورتوں کی کثرت کی وجہ سے سلطان خان کو ان کی رہائش کے لیے ایک اور محل مخصوص کرنا پڑا تھا۔

اس طرح کا ایک قافلہ الور درگ سے گزرا جہاں کارنوالس کا لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا، اس قافلے میں بیس مرد اور بیس خوبصورت عورتیں تھیں۔

کارنوالس کے لشکر میں جو ہندوستانی پلٹنیں تھیں، انہوں نے جوان عورتوں کو دیکھا تو رال ٹپک پڑی اور انہوں نے ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ عورتوں کے ساتھ جو مرد تھے وہ سب مسلح تھے۔ انہوں نے عورتوں کی حفاظت کے لیے تلواریں کھینچ لیں۔

دوسری طرف انگریزی فوج کے لشکری تھے۔ انہیں بھلا بیس آدمیوں کی کیا فکر ہوتی۔

وہ بھی تلواریں سونت کر سامنے آ گئے اور ایک چھوٹا سا معرکہ ہو گیا مگر کہاں آزمودہ کار لشکری اور کہاں عورتوں کے تاجر، نتیجہ یہ ہوا کہ دس تاجر اس معرکے میں کام آئے اور باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

لشکریوں نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں عورتوں کے ساتھ لے کر اپنی خیمہ گاہ میں پہنچے۔

دوسرے لشکریوں نے عورتوں کو دیکھا تو انہوں نے بھی ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس بات پر لشکریوں میں آپس میں ٹھن گئی اور وہ گتھم گتھا ہو گئے۔

اس ہنگامے کی خبر اسی وقت کارنوالس کو پہنچائی گئی۔ اس نے چند انگریز سوار بھیج کے سب کو پکڑ کر بلوایا۔

جب کارنوالس نے ان سے پوچھ گچھ کی تو اسے معلوم ہوا کہ ان خوبصورت عورتوں کی نندی درگ کے جاگیردار لطف علی بیگ کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔

اس انکشاف پر اس کے ذہن میں فوراً ایک جنگی چال آئی، اس نے عورتوں کے محافظوں کو آزاد کر دیا جنہیں اس کے لشکری پکڑ لائے تھے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا: ”ان سب کو اچھے سے اچھا کھانا دیا جائے اور انہیں آرام سے رکھا جائے۔“

دوسرے دن کارنوالس نے پانچ مردوں اور پانچ عورتوں کو اپنے پاس بلا کر ان کے سامنے ایک خوبصورت پیشکش رکھی۔

کارنوالس نے ان سے کہا: ”تمہارے دس آدمی اس لڑائی میں مارے گئے ہیں، اگر تم اس

Marfat.com

بات پر تیار ہو جاؤ کہ اپنے ان دس آدمیوں کے بدلے تم اپنے ساتھ ہمارے دس آدمی قلعہ نندی ورگ میں لے جاؤ گے تو ہم تمہاری زندگیوں کی ضمانت دینے کو تیار ہیں۔''

ان کی سمجھ میں کارنوالس کی بات نہ آئی کیونکہ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول رہا تھا اور یہ مرد اور عورتیں اس انگریز کو دیکھ کر ڈر گئے تھے۔

ان میں سے ایک آدمی نے ڈرتے ڈرتے کہا: ''گورے صاحب، ہماری سمجھ میں آپ کی بات نہیں آئی، کسی ہندوستانی کو حکم دیجیے کہ آپ کی بات سمجھائے۔''

چنانچہ کارنوالس نے ایک ہندوستانی کے ذریعے ان کو اپنی بات سمجھائی اور اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ: ''اگر قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو تمہیں بہت انعام دیا جائے گا۔''

عورتوں کو اغوا کر کے یا بہلا پھسلا کے لانے والے ایک ایسے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں کوئی بھی شریف آدمی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا، ایسے لوگ جب گلی کوچوں سے گزرتے ہیں تو ان کو دلے، شہدے اور بروکر کے ناموں سے پکارا جاتا ہے مگر ایک بات ہم سب مانتے ہیں وہ یہ کہ ''محبت'' کا جذبہ اللہ کی دین ہے، وہ جسے چاہے عطا کر دے، محبت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مرد، خوبصورت عورت اور عورت، وجیہہ و شکیل مرد سے محبت کرے۔ محبت کسی کو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، کسی کو تعلیم سے محبت ہوتی ہے تو وہ عالم فاضل ہو جاتا ہے کسی کو دین سے محبت ہوتی ہے تو وہ دین کے لیے شہادت بھی قبول کر لیتا ہے۔

ایسی ہی ایک محبت وہ ہے جو ایک انسان کو اپنی قوم اور ملک سے ہوتی ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ انگریزوں کے لشکر میں اناج کی اس قدر قلت ہو چکی تھی کہ ان کے لشکری بھوکوں مرنے لگے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انگریز فوج جس طرف سے گزرتی تھی وہاں بھی اناج کی کمی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ انگریز راستے میں پڑنے والی تمام آبادیوں کو خاکستر کر دیتے تھے اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری سلطنت خداداد میں پھیل چکی تھی۔ اس لیے ایسی آبادیوں کے باشندے انگریزوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے اپنے اناج کے ذخیرے اس طرح چھپا دیتے تھے کہ انگریزوں کی کوشش بسیار کے باوجود انہیں ایک دانہ نہ مل پاتا۔ جب گاؤں والوں سے اناج کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ منہ بسورتے ہوئے جواب دیتے:

''صاحب، ہم تو مہینوں سے فاقے کر رہے ہیں۔''

ان کے اس جواب پر کوئی کیا کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ آبادی میں آگ لگا دے اور سب کچھ پھونک دے۔

Marfat.com

گاؤں والوں کے اس انکار میں دراصل ان کے دلوں میں اپنے وطن اور ملک کی چھپی ہوئی محبت تھی۔ انہوں نے طے کرلیا تھا کہ خواہ انگریز انہیں قتل کر دیں یا ان کے گھروں کو آگ لگا دیں مگر وہ انہیں اناج کا ایک دانہ نہیں دیں گے۔

گاؤں والوں کی اس محبت اور خلوص کے مقابلہ میں جوان عورتوں کی تجارت کرنے والے ان لوگوں کے دل بھی اپنے وطن اور اپنی قوم کی محبت سے سرشار تھے۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ انگریز نندی ورگ کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے آدمی اندر بھیج کر جنگی چال چلنا چاہتا ہے تو ان کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔

وہ طبیعت کے کتنے کمینے اور ذلیل سہی مگر ان کے دل ملک اور قوم کے خلاف انگریزوں کی کوئی مدد کرنے پر آمادہ نہ تھے مگر وہ کھلے الفاظ میں انکار کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

ان میں سے ایک نے لارڈ کارنوالس سے سوال کیا: ''صاحب۔ آپ قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں مگر یہ دس بارہ آدمی قلعہ کی فوج کو کس طرح مار سکتے ہیں، وہاں تو بے انتہا فوج ہے۔''

مکار کارنوالس کا ماتھا ٹھنکا۔

اس نے سوال کرنے والے کو گھور کے دیکھا: ''تجھے اس سے کیا مطلب کہ ہمارے آدمی وہاں کیا کر سکتے ہیں، تجھے تو بس ہمارے آدمیوں کو اپنے ساتھ اندر لے جانا ہے تو اس کا جواب دے۔ اگر تو ہمارا یہ کام کر دے تو ہم تجھے مالا مال کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے صاحب جی۔''

وہ فوراً رضا مند ہو گیا مگر منہ بنا کر بولا: ''صاحب۔ میں تو راضی ہوں مگر میرے پانچ ساتھی اور عورتیں جو باہر ہیں اگر وہ نہ مانے تو کیا ہوگا؟''

کارنوالس اس کے سوال پر چکرا گیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عورتوں کا وہ دلال خود ہی بول پڑا: ''صاحب۔ آپ مجھے ایک گھنٹے کا وقت دیں۔ اس دوران میں سب کو راضی کر لوں گا، پھر آپ کو بتاؤں گا۔''

کارنوالس کی جیسے مشکل حل ہوگئی، اس نے جھٹ سے کہا: ''ہاں ہاں ٹھیک ہے تم سب کو جا کے راضی کرو۔''

کارنوالس سے اجازت ملنے پر وہ شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے اٹھ کے باہر آ گیا۔

جب وہ کارنوالس کے پاس اندر گیا تو اسے اپنی جان کی فکر تھی اور اپنے مفاد کا خیال تھا مگر جب وہ مکار کارنوالس سے مل کر باہر آیا تو اس کا ذہن اچانک روشن ہو گیا اور یہ ملک و قوم سے

Marfat.com

محبت کی روشنی تھی۔

اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ کارنوالس اپنے آدمیوں کو قلعے کے اندر اس لیے بھیجنا چاہتا ہے تا کہ وہ وہاں پہنچ کے جاگیردار کو قتل کر دیں اور پھر انگریز فوج قلعہ پر قبضہ کر لے۔

پس۔۔۔۔

جب وہ اپنے باقی ساتھیوں اور مظلوم عورتوں کے پاس واپس آیا تو اس کا اندر بدلا بدلا سا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

بھائیو!، ہماری ذات دنیا کے بدترین لوگوں میں شمار ہوتی ہے لیکن آج ہمیں خدا نے ایک ایسا موقع دیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے گناہوں سے توبہ کر کے بھلے لوگوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

''سب سے پہلے تو میں خود توبہ کرتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ انگریزی فوج کو قلعہ نندی درگ پر قبضہ نہیں کرنے دوں گا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

اس کے ساتھیوں نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا، پھر ایک نے پوچھا:

''تیری بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ انگریز اور انگریزی فوج سے تو ہم سب کو نفرت ہے مگر تو قلعہ کیسے بچا سکتا ہے، انگریزوں کے پاس لشکر ہے، قلعہ نندی درگ میں بھی فوج موجود ہے، وہ ایک دوسرے سے جنگ کریں گے تو یا ہم انگریزوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے کیسے روک سکتے ہیں؟''

''روک سکتے ہیں۔ ضرور روک سکتے ہیں۔'' اس نے زور دے کر کہا:۔

''انگریز لارڈ ہمارے ساتھ اپنے دس پندرہ آدمی قلعہ کے اندر بھیجنا چاہتا ہے اور وہی دس پندرہ آدمی قلعہ میں کوئی گڑبڑ کر کے انگریزوں کا قبضہ کرا دیں گے۔''

''مگر تم کرو گے کیا؟'' پہلے نے پوچھا۔

''میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہا:۔

''ہاں، اگر تم سب میرا ساتھ دو تو میں ان آدمیوں کو جو انگریز لارڈ میرے ساتھ بھیجنا چاہتا ہے، قلعہ کے اندر پہنچتے ہی ختم کر دوں گا اور قلعہ داروں کو بتاؤں گا کہ یہ لوگ انگریزوں کے جاسوس تھے اور قلعہ کو تباہ کرنے آئے تھے۔''

پہلا فوراً جواب میں بولا:۔ ''جہاں تک ان گورے بندروں کا سوال ہے تو ہم سب ان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ قلعہ پر قبضہ کر لیں، بہر حال ہم تمہارے ساتھ ہیں، جیسا تم کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔''

Marfat.com

اپنے ساتھیوں کی طرف سے جن میں جوان عورتیں بھی شامل تھیں، اطمینان کرنے کے بعد وہ آدمی پھر کارنوالس کے پاس پہنچا اور اسے اطلاع دی:۔

''صاحب بہادر۔ ہم تیار ہیں، آپ جتنے آدمی چاہیں ہمارے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔''

کارنوالس خوش ہو گیا۔ اس نے پہلے صرف دس آدمیوں کی بات کی تھی مگر اب اس کے بر خلاف ان لوگوں کے ساتھ اپنے پندرہ آدمی روانہ کر دیئے۔

O

انگریزی فوج قلعہ نندی ورگ پہنچ گئی تھی۔ قلعہ والوں کو اس کے آنے کی پہلے کی خبر مل چکی تھی اس لیے انہوں نے قلعہ کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے اور قلعہ کے برجوں پر چار توپیں چڑھا کر ممکنہ مدافعتی تدابیر اختیار کر لی تھیں:۔

جاگیر دار لطف علی بیگ کو بھی شاید کچھ خوف خدا پیدا ہو گیا تھا، اس لیے وہ شراب و شباب سے الگ ہو کر قلعہ دار سلطان خان کے ساتھ دفاعی تیاریوں میں حصہ لے رہا تھا۔

انگریزوں کے منصوبے کے مطابق ایک صبح خوبصورت عورتوں اور ان کے محافظوں کا ایک قافلہ جس میں پندرہ آدمی کارنوالس کے بھی شامل تھے، قلعہ نندی ورگ کے صدر دروازے کی طرف چلا۔

قلعہ والوں کو ہر وقت انگریزوں کے حملہ کا امکان رہتا تھا اس لیے انہوں نے چوکی پہرہ سخت کر دیا تھا، انہوں نے جو تیس چالیس افراد کا گروہ قلعہ کی طرف آتے دیکھا تو سب تیار ہو گئے۔

پھر جب ان کی نظر ایک سفید جھنڈے پر پڑی تو انہیں کچھ اطمینان ہوا کہ ''صلح کا وفد'' آ رہا ہے پھر بھی وہ چوکس رہے۔

یہ مختصر قافلہ جس کے آگے آگے سفید جھنڈا لے کر چلنے والا وہی عورتوں کا سوداگر تھا جس نے کارنوالس سے گفتگو کی تھی، صدر دروازے کے قریب پہنچا تو دروازے کے اوپر ایک برجی سے کسی شخص نے گردن نکال کر سوال کیا:۔

''کون ہو تم لوگ اور کیا چاہتے ہو؟''

جھنڈے والے آدمی نے پوری آواز سے چلاتے ہوئے کہا:۔

''ہم سوداگر ہیں اور سلطان خان قلعہ دار نے جو سامان منگایا تھا وہ لے کر آئے ہیں۔''

''کیا سامان منگایا تھا قلعہ دار نے؟''

جھنڈے والا گھبرا گیا۔

اب وہ کیسے کہتا کہ سلطان خان نے جاگیر دار لطف علی بیگ کے لیے خوصورت اور جوان

Marfat.com

عورتیں منگوائی تھیں۔

آخر اس نے گروہ میں سے عورتوں کو الگ کھڑا کر دیا، پھر عورتوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا:۔ ''یہ سامان منگایا تھا سلطان خان نے، وہ جاگیردار صاحب کو تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ میں انہیں لے کر آیا ہوں۔

قلعہ کی برجی میں کچھ دیر خاموشی رہی۔

دراصل صدر دروازے کے محافظ عورتوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ جاگیردار لطف علی بیگ کے لیے روز ہی کسی نہ کسی دلال کے ذریعے خوبصورت عورتیں آیا کرتی ہیں لیکن جب سے نندی ورگ میں یہ افواہ پھیلی تھی کہ انگریزی فوج ادھر آ رہی ہے، تب سے قلعہ کے دروازے نہ صرف بند رہتے تھے بلکہ باہر سے اندر آنے والے کے بارے میں بڑی سخت تحقیقات ہوتی، پھر اسے اندر آنے کی اجازت ملتی۔

آخر برجی سے پھر آواز اُبھری:۔

''جس آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا ہے صرف وہ دروازے کی کھڑکی کے پاس آئے باقی تمام لوگ پچاس گز دور ہو جائیں۔''

جھنڈے والے نے اپنے ساتھیوں کو جلدی جلدی کچھ ہدایات دیں، سب لوگ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور جھنڈے والا صدر دروازے کی کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

قلعہ کے دروازوں میں فوری ضرورت کے لیے اس قسم کی کھڑکیاں بنائی جاتی تھیں۔ یہ دراصل چھوٹے دروازے ہی ہوتے تھے جن میں جھک کے داخل ہوا جاتا تھا۔

جھنڈے والے کے لیے کھڑکی کھل گئی اور جونہی وہ اندر داخل ہوا کھڑکی پھر بند ہو گئی۔ اسے پہریداروں کے سردار کے سامنے پیش کیا گیا۔

یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ قلعہ دار سلطان خان اس وقت گشت کرتا ہوا صدر دروازے پر پہنچ گیا، اسے پہریداروں نے سب کچھ بتا دیا تھا اور اسی کے حکم پر صرف جھنڈے والے کو اندر بلایا گیا تھا۔

جھنڈے والے کو جیسے ہی قلعدار سلطان خان کے سامنے پیش کیا گیا اس نے فوراً اسے پہچان لیا۔ سلطان خان کو بھی اس دلال کو پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔

''او بد بخت تارا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ کو گھیر رکھا ہے اور تو پھر بھی عورتوں کو لے کر آیا ہے۔''

اس جھنڈے والا (دلال) کا نام تارا تھا۔ وہ نندی ورگ لانے والی عورتوں کا سودا سلطان

Marfat.com

خان ہی سے کرتا تھا، اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کے راز دار تھے۔
تارا کو تعجب ہو رہا تھا کہ خود قلعہ دار نے ہی اس سے عورتیں منگوائی ہیں اور اب خود ہی اسے ڈانٹ رہا ہے۔
تارا کے دل میں حب الوطنی کی جوت جاگ پڑی تھی اس لیے اس نے تمام خیالوں کو ذہن سے جھٹک دیا اور بولا:۔
''قلعہ دار بہادر، میں جانتا ہوں کہ اس وقت قلعہ والوں کو خوبصورت عورتوں کی ضرورت نہیں اور نہ میں عورتوں کا سوداگر بن کر آیا ہوں، میں اس وقت کسی اور جذبہ کے تحت اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کے یہاں تک پہنچا ہوں۔
سلطان خان چونکہ تائب ہو چکا تھا اس لیے وہ تارا کے جواب پر چڑ گیا:۔
''تیرا اور کون سا جذبہ ہو سکتا ہے عورتوں کی خرید و فروخت کرنے والے سے سوائے برائی اور گناہ کے کسی نیکی کی توقع تو نہیں کی جا سکتی۔''
تارا کو بھی غصہ آ گیا، اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے:۔
''قلعہ دار بہادر میں آپ سے انعام لینے یا عورتوں کی قیمت وصول کرنے نہیں آیا بلکہ یہ بتانے آیا ہوں کہ میرے ساتھ انگریزی فوج کے پندرہ جاسوس آئے ہیں اور انگریز کمانڈر نے اس سلسلے میں مجھے بھاری رشوت کی پیشکش کی ہے۔''
قلعہ دار سلطان خان کا سارا غصہ کافور ہو گیا۔ وہ اٹھ کے جلدی سے تارا کے پاس آیا اور بڑی محبت سے بولا:۔
''تارا۔ کیا تو سچ کہہ رہا ہے، تیرے ساتھ دشمن کے جاسوس آئے ہیں؟''
''ہاں ہاں۔'' تارا نے زور دے کر کہا۔
''اور اگر ان جاسوسوں کو گرفتار نہ کیا گیا تو یہ پندرہ آدمی قلعہ کے اندر آ کر خدا معلوم کیا غضب ڈھائیں گے۔''
قلعہ دار اور گھبرا گیا''
''کہاں ہیں وہ جاسوس، مجھے بتا مجھے دکھا تارا۔''
''قلعہ دار صاحب۔'' تارا نے کہا:۔
''آپ آرام سے بیٹھ کر میری بات سنیے۔ اس طرح گھبرانے سے کچھ نہیں بنے گا۔''
قلعہ دار واپس جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا:۔
''ہاں تارا، اب بتا۔''

Marfat.com

تارا نے دوسرے آدمیوں کو ہٹوا کے اپنی پوری کہانی قلعہ دار کو سنا دی، قلعہ دار کی عقل دنگ رہ گئی، اس نے تارا سے پوچھا۔

''اب بتا، تیری کیا رائے ہے، ان جاسوسوں کے بارے میں؟''

''میری رائے تو یہ ہے قلعہ دار صاحب۔'' تارا کے لہجے میں نفرت در آئی:

''ان تمام جاسوسوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

''ٹھیک ہے۔'' قلعہ دار نے اس کی رائے کی تائید کی:

''مگر تم کہتے ہو کہ ان جاسوسوں کے ساتھ تمہارے اپنے آدمی بھی ہیں، انہیں کس طرح پہچانا جائے گا۔''

تارا نے قلعہ دار کو اطمینان دلایا:۔

''ان کی آپ فکر نہ کریں، میں نے اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا ہے کہ وہ قلعہ میں داخل ہوتے وقت اپنے سرخ رومال اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں۔ پس جن لوگوں کے ہاتھوں میں سرخ رومال ہوں انہیں چھوڑ کے باقی سب کو فوراً قتل کر دیا جائے۔''

قلعہ دار سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے کہا:۔

''تمہارا کہنا میں مانتا ہوں مگر اس سلسلے میں مجھے جاگیردار لطف علی بیگ سے گفتگو کرنا ہوگی۔''

تارا کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، وہ خاموش رہا۔

قلعہ دار اسے ساتھ لے کے باہر آیا، اس نے حکم دیا کہ صدر دروازے کے سامنے اندر کی طرف ننگی تلواریں لے کر لشکری دو قطاروں میں کھڑے ہو کر ایک راستہ بنالیں، اس راستے سے باہر سے آنے والے مرد اور عورتوں کو گزارا جائے گا عورتوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور جن مردوں کے ہاتھ میں لال رومال ہوں، ان کو بھی نہ روکا جائے، البتہ جن افراد کے ہاتھ میں لال رومال نہ ہوں انہیں گرفتار کر لیا جائے اور اگر وہ مزاحمت کریں تو انہیں فوراً قتل کر دیا جائے۔

چنانچہ اس حکم پر عمل کیا گیا۔

قلعہ دار نے تارا کو قلعہ سے باہر بھیج دیا تا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اندر لے آئے، تارا نے سب عورتوں کو قلعہ کی کھڑکی سے اندر بھیجا، ان کے بعد آدمیوں کو اندر بھیجنا شروع کیا۔ وہ اپنے آدمیوں اور انگریزوں کے جاسوسوں کو الگ الگ نہ کر سکا۔ اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو جاسوسوں کو شبہ ہو سکتا تھا۔

جب تمام آدمی قلعہ کے اندر جا چکے تو آخر میں تارا خود اندر گیا۔

Marfat.com

اس نے دیکھا اس کے سب ساتھی ہاتھوں میں لال رومال پکڑے کھڑے تھے اور جاسوسوں کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کر دیا گیا تھا۔

روایت ہے کہ اندر آنے والے جاسوسوں سے جب سختی سے پوچھا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر وہ اقبال جرم کر لیں تو ان کی جان بخشی کر دی جائے گی تو اس پیشکش کا بہت اچھا اثر ہوا۔

جاسوسوں نے بتایا کہ ان میں سات آدمیوں کو قلعہ دار کے قتل اور آٹھ آدمیوں کو جاگیردار کے قتل پر مامور کیا گیا تھا اور انہیں حکم تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں دونوں کو قتل کریں۔ پھر فصیل پر چڑھ کہ سیاہ رومال ہلائیں تا کہ محاصرہ کرنے والا لشکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دے۔

لطف علی بیگ نے جاسوسوں کی جان بخشی کر دی اور قسم کھائی کہ وہ آخری وقت تک قلعہ کو بچانے کی کوشش کرے گا اور انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کی صلح کی بات چیت نہ ہوگی، اس نے تمام عورتوں کو آزاد کر دیا جو اس کے لیے خرید کے لائی گئی تھیں۔ اس نے تمام لڑکیوں اور عورتوں سے وعدہ کیا کہ جنگ کے بعد وہ انہیں ان کے گھروں تک پہنچائے گا وہ پوری طرح تائب ہو گیا تھا۔

لیکن......

لطف علی بیگ کو اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

انگریزوں نے ایک ہفتہ انتظار کرنے کے بعد قلہ نندی ورگ پر زبردست حملہ کر دیا، اس حملہ کی مدافعت بھی زبردست طریقے سے کی گئی۔

دو ہفتوں تک قلعہ پر حملے ہوتے رہے مگر قلعہ والوں نے حملہ آوروں کو قلعہ سے دور ہی رکھا، پھر اٹھارہویں دن مسلسل گولہ باری سے قلعہ کی فصیل میں سوراخ ہو گیا اور انگریز فوج کو قلعے میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔

OOO

Marfat.com

●

نندی ورگ پر قبضہ کے سلسلے میں ایک مؤرخ کا بیان اس طرح ہے کہ:۔

''میجر گوڈی نے آگے بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور مسلسل اٹھارہ روز کی جدو جہد کے بعد قلعہ کی دیوار منہدم کرا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد ایک رات جنرل میڈوز نے آ کر موروچوں میں قیام کیا اور سپاہیوں کو لالچ دیا کہ وہ قلعہ پر قبضہ کر کے ہر قسم کی لوٹ مار اور جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔

اس لالچ میں آ کر فوجیوں نے نہایت بے باکانہ قلعہ پر حملہ کیا اور جلد ہی قلعہ پر قبضہ کر کے بڑی بے دردی سے بلا تخصیص لوگوں کا قتل عام کیا۔ نہ انہوں نے بچوں کو بخشا نہ بوڑھوں کو، خواتین کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا، اس کے تصور ہی سے گردن جھک جاتی ہے، لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا کہ پورے قلعہ میں ایک دمڑی اور ایک چھلہ بھی نہ چھوڑا۔''

یہ سلوک ہے اس قوم کا جو خود کو یورپ کی مہذب ترین قوم سمجھتی ہے، اسی مؤرخ نے لطف علی بیگ کو قلعہ دار اور سلطان خان کو ''بخشی'' لکھا ہے۔

قلعہ پر قبضہ کے بعد لطف علی بیگ اور سلطان خان دست بدست جنگ کرتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو زخمی حالت میں بیڑیاں پہنا کر جنرل میڈوز کے سامنے پیش کیا گیا، دونوں زخموں سے چور ہو رہے تھے۔

جنرل میڈوز نے دریافت کیا:۔ ''تم دونوں میں لطف علی بیگ قلعہ دار کون ہے؟''

لطف علی بیگ کے جواب دینے سے پہلے سلطان خان بول پڑا:۔

''قلعہ دار میں ہوں۔۔۔''

لطف علی بیگ جو زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا، اس نے سر کو جھٹکا دے کر آنکھیں کھولیں اور بولا:۔

''اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا، یہ میرا ملازم ہے اور مجھے بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ لطف علی بیگ میرا نام ہے اور میں قلعہ نندی درگ کا حکمران ہوں۔''

جنرل میڈوز نے حیران نظروں سے دونوں کو دیکھا:

Marfat.com

''بلاشبہ تم دونوں بہادر ہو۔''

''اور بلاشبہ تم اور تمہارا لشکر بزدل ہے، جس نے بچوں اور بوڑھوں کو بھی نہیں بخشا اور خواتین کی وہ بے حرمتی کی ہے کہ تاریخ میں جب بھی اس کا ذکر آئے گا تمہاری قوم شرم سے سر نہ اٹھا سکے گی۔''

جنرل میڈوز کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دیر تک خاموش رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر کہا:۔

''تم نے ہمارا مقابلہ بہادری سے کیا، ہم تم سے خوش ہوئے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر ہم تمہیں آزاد کر دیں تو تم کیا کرو گے؟''

لطف علی بیگ نے سلطان خان کی طرف دیکھا مگر اس کا سر زمین سے جا لگا تھا، شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

تب۔۔۔لطف علی بیگ نے کہا:۔''پہلے یہ بتاؤ تم میں کارنوالس کون ہے؟''

''وہ یہاں نہیں ہیں۔'' جنرل میڈوز نے جواب دیا:۔''اپنے خیمے میں ہیں۔''

لطف علی بیگ کا پھیکا چہرہ کچھ اور پھیکا پڑ گیا اس نے سر جھکا لیا۔

جنرل میڈوز نے اسے پھر چھیڑا:۔''تم نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''کارنوالس نہیں ہے اب کیا جواب دوں میں؟''

''اگر کارنوالس موجود ہوتے تو تمہارا جواب کیا ہوتا؟''

''پھر میرا جواب کچھ اس طرح ہوتا۔۔۔''

لطف علی بیگ زخموں سے زیادہ خون بہہ جانے سے مضمحل ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے زور لگا کر اپنی قوت مجتمع کی اور کہا:۔

''اگر میں آزاد ہوتا اور کارنوالس بھی یہیں ہوتا تو میں تم سے تلوار چھین کر اس پر حملہ کرتا اور اس وقت تک اس سے لڑتا رہتا جب تک دونوں میں سے ایک کا خاتمہ نہ ہو جاتا۔''

لطف علی بیگ کے اس جواب پر جنرل میڈوز، کرنل میکسوئل اور دیگر انگریز افسروں کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

O

سرنگا پٹم پر پہلے حملہ میں ناکامی کے بعد کارنوالس پسپا ہو کر بنگلور پہنچا تھا، بنگلور میں ستانے اور دوبارہ تیاری کرنے کے بعد اب پھر وہ سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

یہ بات قابل غور تھی کہ سلطان اس وقت براہ راست کارنوالس کے مقابلے پر نہیں آیا تھا۔

Marfat.com

یہ دراصل سلطان کی ایک اعلیٰ جنگی چال تھی اور اس کی تہہ تک آخر کارنوالس پہنچ گیا تھا۔
کارنوالس کو یقین ہو گیا تھا کہ سلطان اسے چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں الجھا کر اس کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتا ہے تا کہ جب وہ پلٹ کر جوابی حملہ کرے تو کارنوالس کی کمزور طاقت اس کی تاب نہ لا سکے۔ انگریز جرنیل، سلطان کی اس چال کا بہر صورت جواب دینا چاہتے تھے۔
جب انگریزی فوج سرنگا پٹم پر ناکام ہو کر واپس چلی گئی تو سلطان نے اپنے بڑے بیٹے فتح حیدر کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ گرم کنڈہ کی طرف روانہ کیا۔
گرم کنڈہ کو دشمن فوجیں محاصرے میں لیے ہوئے تھیں۔ فتح حیدر کے ساتھ جانے والی فوجوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے سلطان نے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہیں پیشگی ادا کر دی تھیں۔
ظاہر ہے کہ اس سے فوج میں اپنے سردار اور سلطان کے لیے کس قدر اچھے جذبات پیدا ہوئے ہوں گے اور انہوں نے ان معرکوں میں جوش و خروش سے حصہ لیا ہو گا۔
شہزادہ فتح حیدر ترکیرلہ کے راستے صوبہ سرا کی طرف روانہ ہوا اور عین اس وقت جب کارنوالس بنگلور میں دم لے رہا تھا، شہزادہ فتح حیدر ماگل واڑی (ماگڑی) کے جنگل میں پہنچا، اس نے اپنے لشکر کو تو ماگل واڑی میں چھوڑا اور چیدہ چیدہ سواروں کے چند دستوں کے ساتھ گرم کنڈہ پہنچا اور حملہ آوروں پر قہرِ خداوندی بن کر ٹوٹ پڑا۔
گرم کنڈہ کا محاصرہ کرنے والی حیدر آبادی فوج کا سردار حافظ مؤید الدولہ تھا۔ شہزادہ فتح حیدر کے اس طوفانی حملہ میں مؤید الدولہ مارا گیا اور شہزادے نے اس کا سر نیزے پر چڑھا کر بلند کرا دیا۔
حیدر آبادی لشکر نے جب اپنے سردار کا یہ حال دیکھا تو وہ منتشر اور پراگندہ ہو کر میدان چھوڑ کر کڑپہ کی طرف بھاگ نکلا۔
شہزادہ فتح حیدر گرم کنڈہ میں کامیاب ہونے کے بعد لشکر لے کر موہن بلی اور دانمباڑی کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں نواب دکن کے بیٹے سکندر جاہ اور مشیر الملک کی فوجیں پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں۔ انہیں مؤید الدولہ کے مارے جانے کی خبر مل چکی تھی۔ اب جو انہیں معلوم ہوا کہ شہزادہ ان کی طرف آ رہا ہے تو وہ اپنی فوجیں لے کر سنگل پالیہ کی طرف بھاگ نکلے۔ شہزادہ وہاں پہنچا تو میدان صاف تھا، پھر وہ مدگیری ہوتا ہوا سرنگا پٹم واپس چلا گیا۔
سلطان ٹیپو کی اب بھی یہی کوشش اور پالیسی تھی کہ انگریزوں کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے کے بجائے ان کی فوجوں کو ادھر ادھر الجھا کے ان کی طاقت کو توڑا جائے اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی تھا چنانچہ اس نے انگریزوں کو ہراساں کرنے اور ان کی توجہ دوسری

Marfat.com

طرف مبذول کرانے کے لیے میر قمر الدین کو آٹھ ہزار باقاعدہ فوج کے ساتھ کوئمبتور کو فتح کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ پالا گھاٹ کے قریب ہونے کی وجہ سے کوئمبتور کے قلعہ کی بہت اہمیت تھی۔

○

کوئمبتور میں انگریز لیفٹیننٹ چامرس اور فرانسیسی کمانڈر ڈی لاکومبے موجود تھے۔ لاکومبے کے زیر کمان ٹراونکور کے آصف جاہ کی فوج تھی۔

میر قمر الدین نے وہاں پہنچتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور قاصد کے ذریعے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو پیغام دیا کہ وہ قلعہ خالی کر کے جدھر جانا چاہیں جا سکتے ہیں مگر چامرس اور لاکومبے نے جواب دینے کے بجائے قاصد کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

میر قمر الدین نے تمام دن اور پوری رات قاصد کی واپسی کا انتظار کیا، پھر قمر الدین خود قاصد بن کے اور سفید جھنڈا پکڑ کر قلعہ کے صدر دروازے پر جا پہنچا۔

اس نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا تو فصیل اور برجیوں پر لشکری ہی لشکری دکھائی دیئے، میر نے منہ اوپر کر کے زور سے کہا:۔

''میں سلطانی لشکر کے سالار میر قمر الدین کا قاصد ہوں، مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں یہ معلوم کروں کہ کل جو ہمارا قاصد آیا تھا، اس پر کیا گزری؟ وہ واپس کیوں نہیں گیا؟ کیا اسے گرفتار کر لیا گیا ہے؟

اگر ایسا ہے تو یہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے اور قاصد کو گرفتار کرنا اپنی کمزوری کو چھپانے کے مترادف ہوتا ہے۔''

اوپر سے کوئی جواب نہ آیا۔

تھوڑی دیر انتظار کے بعد قمر الدین نے پھر کہا:۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ فصیل اور دروازے کے اوپر لشکری موجود ہیں مگر کسی کے منہ میں زبان نہیں کہ میرے سوال کا جواب دے۔ کیا اوپر موجود تمام لوگ گونگے اور بہرے ہیں؟''

اس وقت کسی نے اوپر سے سر نکال کر جواب دیا:۔

''ہمارے پاس کوئی قاصد نہیں آیا، اگر تم ہم سے گفتگو کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اندر آنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔''

یہ سن کے میر قمر الدین نے ایک قہقہہ لگایا اور جواب دیا:۔

''تم کہتے ہو کہ اندر آ کر تم سے گفتگو کروں تا کہ مجھے بھی گرفتار کر کے اسی جگہ بھیج دو جہاں

Marfat.com

میرے پہلے ساتھی کو بھیجا ہے، یاد رکھو کہ:

آزمودہ را آزمودن جہل است

(آزمائے ہوئے کو آزمانا بے وقوفی ہے)

اور یہ بھی یاد رکھو کہ قاصد کو گرفتار کرنے والے کا انجام بہت برا ہوتا ہے، تم لوگ انتقام سے نہ بچ سکو گے۔"

اس کے ساتھ ہی میر قمر الدین نے اپنا گھوڑا تیزی سے موڑا، ادھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، ادھر فصیل اور برجیوں سے اس پر تیروں اور گولیوں کی بارش شروع ہوگئی، مگر قمر الدین کا گھوڑا، ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا، تیر اور گولیاں اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکیں۔

میر قمر الدین واپس پہنچا تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، اس کے ساتھ آٹھ ہزار فوجی اور توپخانہ بھی تھا۔

اس نے فوراً حکم دیا:

"قلعہ پر بغیر کسی وقفہ کے مسلسل گولہ باری کی جائے۔"

حکم کی دیر تھی کہ توپخانہ نے چاروں طرف سے قلعہ پر آگ برسانا شروع کر دی، ایک بیان کے مطابق قلعہ کوئمبتور پر تین ہفتے تک گولہ باری ہوئی تو اس کی فصیلیں تو الگ رہیں، پورا قلعہ پیوند خاک ہو گیا۔

انگریز لیفٹیننٹ چامرس اور فرانسیسی کمانڈر ڈی لاکومبے نے معہ اپنی فوج کے ہتھیار ڈال دیئے اور ان سب کو گرفتار کر کے سرنگا پٹم بھیج دیا گیا۔

قمر الدین اس معرکے سے فارغ ہونے کے بعد کوئمبتور کے فوجی اور انتظامی امور درست کرنے میں لگ گیا اور فروری 1792ء تک وہاں موجود رہا، پھر اسے سلطان کا ایک فرمان موصول ہوا جس میں اسے بدنور جانے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ وہ بدنور سے مرہٹوں کو نکال باہر کرے۔

ایک عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ قمر الدین اس جوانمردی سے انگریزوں کے خلاف نبرد آزما رہا مگر اس کے بعد وہ انگریزوں کے خلاف کسی جنگ میں نظر نہیں آتا۔

اس جنگ کے دوران سلطان، انگریزوں سے صلح کی مسلسل کوشش کرتا رہا اس کی سب سے بڑی وجہ اس کے اپنے قریبی امرا اور وزراء کی مفاد پرستی اور ملک و قوم اور سلطان سے غداری تھی۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے ان غداروں کی صورتیں پہچان لی تھیں مگر وہ اس قدر زور آور ہو چکے تھے کہ ان پر ہاتھ ڈالنا، سلطنت خداداد کے جلد زوال پذیر ہونے کا سبب بن سکتا تھا، اس لیے سلطان، انگریزوں سے بہر صورت جلد از جلد صلح کر لینا چاہتا تھا۔

Marfat.com

سلطان نے صلح اور دوستی کے سلسلے میں جنرل میڈوز کو دو سال پہلے ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے یہ پیشکش کی تھی کہ دونوں طرف کے وکیل باہم مل کر مسائل کو حل کریں مگر اس کا جواب میڈوز نے جس حقارت سے دیا، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اس وقت کارنوالس کو یہ چاہیے تھا کہ وہ معاملہ کو طول دینے کے بجائے گفت وشنید کا آغاز کرتا مگر اس کے سر پر تو سرنگا پٹم کی فتح کا بھوت سوار تھا۔

چنانچہ۔۔۔ انگریزوں کے اس صاحب اقتدار لارڈ کارنوالس نے جنرل میڈوز کو سلطان کے بارے میں جو زہر آلود خط لکھا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ کارنوالس، سلطان جیسے ذہین، جرأت مند اور حریت پسند حکمران کو سلطنت خداداد کے تخت وتاج سے محروم کر کے میسور کے سابق راجہ کو تخت پر بٹھانا چاہتا ہے، اس نے جنرل میڈوز کو یہ اختیار دیدیا کہ اگر سلطان اس کی خواہش کے ثبوت پر مندرجہ ذیل شرائط کو تسلیم کرلے تو اس سے گفتگو کی جا سکتی ہے:۔

1- بذات خود ہتھیار ڈال دے۔

2- سرنگا پٹم حوالے کر دے۔

3- یا اپنے بڑے بیٹے کو بنگلور کے قبضہ کے ساتھ تمہاری تحویل میں بطور یرغمال دیدے۔

اس کے علاوہ:۔

1- انگریز قیدیوں کو رہا کرے۔

2- تاوان جنگ ادا کرے جس سے مرہٹوں اور نظام کو برابر حصہ ملے گا اور۔۔

3- مکمل طور پر معاہدہ ہونے تک ہر ماہ خراج ادا کرتا رہے۔

قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں سلطان نے ایک اور خط کارنوالس کو بھیجا جس میں پیشکش کی کہ وہ اپنا ایک معتمد امن کی گفت وشنید کے لیے بھیجنے کا خواہش مند ہے مگر مکار کارنوالس نے اس کے جواب میں کڑی شرطیں لگا دیں اور شہزادے کو یرغمال بنانے پر زور دیا۔

پھر جب کارنوالس سرنگا پٹم پر حملہ میں ناکام ہوا اور محاصرہ اٹھا کر بنگلور واپس چلا گیا تو اس کے رویے میں لچک پیدا ہو گئی کہ اس کی فوج بھوکوں مر رہی تھی اور اسے کسی طرف سے رسد نہ مل رہی تھی، یہاں تک کہ فوجی، توپ خانہ کھینچنے والے گھوڑوں کو بھی ذبح کر کے کھا گئے تھے۔

ان مصائب میں اس نے صلح کا ارادہ کیا مگر بنگلور میں مرہٹہ فوج پہنچ گئی، اس کے پاس سامان رسد وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ جب اس کو اور اس کے فوجیوں کو پیٹ بھر کھانا ملا تو اس کا دماغ پھر الٹ گیا۔

اس نے ٹیپو سلطان کے خط کے جواب میں لکھا کہ:۔

Marfat.com

"صلح کی گفتگو صرف مرہٹوں اور نظام کی موجودگی ہی میں ہو سکتی ہے۔"

حالانکہ سلطان امن کا اتنا خواہشمند تھا کہ اس نے جنرل میڈوز کے پاس خط کے سات خشک اور تر میووں کی پیٹیوں کی پیٹیاں بھیج دی تھیں۔

بنگلور سے مرہٹہ فوج پرسورام کی سپہ سالاری میں صوبہ سرا کی طرف روانہ ہوئی تا کہ اس قبضہ کر سکے مگر صوبہ سرا پہنچنے سے پہلے ہی مرہٹہ فوج کا بنکی نواب کی فوج سے مقابلہ ہو گیا، بنکی نواب کا اصل نام محمد رضا تھا اور یہ سلطان کے ایک مشہور جرنیل تھے۔

محمد رضا مالا بار کے جنگلوں میں آگ لگانے کی وجہ سے بنکی نواب کے نام سے مشہور ہو گ تھے اور ان دنوں قصبہ سموگا میں اپنے آٹھ ہزار سپاہیوں سمیت موجود تھے۔

بنکی نواب کو مرہٹہ لشکر کے آنے کی خبر ملی تو وہ آٹھ ہزار پیادوں کے ساتھ مرہٹوں کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔

پرسورام کے ساتھ بیس ہزار مرہٹہ لشکر تھا جس میں کئی ہزار سوار بھی تھے۔ ایک طرف آٹھ ہزار پیادے اور دوسری طرف بیس ہزار کا مرہٹہ لشکر۔

ایسا رن پڑا کہ زمین و آسمان کانپ اٹھے۔ بنکی نواب چھلاوے کی طرح میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوڑا بھگاتے، حملے کرتے اور اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتے پھر رہے تھے۔

مرہٹوں نے بہت دباؤ ڈالا کہ بنکی نواب اور ان کے پیارے میدان چھوڑ بھاگیں یا پسپا ہو جائیں مگر وہ سب تو آہنی دیوار بن گئے تھے جو سپاہی جہاں کھڑا تھا وہاں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹا اور اس نے وہیں لڑتے لڑتے شہادت پائی۔

صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی مگر بنکی نواب نے میدان نہیں چھوڑا، پھر وہ شدید زخمی ہو کر گرنے لگے تو ایک وفادار اچک کر ان کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھا اور انہیں میدان سے نکال لے گیا۔

سردار کے میدان سے جانے کے بعد سپاہیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ بھی سردار کے پیچھے سموگا سے نکل گئے اور مرہٹوں کا سموگا پر قبضہ ہو گیا۔

پرسورام سموگا پر قبضے کے بعد بدنور کی طرف چلا، بنکی نواب کو شکست دے کر اس کی فوج کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے، وہ اس خیال سے بدنور کی طرف گیا تھا کہ وہاں انگریز کمانڈر ایبر کرومبی بھی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، پرسورام چاہتا تھا کہ ایبر کرومبی کے ساتھ مل کر وہ بدنور پر حملہ کرے اور اس پر قبضہ کر لے۔

Marfat.com

مگر۔۔۔ جب وہ ایبر کرومبی کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو اسے ایک تیز رفتار سوار آتا دکھائی دیا۔
پرسورام نے حکم دیا: ''اس سوار کو روکا جائے۔''
پس دس مرہٹہ سوار آنے والے کا راستہ روک کے کھڑے ہو گئے، سوار کو مجبوراً رکنا پڑا۔
مرہٹے اسے پکڑ کر پرسورام کے سامنے لے گئے۔
''تم کہاں سے آرہے ہو؟''
''موت کی وادی سے۔'' سوار نے جواب دیا۔
''اس سے کیا مطلب ہے تمہارا؟''
پرسورام نے ڈپٹ کر کہا: ''ٹھیک ٹھیک بتاؤ، ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔''
سوار نے جز بز ہوتے ہوئے کہا۔
''میری تو تقدیر ہی خراب ہے۔ موت سے بھاگ کے ادھر آیا تو یہاں بھی موت موجود ہے، ٹھیک ہے، تم مجھے قتل کر دو لیکن تم بھی زندہ نہیں بچو گے، تمہاری موت بھی میرے پیچھے پیچھے آرہی ہے۔''
پرسورام کچھ نہ سمجھ سکا، اس نے نرمی سے کہا: ''اے بد بخت سوار، اپنی جوانی پر رحم کھا، کیوں نہیں بتاتا کہ تو کہاں سے آرہا ہے اور یہ فضول باتیں کیوں کر رہا ہے۔''
''ٹھیک بات سننا ہے تو کلیجہ مضبوط کر لو۔''
سوار نے اب اطمینان سے کہا: ''میں نے کہا ہے کہ میں موت کی وادی سے آرہا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے پیچھے سلطانی لشکر آرہا ہے اور اس لشکر کا سردار قمر الدین ہے۔''
میر قمر الدین کا نام سن کر پرسورام کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔
اس نے کوئمبتور کے قلعے کے حالات سنے تھے جہاں قمر الدین نے انگریز لیفٹیننٹ چامرس اور فرانسیسی کمانڈر ڈی لاکومبے، جو قلعہ کوئمبتور پر قابض تھے، شکست فاش سے ہمکنار کیا تھا، اس نے تین ہفتے مسلسل قلعہ پر گولہ باری کر کے اسے کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا اور ان بدیسی کمانڈروں کو معہ ان کی فوج کے گرفتار کر کے سرنگا پٹم بھیج دیا تھا۔
پرسورام پر اس خبر سے ایسی بجلی گری کہ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حکم دیدیا:۔
''فوجیں اپنا رخ سموگا شہر کی طرف کریں اور چل پڑیں۔''
اس کے ایک سردار نے کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو پرسورام نے اسے بری طرح ڈانٹ کر بھگا دیا۔

Marfat.com

پتہ نہیں یہ خبر سچ تھی یا افواہ مگر اس کا اثر یہ ہوا کہ بدنور کی طرف جانے والی مرہٹہ فوجیں جس طرف سے آئی تھیں اسی طرف واپس ہو گئیں۔

○

انگریز فوج لارڈ کارنوالس کی کارکردگی میں جنوری 1792ء کے آخری ہفتہ میں ایک بار پھر سرنگاپٹم پر حملہ کے لیے روانہ ہوئیں۔

کارنوالس، ساون درگ سے ہوتا ہوا دوسرے دن ہلی درگ کے قریب پہنچ گیا، یہاں پر اس نے اپنی فوج کی تنظیم نو کی۔

میکسویل کو میسرہ پر مقرر کیا۔

اسٹوارٹ کو میمنہ پر لگایا۔

کرنل ڈف کو توپ خانہ کا سربراہ بنایا۔

اور کرنل فلائیڈ کو ریزور فوج کی کمان سونپی۔

کتاب ''ملٹری بایوگرافی'' میں فریقین جنگ کی مندرجہ ذیل تعداد بتائی گئی ہے:۔

انگریز فوج (ماتحت کارنوالس)	22 ہزار
حیدر آبادی فوج	18 ہزار
مرہٹی فوج (ماتحت ہری پنتھ)	12 ہزار
مرہٹی فوج (ماتحت پرسورام)	20 ہزار
انگریز فوج (ماتحت ایبر کرامبی)	9 ہزار
جملہ تعداد	81 ہزار

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب ''کیپٹن لٹل کی یادداشتیں'' میں یوں لکھتا ہے۔''

''اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ بار برداری کے لیے جس قدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں، ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار اور پرسورام کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے لیکن اس فوج کی بار برداری کے لیے جو لوگ تھے، ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، بیل، اونٹ اور گدھے شامل تھے، وہ سپاہیوں سے پندرہ گنا زیادہ تھے۔

ایک اندازے کے مطابق کیمپ میں تین لاکھ بیس ہزار افراد بار برداری کے لیے اور چار لاکھ اسی ہزار جانوروں کے لیے موجود تھے، انگریزوں اور نظام کی فوج ان

Marfat.com

کے علاوہ تھی۔

اسی کتاب میں سلطانی فوج کے بارے میں لکھا ہے:۔

''سلطانی فوج کی تعداد قلعہ میں چالیس ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہوں گے۔''

اتحادیوں کی ساری فوج نئی وردیوں میں ملبوس تھی، جسموں پر چمکدار ہتھیار سجے تھے اور بینڈ باجے بجاتی فوج رواں دواں تھی جیسے امیروں رئیسوں کی بارات چڑھتی ہے، نظام دکن کا بیٹا سکندر جاہ، مرہٹہ سردار ہری پنتھ ہاتھیوں پر سوار اپنے اپنے رسالوں کے آگے آگے چل رہے تھے مگر روانگی کے دوسرے دن ان کی تمام شان وشوکت دھری رہ گئی۔

دوسرا دن چڑھتے ہی انگریزی لشکر کے ہراول دستے کا ایک سوار گھوڑا اڑاتا کارنوالس کے پاس پہنچا۔

وہ گھوڑے سے اترا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں عرض کیا:

''سلطان کا لشکر اس طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے صاحب بہادر۔''

کارنوالس بھی گھبرا گیا، اس نے پوچھا: ''لشکر کی تعداد کتنی ہے؟''

سوار نے جواب دیا: ''صاحب بہادر۔ گرد اتنی اٹھ رہی ہے کہ تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، بہت بڑا لشکر ہے۔''

''تم نے لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟''

''جی صاحب بہادر۔''

ہراول دستے کے سوار نے جواب دیا:

''میں نے خود دیکھا تھا۔ پورے ہراول دستے نے دیکھا تھا، جبھی تو سردار نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ ہوشیار ہو جائیں۔''

اس سے زیادہ نہ سوار بتا سکا اور نہ کارنوالس معلوم کر سکا یہ تو ٹھیک تھا کہ ہراول دستہ نے دور پرے گرد اڑتی ہوئی دیکھی تھی، پھر انہیں کچھ سوار بھی آتے دکھائی دیئے تھے۔ پس ہراول دستہ کے سردار نے ایک سوار کارنوالس کو اطلاع دینے کے لیے دوڑا دیا تھا۔

کارنوالس نے فوراً الرٹ ہونے کا حکم دیا اور دوسرے ہی لمحے ساری فوج حالت جنگ میں چلی گئی۔ بینڈ باجے بند کر دیئے گئے، سپاہیوں نے زرق برق نئے لباس اتار کر عام وردیاں پہن لیں۔ صفیں ترتیب دی گئیں اور میمنہ میسرہ درست کیا گیا۔

اس عالم میں چار گھنٹے گزر گئے۔

مگر۔۔۔سلطانی لشکر کو نہ آنا تھا نہ آیا۔

Marfat.com

یہ اور اس طرح کی دوسری کئی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان اور سلطانی لشکر کی دشمنوں پر کس قدر دہشت طاری تھی مگر غداروں اور ایمان فروشوں کی آنکھیں نہ کھل رہی تھیں اور وہ خود اپنی اور اپنے وطن کی آزادی کی راہ میں کانٹے بوتے چلے جا رہے تھے، سلطان عالی مقام کو مفاد پرستوں نے اس طرح گھیر رکھا تھا کہ انہیں قلعہ سرنگا پٹم کے باہر کی قطعی کوئی خبر نہ تھی اور خبر تھی تو صرف اس طرح کی:۔

"عالی جاہ۔ انگریزوں کا خاتمہ ہو گیا ہے، وہ اب سرنگا پٹم کا رخ نہیں کر سکتے۔"

اس طرح کی باتیں ملک فروش کرتے اور سلطان کو حقیقت سے بے خبر رکھتے تھے۔

یہ کس قدر غضب کی بات تھی کہ اتحادی فوجیں سرنگا پٹم کی فصیل کے باہر پہنچ گئیں اور قلعہ میں کسی کو خبر تک نہ ہو سکی، یہاں تک کہ دشمن کی فوجوں نے اس فصیل سے صرف چار میل کے فاصلے پر اپنا کیمپ قائم کر لیا مگر قلعہ میں موجود ایک سو بھاری توپوں اور تین سو ہلکی توپوں میں سے ایک بھی گولہ نہ چلا، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ دریائے کاویری کے اس ٹاپو[1] میں جسے سرنگا پٹم کہا جاتا ہے اس میں سلطان ٹیپو اپنے چالیس ہزار پیادوں اور پانچ ہزار آہن پوش سواروں سمیت موجود ہے۔

سلطنت خداداد کا دارالسلطنت سرنگا پٹم دریائے کاویری میں ایک ٹاپو پر واقع تھا جس کی شرقاً غرباً لمبائی ساڑھے تین میل اور شمالاً جنوباً چوڑائی ڈیڑھ میل تھی، یہ مزید تین حصوں میں تقسیم تھا:

1- مغربی حصہ میں پرانا شہر تھا اور اسے قلعہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

2- درمیان میں سلطان کا آباد کردہ شہر گنجام تھا۔

3- مشرق میں لال باغ تھا۔

قلعہ اور گنجام کے درمیان دولت باغ تھا، شہر کے باہر کی طرف ایک گہری خندق تھی جس میں دریائے کاویری کا پانی آتا تھا۔

سرنگا پٹم میں سات گڑھیاں (چھوٹے قلعے) بھی تعمیر کی گئی تھیں، ان میں ایک اہم گڑھی عید گاہ کے نام سے مشہور تھی، یہ شہر کے شمالی کونے پر تھی۔

شہر کے اندر تین گڑھیاں تھیں جن کے نام یہ تھے:

1- لالی 2- محمد 3- سلطان۔

سلطان ٹیپو کا خیمہ آخری گڑھی جس کا نام بھی "سلطان" تھا، کے قریب تھا۔

اس ٹاپو کے چاروں طرف 250 گز (750 فٹ) چوڑا دریائے کاویری کا ایک زبردست

---

[1] جزیرہ

Marfat.com

حفاظتی بند، خندق کے مانند بہتا تھا۔

سرنگا پٹم میں داخل ہونے کے لیے صرف ایک پل تھا جسے اس وقت توڑ دیا گیا تھا۔ کارنوالس گڑھیوں پر سے گزر کر جزیرے میں داخل ہونا چاہتا تھا مگر جس کے لیے موجود پل ٹوٹا ہوا تھا۔

یہ بات 6 فروری 1792ء کی ہے۔

کارنوالس نے جنرل میڈوز، کرنل میکسوئیل اور کرنل آرتھر ہارس کے ساتھ مل کر صورتحال کا جائزہ لیا اور اسی شام فوجوں کو حکم دیا گیا کہ وہ شہر پر تین اطراف سے حملہ آور ہوں۔

جنرل میڈوز کو حکم ہوا کہ وہ دو ہزار تین سو سپاہیوں کے ساتھ عید گاہ اور گڑھی لالی پر حملہ کرے۔ وسطی حصہ میں خود کارنوالس، اسٹوراٹ کے ساتھ سلطان ٹیپو کے کیمپ پر حملہ کرے اور بائیں طرف سے 1700 سپاہیوں کو لے کر کرنل میکسوئیل کری گٹہ کی پہاڑیوں پر چڑھے، پھر یہ تینوں مل کر دشمن کو پسپا کرتی ہوئی جزیرے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔

اس رات آٹھ بجے جنرل میڈوز نے حرکت کی۔ وہ اپنے دستے کے ساتھ چلتا ہوا بغیر کسی مزاحمت کے (یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے) عید گاہ کے قریب پہنچ گیا، اس وقت بھی کوئی مدافعت نہ ہوئی اور ایک گولی تک نہ چلی۔

کارنوالس کے منصوبے کے مطابق جنرل میڈوز کو عید گاہ پر حملہ کیے بغیر وہاں سے مشرق کی جانب مڑ جانا تھا، اس کا مطلب ہے کہ کارنوالس کو یقین دلایا گیا تھا کہ عید گاہ میں موجود سلطانی دستے بغیر کسی مزاحمت کے جنرل میڈوز کے دستوں کو مشرق کی سمت چلا جانے دیں گے۔

مگر۔۔۔

اس منصوبے کا علم شاید جنرل میڈوز کے ساتھ آنے والے لیفٹیننٹ کرنل بنلٹ کو نہیں تھا، اس نے موقع گنوانا پسند نہ کیا اور گڑھی پر حملہ کر دیا۔

اور۔۔۔ یہ بھی شاید اتفاق ہی تھا کہ اس اہم گڑھی کے اندر سید حمید سپہ دار، موسیو لالی اور کمانڈر دگی کو صرف 360 سپاہیوں کے ساتھ تعینات کیا گیا تھا۔

سید حمید سپہ دار سلطان کا انتہائی وفادار افسر تھا، اس غریب کو بھی دھوکے میں رکھا گیا اور صرف 360 سپاہیوں کے ساتھ اس اہم مورچہ میں بٹھا دیا گیا۔

سید حمید کے سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس پر اس وقت اچانک حملہ ہو جائے گا، حملہ ہوتے ہی وہ تلوار کھینچ کے سینہ سپر ہو گیا۔

ایک طرف سید حمید کے 360 اور دوسری طرف جنرل میڈوز کے تئیس سو، یعنی سپہ دار سید

Marfat.com

حمید کے ایک سپاہی کے مقابلہ میں جنرل میڈوز کے دس سے زیادہ سپاہی آتے تھے مگر وہ جوانمرد اور اس کے سپاہی جانبازی سے لڑتے رہے اور کٹ کٹ کے گرتے رہے، یہاں تک کہ سید حمید نے لڑتے لڑتے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اس کے مرتے ہی گڑھی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

گڑھی عید گاہ پر قبضہ کے بعد اب جنرل میڈوز کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ جزیرے کی طرف بڑھے یا مشرق کی سمت کارنوالس کے پاس پہنچے، آخر اس نے مشرق کا راستہ اختیار کیا اور کری گٹہ کی پہاڑیوں پر پہنچ گیا۔

دوسری طرف کارنوالس نے سب سے آگے کرنل نوکس کو چلنے کا حکم دیا، اس کے پیچھے اسٹوارٹ اور خود سب سے پیچھے رہا۔

ان سب نے آگے پیچھے چلتے ہوئے سلطانی فوج کے قلب میں پہنچنے کی کوشش کی، یہاں تھوڑی سی مزاحمت ہوئی مگر انہوں نے سلطانی پہرے داروں کو مار بھگایا، یہ پہرے دار بھاگ کے سلطان کے حضور پہنچے اور انگریزوں کے شب خون مارنے کی خبر دی۔

چونکہ یہاں پر ایک معمولی سی جھڑپ ہوئی تھی، کچھ آدمی مارے گئے اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اس لیے کارنوالس کو سلطانی توپ خانے کا خطرہ محسوس ہوا مگر وہ خود یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دریائے کاویری تک اس کی راہ کسی نے نہ روکی۔

اس وقت انگریزی فوج کے رجمنٹ 52 ' 71 اور 74 کے کچھ سپاہی دریا پار کر کے پرانے شہر کے قریب پہنچ گئے اور وہاں دشمن فوج کے ان سپاہیوں نے نمک حرامی، غداری، ایمان فروشی اور ملک فروشی کا ایک ایسا منظر دیکھا کہ وہ حیران رہ گئے۔

ان کے سامنے شہر کا مشرقی دروازہ ان کے استقبال کے لیے کھلا ہوا تھا۔

یہ ملک فروشی اور غداری کا ایک ایسا بھیانک لمحہ تھا جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس غلیظ منصوبہ میں سرنگا پٹم کے صرف ہندو ہی شریک نہ تھے بلکہ سلطانی فوج اور سلطنت کے اہم امیروں اور وزیروں نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

رجمنٹ کے سپاہیوں نے شہر کا دروازہ کھلا دیکھا تو پہلے وہ مسکرائے پھر اپنے پیچھے آنے والوں کو "سب ٹھیک ہے" یعنی "او کے" کا سگنل دیدیا۔

کرنل نوکس اپنی رجمنٹ نمبر 71 اور 74 کے ساتھ گنجام شہر کی طرف بڑھا، اسے کوئی روکنے والا نہ تھا، دروازے کے پہرے دار نا معلوم کہاں جا سوئے تھے یا انہیں ابدی نیند سلا دیا گیا تھا۔

Marfat.com

سلطان کا محافظ دستہ شمالی ساحل کی طرف توپخانہ کے قریب پہنچا ہوا تھا جیسے وہ سلطان کے نہیں بلکہ توپخانہ کے پہرے دار ہوں۔

انگریزی فوج کا تیسرا گروہ جس کا سردار کیپٹن ہنٹر تھا، وہ دریا پار کر کے یا یوں سمجھ لیں کہ دریا میں پکنک مناتے دریا پار اترا اور دولت باغ کی طرف بڑھا، اس کے راستے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن دروازہ کھلا پانے کے باوجود یہ گروہ دولت باغ میں داخل نہیں ہوا بلکہ خوف کھا کے الٹے پیروں واپس چلا گیا۔

اس گروہ والوں کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ دولت باغ میں پھنس کے نہ رہ جائیں اور روشنی پھیلنے پر سلطانی توپ خانہ ان کے پرخچے نہ اڑا دے۔

جنرل اسٹوارٹ کا دستہ جو کارنوالس کے ساتھ تھا، وہ الگ ہو کر سیدھا گڑھی سلطان کی طرف بڑھا مگر اسے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پس وہ گڑھی کے اوپر سے چکر لگا کر مشرق میں پہنچا جہاں وہ میکسوئیل سے جا ملا۔

کارنوالس ابھی تک اپنے دستوں کے ساتھ گڑھی سلطان کے قریب ٹھہرا ہوا تھا، رات کا ایک پہر باقی تھا کہ سلطانی دستوں کو اس کی موجودگی کا علم ہو گیا اور انہوں نے کارنوالس پر شدید حملہ کر دیا۔

انگریزی فوج جم کے لڑی، کارنوالس کو جنرل میڈوز کی کمک کی امید تھی مگر سامنے سے ہنٹر واپس آتا دکھائی دیا۔

سلطانی دستوں کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ کارنوالس، ہنٹر کی مدد کے باوجود حملہ کی تاب نہ لا سکا اور مشرق کی طرف پسپا ہو گیا جہاں اسے جنرل میڈوز اور اس کا ناکام دستہ ملا، اس معرکہ میں کارنوالس کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔

اس وقت میکسوئیل کری گٹہ کی پہاڑیوں پر قبضہ کر چکا تھا اور سلطانی کیمپ پر حملہ کے لیے مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا۔

راستے میں اسے اسٹوارٹ مل گیا جو شکست کھا کر واپس آ رہا تھا، ان دونوں نے وہیں سے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسٹوارٹ کا نائب جو 1780ء میں سرنگا پٹم میں قید رہ چکا تھا، وہ سب سے پہلے دریا پار پہنچا، اس کے بعد اسٹوارٹ اور میکسوئیل چلے۔

اس وقت سلطانی توپخانہ آگ برسانے لگا، یہ دونوں بچتے بچاتے اور بہترین سپاہیوں کو گنواتے آخر لال باغ کے قریب آ پہنچے۔

Marfat.com

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟
اگر اسے ہونا تھا تو بھی اس قدر آسانی سے کیوں ہوا؟
انگریزوں کو جزیرے تک پہنچنے سے کیوں نہ روکا گیا؟
نیز یہ کہ سلطان کو ان باتوں کی خبر کیوں نہ ہوئی؟

ان باتوں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سلطان کے گرد سازشوں کا زبردست جال پھیلا دیا گیا تھا جس وقت کارنوالس کی فوج سرنگا پٹم پر تین اطراف سے حملہ آور ہوئی، سلطان اس وقت اپنے کیمپ میں دسترخوان پر بیٹھا تھا اور تمام سازشی امراء اس کے گرد جمع تھے۔

سلطان کو انگریزوں کے حملہ کی خبر اس وقت ہوئی جب دشمن دریا پار کر کے جزیرے پر پہنچ چکا تھا۔

اس وقت سلطان کیا کرتا؟ سوائے اس کے کہ وہ جزیرے میں سمٹ کر قلعہ بند ہو گیا، اسے شبہ تو ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف بہت بڑی سازش ہوئی ہے مگر وہ مجبور تھا، کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا، وہ اب تک دوست اور دشمن کی شناخت بھی نہ کر سکا تھا۔

○

سلطان نے بڑی بے چینی کے عالم میں رات کاٹی، صبح ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے احمدی رسالے کے دس ہزار جوان سرنگا پٹم سے کورگ کی طرف فرار ہو گئے ہیں، یہی نہیں بلکہ اس کی فوج مختلف اطراف میں بکھر چکی ہے اور اس کے کئی یورپین ماہرین انگریزوں سے مل گئے ہیں، ان حالات میں سلطان کو بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا۔

پس۔۔۔

اس نے قلعہ کے ہر مورچے، برج اور فصیل پر منجنیقیں اور توپیں نصب کرا دیں۔

انگریزوں کی طرف سے سب سے پہلا حملہ کیپٹن اسبالڈ نے کیا مگر شکست کھا کر اسے پسپا ہونا پڑا۔

پھر اسبالڈ کو کمک کے طور پر دو ہزار کا ایک دستہ بھیجا گیا مگر سلطانی بہادروں نے ان کا جوانمردی سے مقابلہ کیا اور سوار اپنے گھوڑوں سے اتر کر دست بدست جنگ میں شروع ہو گئے اور کیپٹن اسبالڈ مارا گیا

اب سلطان کا یورپی رسالہ آگے بڑھا۔ اس کی کمان دگی کر رہا تھا، شام چار بجے کے قریب انگریزوں کا آخری زبردست حملہ ہوا۔

اس دن بھر کی لڑائی میں سلطان کے ایک سو جوان شہید ہوئے اور انگریزوں کے 525

Marfat.com

سپاہی مارے گئے اور 342 زخمی ہوئے۔

کارنوالس کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس کا یہ حملہ سرنگا پٹم کے محاصرے کی صورت اختیار کر گیا تاہم یہ محاصرہ چاروں طرف سے مکمل نہ ہو سکا۔

قلعہ سرنگا پٹم میں اگر ایک طرف مہدی علی خان نائطہ جیسے غدار موجود تھے، تو دوسری طرف سید غفار اور سید حمید جیسے وفادار بھی تھے جنہوں نے اپنی بہادری سے سرنگا پٹم کی جنگ کی انمٹ تاریخ لکھی۔

وفادار فوجی افسروں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان کو غداروں اور ایمان فروشوں نے گھیر رکھا ہے اور غلط مشورے دے رہے ہیں، اس لیے چھوٹے سردار اور بعض قلعہ داروں نے اپنے طور پر حملہ آوروں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سرنگا پٹم ایک نامکمل محاصرے میں آ چکا تھا، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطانی وفادار سواروں کا ایک دستہ محاصرہ توڑ کر جنوب کی طرف نکل گیا اور دو دن کا طویل چکر لگانے کے بعد یہ دستہ کارنوالس کے عقب میں پہنچا اور کری گڈہ پر اتنا اچانک اور زبردست حملہ کیا کہ انگریز فوج بوکھلا گئی۔ اس میں ایسا انتشار پیدا ہوا کہ سپاہیوں کو افسروں اور افسروں کو سپاہیوں کی کوئی خبر نہ رہی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی فوج افراتفری اور نفسا نفسی کے عالم میں محاصرہ اٹھا کر پسپا ہو گئی۔

یہ صرف ایک سوار دستہ کا کارنامہ تھا۔

اس کے دو دن بعد کرنل ایبر کرومبی مغربی گھاٹ سے چھ ہزار تازہ دم فوج کی کمک لے کر آ گیا اور انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔

اگلے دن کرنل کرومبی اور سلطان کے بڑے بیٹے فتح حیدر کے سوار دستوں میں زبردست معرکہ ہوا اور دن بھر جنگ ہوتی رہی۔

فتح حیدر کے سواروں سے ناکام ہونے کے بعد کرنل کرومبی نے قلعہ کی فصیل پر حملہ کیا مگر اسے اس میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

غرض کہ انگریزوں مرہٹوں اور نظام کا یہ متحدہ لشکر بار بار ناکام ہوتا رہا۔ سلطانی لشکر بڑی بے جگری سے مدافعت میں مصروف تھا اور دشمن کے حملوں کو ناکام بناتا رہا مگر وہ ناکام ہونے کے بعد بھی سرنگا پٹم کے گرد دیوار بنے کھڑے تھے اور خطرہ ہر دم بڑھتا ہی جا رہا تھا اور یہ خطرہ متحدہ لشکر سے زیادہ غداروں کی طرف سے تھا۔

متحدہ فوج کے تینوں سربراہ بھی یہ جانتے تھے کہ سلطان کی ذاتی شجاعت و جرأت اور وفادار

Marfat.com

فوجیوں کی کوشش سرنگا پٹم کی دیواروں کو آسانی سے ٹوٹنے نہ دے گی۔

ان کا یہ بھی خیال تھا اور ٹھیک خیال تھا کہ یہ محاصرہ کافی طول کھینچے گا اور یہ جھڑپیں عرصہ تک جاری رہیں گی۔ اس عرصہ کے لیے کثیر تعداد میں رسد کی ضرورت ہوگی اور کافی جانوں کی قربانی دینا ہوگی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی ترکیب نکالی جائے کہ مقصد بھی حل ہو جائے اور سلطان کا سر بھی جھکا دیا جائے۔

جہاں تک سلطان کا تعلق تھا تو اس نے بھی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اندرونی سازشیں اس قدر بڑھ چکی ہیں کہ ان کی موجودگی میں تین متحدہ طاقتوں سے جنگ کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے، اس لیے مصلحت، وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ دشمن سے صلح کر لی جائے چنانچہ سلطان نے ایک بار پھر کارنوالس کو صلح کے لیے خط لکھا۔

سلطان کے گزشتہ خطوط کا جواب انگریزوں کی طرف سے یا تو انتہائی تحقیر آمیز اور گستاخانہ دیا جاتا تھا یا پھر انگریز جنرل جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے، مگر سلطان کے اس خط نے جیسے کارنوالس کو خوشی کا پیغام دیا اور وہ فوراً صلح پر آمادہ ہو گیا مگر بیچ میں جنرل میڈوز آ گیا۔ اس نے صلح کی سخت مخالفت کی۔ کارنوالس نے اسے اونچ نیچ سمجھائی، وہ راضی تو ہوا مگر ایک شرط پر۔

جنرل میڈوز نے کارنوالس سے کہا:۔

''مجھے قلعہ بنی پر حملہ کی اجازت دی جائے اگر میں اس قلعہ پر قبضہ کر لوں تو صلح نہ کی جائے اور اگر ناکام رہوں تو پھر صلح ہو سکتی ہے۔''

قلعہ بنی کا قلعہ دار سید غفار تھا۔

جنرل میڈوز نے اپنے طور پر قلعہ پر زبردست حملہ کیا اور اپنی فتح کے لیے بہت پرامید تھا لیکن سید غفار نے اس کے حملہ کا جس جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ اس سے اس مغرور جنرل کو تھوڑی ہی دیر بعد بھاگنا پڑا۔

دو گھنٹے بعد جنرل میڈوز نے دوسرا حملہ کیا، یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ سید غفار کو پسپا ہونا پڑا مگر اس حملے کی اطلاع فاضل خان اور سید حمید جیسے بہادروں کو پہنچ گئی، وہ فوراً کمک لے کر پہنچے اور جس مقام سے سید غفار پسپا ہوا تھا اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا پھر ایسا جوابی حملہ کیا کہ جنرل میڈوز دو ہزار سپاہی کٹوانے کے بعد منہ پیٹتا ہوا واپس چلا گیا۔

○

کارنوالس نے جنگ کا رنگ دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس موقع پر جنگ جیتنا مشکل ہی

Marfat.com

نہیں بلکہ ناممکن ہے اس لیے سلطان سے بہتر ہے بہتر شرائط پر صلح کر لی جائے۔

جنرل میڈوز بھی منہ کی کھا کے خاموش ہو گیا تھا، لہٰذا کارنوالس نے سلطان کے خط کا جواب بھجوایا جس میں اس نے تجویز پیش کی کہ دونوں طرف کے وکیل گفتگو کے ذریعے صلح کی شرائط طے کریں۔

وکیلوں کی ملاقات کے لیے کارنوالس نے اپنے خیمے کے قریب ہی ایک مقام خود ہی تجویز کیا۔

وسط جنوری 1792ء میں وکیل مقررہ مقام پر جمع ہوئے، سلطانی سفارت غلام علی لنگڑے اور علی رضا خان پر مشتمل تھی جبکہ انگریزوں کی طرف سے سر جان کینوے نے وکالت کی۔

حیدر آباد کی طرف سے میر عالم اور مرہٹوں کی وکالت گووند راؤ کال اور باچا جی مہندال نے کی۔

مگر۔۔۔ اصل گفتگو کینوے ہی کرتا رہا، صلح کی گفتگو ایک ماہ سے زیادہ دنوں تک ہوتی رہی۔ گفتگو کے دو دور ہوئے اور درمیان میں کچھ وقفہ رہا۔

سلطان تک متحدہ دشمنوں کی شرائط پہنچ چکی تھیں۔ یہ شرائط انتہائی سخت اور تحقیر آمیز تھیں لیکن سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ سازش اور غداریوں کے اس جال سے بچنے کے لیے اور ملک کو تباہی سے بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ جو شرائط پیش کی گئی ہیں انہیں خاموشی سے تسلیم کر لیا جائے۔

کارنوالس کی شرائط یہ تھیں:۔

1- سلطان اپنے اتنے علاقے سے دستبردار ہو جائے جو تین کروڑ روپیہ سالانہ محاصل ادا کرتا ہو۔

2- آٹھ کروڑ روپیہ نقد بطور تاوان ادا کیا جائے۔

3- اس رقم کی ادائیگی تک سلطان اپنے دو بیٹے بطور یرغمال انگریزوں کے قبضے میں دیدے۔

سلطان کی طرف سے ایک وکیل غلام علی خان لنگڑا تھا جو ہمیشہ سے مفاد پرست، لالچی اور غدار تھا، سلطان نے جو وفود مصر اور ترکی بھیجے تھے ان میں یہ بھی شخص شامل تھا اور اس نے انگریز سفیروں سے رقم لے کر انہیں اپنی سفارت کے مقاصد سے آگاہ کر دیا تھا۔

دوسرے یہ کہ وہاں جو تحائف سلطان کو بھیجے گئے تھے، ان میں سے آدھے سے بھی زیادہ یہ بدبخت اپنے گھر لے گیا تھا مگر سلطان نے اسے پھر بھی معاف کر دیا تھا۔

اس سفارت میں اس نے اپنی غدارانہ ذہنیت کا اظہار کیا اور جیسے ہی اس کے سامنے شرائط پیش کی گئیں اس نے فوراً تسلیم کر لیں۔

سلطان کے دوسرے وکیل علی رضا خان نے ان شرائط کی مخالفت کی اور یہ دلیل پیش کی کہ

Marfat.com

سلطانی خزانہ میں اس قدر رقم موجود نہیں کہ آٹھ کروڑ نقد ادا کیے جا سکیں۔

علی رضا خان نے اس سلسلے میں پیش کش کی کہ انگریز وکیل یا کوئی اور آدمی خود جا کر خزانہ کی جانچ پڑتال کر سکتا ہے۔

چنانچہ۔۔۔ کارنوالس نے ایک معقول وجہ اور پیشکش کے پیش نظر نقد رقم آٹھ کروڑ کے بجائے چھ کروڑ کر دی اور یہ رعایت بھی دی کہ تین کروڑ نقد ادا کیا جائے اور تین کروڑ سالانہ کا علاقہ دے دیا جائے۔

اس موقع پر مرہٹہ وکیلوں نے کینوے پر زور دیا کہ سلطان سے مصارف دربار کے لیے ساٹھ لاکھ روپے کا مزید مطالبہ کیا جائے۔

ہری پنتھ نے اس مطالبے کا یہ جواز پیش کیا کہ ایسے موقعوں پر اس نام سے ان سول عہدیداروں کے لیے کچھ رقم وصول کی جاتی ہے جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔ آخر علی رضا خان کے اعتراض پر یہ رقم 60 لاکھ سے گھٹا کر 30 لاکھ کر دی گئی۔

سلطان کو ہر امیر اور وزیر کے دل کا حال بخوبی معلوم تھا، پھر بھی اس نے رسماً تمام امراء اور وزراء کو سرنگا پٹم کی مسجد میں جمع کیا اور ان کے سامنے اتحادیوں کی پیش کردہ شرائط بیان کیں۔

سلطان نے یہ قدم اس احتیاط کے تحت اٹھایا کہ امراء اور وزراء بعد میں یہ شکوہ نہ کریں کہ صلح نامہ سے قبل انہیں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ پھر یہ کہ شرائط کے مطابق ایک کروڑ 65 لاکھ فوری طور پر ادا کرنا تھا جبکہ باقی رقم تین تین ماہ کی قسطوں میں ادا کرنا تھی اور ملکی معیشت یہ بار نہیں اٹھا سکتی تھی۔

خزانہ کا حال سب کو معلوم تھا کیونکہ پورنیا وزیر خزانہ تھا اور وہ سازشیوں کا ایک اہم رکن تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس وقت وہ امیر اور وزیر جو خزانہ لوٹ لوٹ کر کھا رہے تھے، سلطان کی مدد کرتے اور انگریزوں کی طلب کردہ رقم حصہ ڈال کر پوری کر دیتے مگر اس نکتہ پر توجہ کرنے کی بجائے انہوں نے صلح کی شرائط قبول کرنے پر زور دینا شروع کر دیا، یہ ان کی غداری اور خباثت کا کھلا ہوا ثبوت تھا۔

سلطان کے وفادار امراء دم بخود تھے۔ ان کے دل خون کے آنسو رو رہے تھے۔۔۔ ان بے چاروں نے بے ایمانی سے مال بھی نہیں جمع کیا تھا کہ اس وقت سلطان کی مدد کرتے، سوائے خاموش رہنے کے ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔

سلطان کو غداروں کے جواب اور ان کی خواہشوں کا پہلے ہی علم تھا مگر اس نے یہ رسم بھی ادا کر دی۔ اس نے مزید دو روز اور توقف کیا کہ شاید امراء کے تاریک دلوں میں روشنی کی کوئی

Marfat.com

کرن پھوٹے مگر اللہ تو منافقوں کے دلوں پر تالے ڈال دیتا ہے، ان دونوں کی تاخیر سے نا عاقبت اندیشوں کو اپنے مستقبل کے اندیشے ستانے لگے کہ کہیں ان کے سارے کیے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔

انہیں سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بیرونی طاقت سلطان کی مدد کو پہنچ جائے اور وہ اپنے آقا انگریز سے وہ مراعات حاصل کرنے سے محروم ہو جائیں جن کے لیے انہوں نے ملت، ملک اور ایمان تک داؤ پر لگا دیئے تھے۔

آخر سلطان نے مقتدر امراء کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر زہر کا یہ گھونٹ بھی حلق سے اتار لیا اور اس نے اس ذلت آمیز صلح نامہ پر 23 فروری 1792ء کو دستخط کر دیئے۔

جس وقت دستخط شدہ صلح نامہ باہر آیا تو ایمان فروشوں کے چہرے دمک اٹھے اور وفادار امراء کی آنکھوں میں اُمڈتے ہوئے سیلاب کے بند ٹوٹ گئے، وہ اس قدر پھوٹ کر روئے کہ شاہی دربار کے بام و در بھی جیسے رو اٹھے۔

نہ قلم میں طاقت ہے اور نہ الفاظ میں زور کہ وہ اس دردناک اور رقت انگیز منظر کو بیان کر سکے، جب سلطان کے دونوں چھوٹے بیٹوں کو والدین سے جدا کر کے دشمنوں کے مہمانہ خانہ کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔

سلطان کے بڑے صاحبزادے شہزادہ فتح حیدر کی عمر اٹھارہ سال تھی اور اب بطور یرغمال بھیجے جانے والے شہزادوں عبدالخالق اور معز الدین کی عمریں دس اور آٹھ سال تھیں، دونوں شہزادے جس وقت ممتا بھری ماں اور شفقت و محبت بھری دادی اور دوسری عزیز خواتین سے رخصت ہو کے محل سرا سے باہر آئے، اس وقت کا حال نہ تو دیکھا جا سکتا ہے اور نہ بیان ہو سکتا ہے، اس کے لیے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزرنا تھی وہ گزری اور اس طرح گزری کہ سسکیوں، آہوں، چیخوں اور اشکوں کا ایک سیلاب تھا جس میں محلاتِ شاہی اور ان کے مکین لرزتے اور ہچکولے کھاتے محسوس ہوتے تھے۔

اس کے سوا کچھ اور کہنے کی طاقت نہیں!

آپ اس منظر کو صرف تصور کی آنکھوں سے ہی دیکھ سکتے ہیں، وہ قیامت کا سماں تھا یا کربلا کا ایک ہلکا سا عکس تھا۔

O

شہزادہ عبدالخالق اور معز الدین کی رخصتی کے مغموم جلوس کی ترتیب اس طرح تھی کہ سب سے آگے چند اونٹ سوار چل رہے تھے، ان کے پیچھے سات علمبردار سبز پرچم سنبھالے آرہے

Marfat.com

تھے، ان کے عقب میں ایک سو پیادے چاندی کے پترے لیے چل رہے تھے، ان کے بعد دو ہاتھی تھے جن پر چاندی کے ہودوں میں ایک ایک شہزادے کی نشست تھی، دوسرے ہاتھیوں پر سلطان کے وکیل سوار تھے۔

جب یہ جلوس سلطان اور معاحبین کے پاس سے گزرا تو گھٹی گھٹی آہوں اور اشکبار آنکھوں نے حاضرین پر موت جیسا سکوت طاری کر دیا۔

یہ خاموش قافلہ یا سلطنت خداداد کے اقتدار کے دو جنازے انگریزی کیمپ کے قریب پہنچے تو مکار کارنوالس نے جس کا سینہ خوشی سے پھٹا جا رہا تھا آگے بڑھ کر بنگال رجمنٹ کی ایک بٹالین کے ساتھ مسکراتے ہوئے، شہزادوں کا استقبال کیا جب شہزادوں کو عماریوں سے اتارا گیا تو وہ خود ان کا ہاتھ پکڑ کے خیمے میں لے گیا۔

غدار اور نمک حرام غلام علی خان لنگڑے نے اس وقت کارنوالس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی مسرت بھری مکاری سے کہا:

"یہ دونوں شہزادے آج صبح تک میرے آقا کے بیٹے تھے لیکن میری درخواست ہے کہ اب آپ انہیں شفقت پدری عطا فرمائیے۔"

شہزادے ململ کے کرتے زیب تن کیے ہوئے تھے اور بڑی سنجیدگی اور متانت سے خود کو اس اجنبی ماحول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

ان کی ذہانت اس بات کی غماز تھی کہ سلطان نے ان کی کس اعلیٰ درجہ کی تربیت اور تہذیب کی ہے۔

اس وقت چھوٹا شہزادہ معز الدین باوقار اور خوش گفتار دکھائی دے رہا تھا جبکہ شہزادہ عبدالخالق خاموش تھا۔

دونوں شہزادے تھوڑی دیر کارنوالس کے خیمے میں رہے۔ پتہ نہیں اس نے ان سے کیا گفتگو کی، پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہزادوں کو باہر لے آیا اور انہیں عماریوں میں بٹھا کے ان خیموں کی طرف بھیج دیا جو ان کے لیے مخصوص کیے گئے تھے۔

دوسرے دن شہزادوں اور کارنوالس کی ایک اور ملاقات ہوئی، یہ ملاقات نسبتاً دوستانہ اور بے تکلفانہ تھی۔ اس ملاقات میں بھی غدار ملک وقوم غلام علی لنگڑا موجود تھا۔

غلام علی لنگڑے نے شہزادوں اور کارنوالس (جو فارسی کا ایک لفظ نہ جانتا تھا) کو فارسی کے بہت سے چٹکلے اور لطیفے سنائے۔

چھوٹے شہزادے معز الدین نے اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے خواجہ حافظ شیرازی کی

Marfat.com

ایک غزل سنائی، پھر کلام پاک کے ایک پورے سپارے کی تلاوت کی، ظاہر ہے کہ اس وقت شہزادے کے پاس کلام پاک نہیں تھا اور جو کچھ تلاوت کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادا معز الدین آٹھ سال کی عمر میں کلام پاک یا اس کے کچھ حصوں کو حفظ کر چکا تھا۔

غلام علی لنگڑ کو شہزادے کی لیاقت اور علیت پر بڑی حیرانی ہوئی، وہ خود بھی پڑھا لکھا تھا مگر علم، انسانی عقل کو جلا ضرور بخشتا ہے، اس کی راہیں متعین نہیں کرتا، عالم جو راہ چاہے اختیار کر سکتا ہے، غلام علی لنگڑا گمراہ ہو گیا تھا اور وطن فروشی اور نمک حرامی کے راستے پر چل پڑا تھا۔

O

دو شہزادے بطور یرغمال انگریزوں کی تحویل میں پہنچ چکے تھے۔

اس کے فوراً بعد سلطان نے ایک کروڑ 65 لاکھ کی پہلی قسط بھی ادا کر دی تھی۔ اب سوال انگریزوں کو سلطنت خداداد کا اتنا علاقہ دینا تھا جو سالانہ تین کروڑ محاصل ادا کرتا ہو۔

سلطان نے اپنے طور پر اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ اتنی رقم تو اس کی نصف سلطنت بھی مشکل سے ادا کر سکے گی، یعنی سلطان کو اپنی آدھی سلطنت انگریزوں کے حوالے کرنا پڑے گی۔

اس معاملہ پر جب گفتگو شروع ہوئی تو اس میں ایک مہینہ لگ گیا۔

آخر شرائط کے مطابق سلطنت خداداد کو تقسیم کیا گیا۔

بارہ محل، سلیم، انورانگری، سنگل درگ، ڈنڈیگل اور کالی کٹ کے علاقے انگریزوں کو دیئے گئے۔

دریائے تنگ بھدارا کا شمالی علاقہ مرہٹوں کے پاس گیا۔

اور۔۔۔ تاڑپتری، پارمری، بلاری وغیرہ نظام کے حوالے کیے گئے۔

قسط کی ادائیگی اور سلطنت کی تقسیم کے بعد انگریزوں کا پلہ بھاری ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس ذلیل قوم کی فطری طبیعت میں ایک بار پھر فتور آ گیا۔

سلطان نے صلح نامے کی شرط کے مطابق محاصرہ اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ سلطان کے وکیل نے کارنوالس کے سامنے جب یہ مطالبہ پیش کیا تو اس ''دیانت دار'' شخص نے بڑی ہی بے شرمی سے جواب دیا:

''کورگ کا علاقہ بھی ہمیں دیا جائے، تب محاصرہ اٹھانے کا سوال پیدا ہوگا۔''

صلح نامے میں یہ شرط موجود نہیں تھی۔ سلطان کا وکیل حیران رہ گیا۔ اس نے جواب دینے کے بجائے یہ نیا مطالبہ واپس جا کر سلطان کے سامنے رکھ دیا۔

سلطان کو انگریز قوم کی ذہنیت پر بڑا افسوس ہوا، اس نے وکیل ہی کے ذریعے کارنوالس کو

Marfat.com

پیغام بھیجا:۔

''اس نئے مطالبے کا جواب سمجھ میں نہیں آیا، اس کی وضاحت کی جائے کہ جب تک شہزادے اور تاوان کی رقم نہیں پہنچی تھی، اس علاقہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا، اب ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟''

مگر۔۔۔ سلطان کا احتجاج بیکار ثابت ہوا۔ کارنوالس کو یقین تھا کہ شہزادوں کی خاطر سلطان دوبارہ جنگ سے باز رہے گا۔

آخر سلطان کو کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کرنا پڑا، اسے کہتے ہیں زبردست کا جوتا سر پر یا زبردست مارے اور رونے بھی نہ دے!

سلطان نے کورگ کے سلسلے میں اس لیے بات آگے نہیں بڑھائی کہ یہ علاقہ اگرچہ سلطنت خداداد سے قریب اور انگریزوں کی عملداری سے دور تھا مگر وہاں ہمیشہ سازشیں اور فتنے پیدا ہوتے رہے تھے اور سلطان کو ان کی سرکوبی کے لیے تعزیری مہمیں بھیجنا پڑتی تھیں۔

کورگ کے مالابار سے متصل ہونے کی وجہ سے انگریزوں کی نظریں بہت پہلے سے اس پر لگی ہوئی تھیں۔

کورگ بالا گھاٹ کے اوپر ایک جگہ واقع تھا جہاں سے سلطنت خداداد کا دارالسلطنت اور دوسرے علاقے اس کی زد میں آجاتے تھے اور اسی لیے انگریز کورگ پر مدت سے دانت لگائے بیٹھے تھے۔

کارنوالس نے سلطان سے کورگ کے مطالبہ کی ذلیل حرکت ہی نہ کی بلکہ سلطان کو الٹی میٹم دے دیا کہ اگر اس نے کورگ حوالے نہ کیا تو دوبارہ جنگ شروع کردی جائے گی، چنانچہ سلطان نے دستخط شدہ کاغذات جن میں کورگ کی شمولیت بھی تحریر کردی گئی تھی، کارنوالس کو بھجوادے۔

کارنوالس نے اپنی کمینگی کا ایک اور مظاہرہ کیا۔

اس نے شہزادوں کو ذلیل کرنے کے لیے ان سے کہا کہ اس معاہدہ کی وہ اپنے ہاتھ سے دو نقلیں کرکے ایک نظام کے وکیل اور دوسری مرہٹہ وکیل کو دیں۔

شاہی خون جوش میں آگیا۔

شہزادوں نے معاہدہ اٹھا کر پھینک دیا اور اس کی نقل کرنے سے صاف انکار کردیا، شہزادوں کو برہم دیکھ کر کارنوالس گھبرا گیا اور اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو، لینے کے دینے پڑ جائیں، سو اس نے معاہدے کی نقلیں خود ہی اتروائیں اور اپنے حلیفوں کو بھجوادیں۔

سلطان کی اس شکست اور ذلت آمیز صلح نامے پر دستخط پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک نہیں، کئی

Marfat.com

ہندو مؤرخین کہتے ہیں۔

''سلطنت خداداد کا، کارنوالس کے ہاتھوں بالکل خاتمہ ہو جاتا، جس شخص نے اس کو بچایا وہ نانا فرنویس تھا جو پیشوائے پونا کا وزیر اعظم تھا، اس کی دور بین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔''

ہندو مؤرخین کے اس طرح کے بیانات کو سوائے ''جلے پھپھولے پھوڑنے'' کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا اور یہ مسلمانوں پر خوامخواہ زبانی احسان جتانے کے سوا اور کچھ نہیں، دراصل سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت مرہٹوں کے لیے فنا کا پیغام بن گئی تھی، اس نے انگریزوں سے اتحاد اسی لیے کیا تھا کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔

نانا فرنویس نہ تو محب وطن تھا اور نہ دور اندیش، اس نے سلطنت خداداد کا خاتمہ کرنے کے لیے ہر امکانی کوشش کی تھی۔ سلطان کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیتے ہوئے وہ یہ بھول گیا تھا کہ ان انگریزوں نے نارائن راؤ اور رگھو با کو کس طرح لڑا دیا تھا، اس کو یہ بھی یاد نہ آیا کہ انگریزوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو کن کن سازشوں کا نشانہ بنا کے ختم کیا تھا اور یہاں جنوبی ہند میں بھی اسی کارنوالس نے والا جاہ نواب محمد علی کو کرناٹک سے کس طرح بے دخل کر رکھا تھا۔

کرناٹک کا پورا لشکر انگریز کمانڈروں کے ماتحت تھا اور حکومت کا انتظام و انصرام بھی انگریز ہی کرتے تھے اور نواب ان کی روٹیوں پر پڑا تھا۔

اس صلح نامے کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی تھا کہ یہ جنگ ٹراونکور کے راجہ کے نام پر شروع ہوئی تھی مگر اس صلح نامے میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا بلکہ مدراس واپسی پر الٹا انگریزوں نے راجہ سے جنگ کے اخراجات کی مد میں نصف محاصل طلب کر لیے تھے۔

جس وقت اس صلح نامے کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر فاکس نے واضح الفاظ میں پارلیمنٹ میں کہا:۔

''کارنوالس نے لٹیروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے اور اس کے ذریعے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے۔''

برطانوی عوام نے یہ محسوس کیا تھا کہ سلطان نے اپنا کردار بڑی بہادری سے ادا کیا ہے اور کارنوالس کا سلطان کے بچوں کو یرغمال بنا کر رکھنا ایک غیر انسانی فعل ہے، یہاں تک کہ مدراس کے کوریئر کے ایڈیٹر نے ''سلطان سے معافی'' کے عنوان سے ایک اداریہ بھی لکھا۔ جس میں انگریز قوم کے سلطان کے ساتھ اس سلوک کو سلطان کی بر سر عام توہین قرار دیا گیا۔

Marfat.com

انگلستان کی بد احساس پارلیمنٹ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے کارنوالس کی اس رقیق حرکت کو ایک کارنامہ قرار دیتے ہوئے اس کا رتبہ بڑھا دیا اور اسے "مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا۔
کارنوالس کا میر منشی جو اس جنگ میں شریک تھا، اپنی تاریخ میں کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتا ہے:

"جب ہماری (انگریزوں کی) فوج موضع کرار میں تھی اس دن محرم کا چاند نظر آیا، کارنوالس نے عشرہ محرم کے دوران دس دن تک کیمپ ڈالنے کا حکم دیا کیونکہ ہندوستان کے تمام سپاہی محرم کی دس تاریخ تک روپ اور سوانگ بھر کر، تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قائم کرتے ہیں۔"

اس قسم کی تمام رسومات سلطنت خداداد میں سلطان کے حکم سے بند کر دی گئی تھیں کارنوالس نے ان رسومات کو جاری کر دیا اور سپاہیوں کو دس دن کی چھٹی دیدی کہ محرم منائیں۔

اس کے ساتھ ہی کارنوالس نے حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے اس کے خیمے کے سامنے سے گزریں کیونکہ وہ انہیں دیکھنا چاہتا ہے اور اسے اپنی سعادت سمجھتا ہے۔
چنانچہ سات محرم سے دس محرم تک علم، تعزیے اور سوانگ بھرنے والے لوگ کارنوالس کے خیمے کے سامنے سے گزرتے رہے۔
کارنوالس خیمے کے باہر کرسی پر بیٹھ جاتا اور جب کوئی علم یا تعزیہ نظر آتا تو وہ اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا اور دو تین قدم پیچھے ہٹ کر آنکھیں بند کر لیتا، پھر جب علم یا تعزیہ آگے بڑھنے لگتا تو کارنوالس اپنے سیکرٹری مسٹر چری کو حکم دیتا کہ نذر گزاری جائے اسی وقت چاندی کے طباق میں روپے رکھ کر نذر دی جاتی۔
کارنوالس تین دن تک یہ مکاری کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف یہ خبر پھیل گئی کہ جن انگریزوں کو کافر کہا جاتا ہے وہ حسن سلوک اور اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھے ہیں۔
کارنوالس نے درگاہوں پر پیروں کو نذرانے لینے کی پھر سے اجازت دے دی۔"

○

اتحادیوں کا مقصد پورا ہو گیا تھا، اس لیے کارنوالس نے سرنگا پٹم میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا کیونکہ خشک مصالحوں سے تیار کردہ سامان بے کار ہو چکا تھا۔ بیکار پڑے رہنے سے فوجیوں میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل گئی تھیں۔ پس کارنوالس نے شہزادوں کو کرناٹک کی

Marfat.com

طرف روانہ کر دیا اور محاصرہ اٹھا کر روانگی کے لیے سامان باندھا جانے لگا۔

اپریل کے آغاز میں اتحادی سرنگا پٹم چھوڑ کیا پنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہو گئے، وہ اس طرح رخصت ہوئے جیسے ان میں باہم کوئی اتحاد کبھی تھا ہی نہیں اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ انہوں نے یہ اتحاد تو سلطان کی طاقت کو کم کرنے کے لیے کیا تھا۔ سوائے کارنوالس کے نظام اور مرہٹے یہ نہیں چاہتے تھے کہ سلطان کی طاقت کو یکسر ختم کر دیا جائے جس طرح انہیں سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے یہ خطرہ تھا کہ یہ آتش فشاں انہیں جلا کر خاک نہ کر دے، اسی طرح وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ انگریز بھی سلطان سے کم طاقتور نہیں اور وہ انگریزوں کے شر سے اسی وقت تک بچے ہوئے ہیں جب تک انگریزوں کو سلطان کا خطرہ ہے ورنہ سلطان کے بعد انگریز ہمیں کب چھوڑیں گے۔

اور آئندہ چل کے ان کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا، نہ صرف نظام ہمیشہ کے لیے انگریزوں کا غلام ہو گیا بلکہ مرہٹوں کا وجود بھی انگریزوں کے رحم و کرم پر رہ گیا۔

کارنوالس تو چاہتا تھا کہ سلطان کی طاقت کو پورے طور سے ختم کر دیا جائے مگر حالات نے اسے صلح کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اس نے میسور کی رانیوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ سلطان سے سلطنت چھین کر ان کے حوالے کر دے گا لیکن کسی وقت وہ یہ سوچ کر گھبرا جاتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے جانشین سلطان سے بھی زیادہ خطرناک نکلیں۔

O

شہزادہ عبدالخالق اور شہزادہ معزالدین مدراس پہنچ چکے تھے، ان کے اتالیق علی رضا خان اور میر غلام علی خان مقرر کیے گئے تھے۔ کرنل ڈیوٹن کو شہزادوں کی میزبانی کے فرائض سونپے گئے تھے۔ شہزادوں کے عزیزوں اور ملازمین کو ان سے ملنے کی اجازت تھی۔

ایک روایت کے مطابق والا جاہ محمد علی برائے نام حکمران کرناٹک نے انگریزوں سے سفارش کی تھی کہ شہزادوں کی عزت و وقار، آرام و آسائش اور کسی حد تک ناز برداریوں کا خیال رکھا جائے۔

ان شہزادوں کی واپسی اب باقی اقساط کی ادائیگی پر منحصر تھی مگر جس طور سلطنت کے حصے بکھرے ہوئے تھے اور تباہی مچی تھی اس کے بعد اتنی بھاری قسطوں کا ادا کرنا دشوار نظر آتا تھا، اس کے لیے بڑی جرأت، ہمت اور جانفشانی کی ضرورت تھی لیکن حوصلہ مند سلطان جس کے حوصلوں کو اس وقت بھی مفاد پرست اور نمک حرام گھن کی طرح چاٹ رہے تھے، اس نے اپنی ہمت مردانہ سے تمام مشکلات پر نہ صرف قابو پا لیا بلکہ اس کا وقار بھی دوبارہ بحال ہو گیا اور وہ

Marfat.com

انگریزوں کی بقیہ اقساط ادا کرنے کے قابل ہو گیا۔

اسی دوران یورپ میں انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑ گئی، چنانچہ اس کا اثر بیرونی ممالک میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مقبوضات پر بھی پڑا، انگریزوں نے فرانس کے سب سے زیادہ مضبوط مرکز پر قبضہ کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔

کارنوالس ان دنوں کلکتہ میں تھا، وہ فوراً مدراس آیا، یہاں پہنچ کے اس نے کرنل فلائیڈ کو خشکی کے ذریعے اور اپنے بھائی کموڈور کارنوالس کو سمندر کے راستے پانڈیچری پر حملہ کی غرض سے روانہ کیا پھر وہ خود اگست 1793ء میں انگلستان چلا گیا۔

کارنوالس کے انگلستان جانے سے پہلے اس کی جانشینی کا مسئلہ اٹھا جسے کارنوالس نے خود اس طرح طے کر دیا تھا کہ اس نے اپنی جگہ جنرل میڈوز کو نامزد کر دیا مگر جنرل میڈوز اس کی پالیسیوں کے خلاف تھا۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ میڈوز نے صلح نامے پر دستخط کے موقع پر ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا یہاں تک کہ اس نے خودکشی کی کوشش بھی کی تھی، اب پتہ نہیں یہ واقعی احتجاجاً خودکشی تھی یا محض ایک ڈھونگ کیونکہ بیان یہ کیا گیا ہے کہ گولی اس نے سر میں مارنے کی کوشش کی مگر وہ پیٹ کے پار ہو گئی۔

یہ بات کسی طرح بھی قابل یقین نہیں!

کارنوالس اپنے جانے سے پہلے سلطان کی اشک شوئی کے لیے اس کے بیٹوں کو واپس کر دینا چاہتا تھا لیکن نظام دکن کے ساتھ چند دیہات کی ملکیت کا جھگڑا کھڑا ہو گیا، اس لیے شہزادوں کی واپسی کا معاملہ معطل ہو گیا اور یہ کام اس کے جانے کے بعد ہوا۔

سلطان کے دونوں بیٹے عبدالخالق اور شہزادہ معزالدین اگرچہ مدراس میں بہت آرام سے تھے مگر انہیں اس سونے کے پنجرے میں بند ہوئے دو سال کا عرصہ ہو رہا تھا اور وہ اپنے والدین اور دیگر اعزہ سے ملنے کے لیے بہت بے چین بلکہ پریشان ہو رہے تھے۔

آخر مارچ 1794ء میں کارنوالس کے جانشین سر جان شور نے انہیں مدراس سے جانے کی اجازت دے دی۔

شہزادے اپنے میزبان ڈیوٹن اور دونوں اتالیقوں علی رضا خان اور غلام علی خان لنگڑے کے ہمراہ مدراس سے میسور کی طرف روانہ ہوئے۔

شہزادوں کی روانگی 17 مارچ 1794ء کو ہوئی اور یہ مختصر قافلہ بارہ دن کے بعد میسور پہنچا تھا۔

سلطان اس وقت اپنے پیدائشی شہر دیون ہلی میں مقیم تھا، اس نے آگے بڑھ کر شہزادوں کا

Marfat.com

استقبال کیا، یہ ایک غمناک خوشی کا موقع تھا۔

جب باپ بیٹوں کا سامنا ہوا تو دونوں طرف خاموشی طاری تھی، صرف آنکھیں نمناک تھیں، زبانوں پر سکوت تھا۔

شہزادوں نے جھک کر اپنے ذی شان باپ کے قدم چھوئے اور باپ نے محبت سے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرا مگر صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ کیا مجال جو باپ یا بیٹوں کی آنکھوں سے ایک قطرہ اشک بھی ٹپکا ہو۔

شہزادوں کی آمد کی خوشی میں ایک جشن طرب منعقد ہوا، اس جشن میں سلطان نے امور سلطنت کو ننانوے محکموں میں تقسیم کیا اور ہر محکمہ کا نام اسم الٰہی پر رکھا، مثلاً رحمان کچہری، رحیم کچہری، ستار کچہری، غفار کچہری وغیرہ۔

سلطان نے تمام سرداروں پر نوازشات خسروانہ کیں اور سید غفار کو میر میرانِ اول کا خطاب دیا گیا۔

سلطان اگرچہ اہل نائطہ سے خوش نہ تھا مگر اس نے ان کی دلداری کے لیے پھر بھی ان کے کئی لوگوں کو اور سید زادوں کو میر میراں کے خطاب عطا کیے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ سید غفار وہی جوانمرد ہے جس کے سپرد ''قلعہ بنی'' کی حفاظت کی گئی تھی، جب انگریز اپنی تمامتر کوشش کے باوجود سلطان کو شکست نہ دے سکے اور صلح پر مجبور ہو گئے تو جنرل میڈوز نے اس صلح کی شدید مخالفت کی تھی۔

کارنوالس نے میڈوز کو سمجھایا تھا کہ اس وقت سلطان کو شکست دے کر سرنگا پٹم پر قبضہ کرنا قطعی ناممکن ہے مگر میڈوز کسی طرح نہ مانتا تھا، آخر اس نے یہ شرط رکھی کہ اسے قلعہ بنی پر حملہ کی اجازت دی جائے، اگر وہ قلعہ بنی پر قبضہ کر لے تو جنگ جاری رکھی جائے اور اگر وہ ناکام رہے تو صلح کر لی جائے۔

کارنوالس نے مجبور ہو کر میڈوز کو قلعہ بنی پر حملہ کی اجازت دے دی چنانچہ اس نے قلعہ بنی پر شدید حملہ کیا۔

مگر۔۔۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ قلعہ کا محافظ سید غفار ہے، اس نے تھوڑی ہی دیر میں میڈوز کے حملہ کو ناکام بنا دیا اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

میڈوز نے اس ناکامی کے بعد فوراً ہی سنبھل کر دوبارہ حملہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے دو ہزار سپاہیوں کی بھینٹ دے کر شرمندہ ہو کر واپس آنا پڑا۔ سلطان نے سید غفار کی اسی بہادری کے اعتراف میں اسے ''میر میرانِ اول'' کا خطاب دیا تھا۔

Marfat.com

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان نے ایک شاہی تخت تیار کرایا تھا اس کا نام ''تختِ ہما'' رکھا گیا تھا چونکہ سلطان خود شیر تھا، اسے شیروں سے اس قدر لگاؤ تھا کہ زور آزمائی کے لیے اس نے شیر پال رکھے تھے چنانچہ اسی مناسبت سے سلطان نے اس تخت کو شیروں کے پایوں پر رکھا تھا۔ اسے اس تخت پر بیٹھنے کی بڑی آرزو تھی لیکن اس تخت پر جلوس کے لیے ایک خاص رسم ادا کی جاتی تھی جس کا نام ''ٹیکہ'' تھا۔

''ٹیکہ'' کی رسم مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں رائج ہوئی تھی، جب اکبر نے تمام راجپوت راجاؤں کو شکست دے کر تخت شاہی پر جلوس کیا تھا تو اودے پور کے راجہ جسونت راؤ کی بیٹی ''ٹیکہ'' لے کر آئی تھی اور اس نے اکبر کے ماتھے پر ٹیکہ لگایا تھا۔

اس وقت سے خاندان وسلطنت مغلیہ میں رسم پڑ گئی تھی کہ جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو اودے پور کی راج کماری اس کے ٹیکہ لگانے آیا کرتی تھی۔

سلطان بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کے جلوس کے موقع پر کسی ہندو راجہ کی بیٹی اس کے ٹیکہ لگانے آئے۔

چنانچہ۔۔۔اس نے اس سلسلہ میں ''کچھ کے راجہ'' کو کئی لاکھ کے تحفے تحائف بھیج کر اس بات پر راضی کیا تھا کہ اس کی لڑکی سلطان کو ٹیکہ لگانے آئے گی، لیکن مسلسل جنگوں نے سلطان کو اتنا سکون ہی نہ ملنے دیا کہ وہ اس رسم کو ادا کر کے ''تخت ہما'' پر جلوس فرمائے۔

1795ء میں سلطان نے خدیجہ زماں سے تیسری شادی کی۔

خوشی کے اس موقع پر سلطان نے ایک دستر خوان عام بچھوایا اور اس پر ہر چھوٹے بڑے کو بٹھایا گیا۔

سلطان نے ان سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، بعد میں اس نے ایک مختصر تقریر کی جس میں اس نے کہا:۔

> ''اسلام نے ایک مسلمان کو دوسرے کا بھائی بنایا ہے اس لیے چھوٹے بڑے کے امتیاز کو دل سے نکال دو، قبیلہ اور خاندان کے کمتر اور بہتر ہونے کے فرق کو مٹا دو۔ سب مل کر رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔
>
> سب مل کے کافروں کے خلاف جہاد کرو اور شہادت کے لیے ہر دم تیار رہو۔''

پھر سلطان نے تمام حاضرین میں خلعتیں تقسیم کیں، یہ تمام خلعتیں ایک کپڑے اور ایک ہی ڈیزائن کی بنی ہوئی تھیں، سب کا رنگ سرخ تھا۔

خلعتوں کی تقسیم کے بعد سلطان نے کہا:

Marfat.com

''ان خلعتوں کو شہادت کا لباس سمجھو۔''

اس سے اگلے سال سلطان نے اپنے ایک بیٹے شہزادہ محی الدین کی شادی محمد علی عرف جو میاں کی بیٹی سے کی اور محی الدین کی بڑی بہن کو جو میاں کے بیٹے سے بیاہ دیا۔

اسی سال ایران کا شہزادہ جو سلطان کا مہمان تھا، اپنے ملک واپس گیا۔

اس ایرانی شہزادے کا قصہ یہ تھا کہ عالم غربت میں سلطان کے پاس سرنگا پٹم پہنچا، سلطان نے اسے بڑے احترام سے ایک شاہی مہمان کی حیثیت دے کر اپنے پاس رکھا، اس کے رہنے کے لیے ایک حویلی دی اور نوکر چاکر مقرر کیے اور شہزادے کا دس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا، کئی سال تک سلطان کے پاس مہمان رہنے کے بعد اب وہ ایران، اپنے ملک واپس جارہا تھا۔

سلطان نے شہزادے کو عزت سے رخصت کیا اور فرمایا:

''شہزادے، آپ ایران پہنچ کر پہلے اپنی سلطنت کے معاملات درست کریں، پھر ہم، آپ اور زماں شاہ والی کابل مل کر ہند اور دکن کے نظم ونسق کی طرف توجہ دیں گے۔''

○

صلح کے بعد انگریز، مرہٹے اور نظام اپنی فوجوں کے ساتھ سرنگا پٹم سے رخصت ہو گئے مگر سلطان کی عزت اور وقار کو اس قدر داغدار کر گئے کہ عوام کے دلوں سے شاہ کی عزت وحرمت رخصت ہو گئی۔ وہ اب سلطان کو ایک شکست خوردہ بادشاہ سے زیادہ درجہ نہ دیتے تھے مگر سلطان نے بے عزتی، بدنامی اور شکست کے اس داغ کو اپنی تقدیر نہیں بنایا بلکہ ایک نئے عزم کے ساتھ ملک کے استحکام میں لگ گیا۔

اب اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ کسی طرح اتنی طاقت حاصل کر لے کہ انگریزوں سے اس ذلت کا انتقام لے سکے اور سلطنت کو پہلے جیسی سربلندی اور سرخروئی کے درجہ پر پہنچا دے۔

سلطان نے اپنی شکست کے اسباب معلوم کرنے کے لیے ایک فوجی کمیشن مقرر کیا مگر انگریزوں نے اپنی مصلحت کی بناء پر اس کمیشن کے کام میں طرح طرح کے روڑے اٹکوائے اور اسے کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے دیا، بہر حال سلطان کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے آ گئی کہ اس ذلت آمیز شکست کے لیے سلطنت کا بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا افسر انگریزوں کے ساتھ سازش میں شریک تھا، سلطان کے ہمدرد اور وفادار یا تو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے یا پھر دربار پر سازشیوں کا دور دورہ دیکھ کر خاموشی سے الگ ہو گئے تھے۔

Marfat.com

ان حالات میں سلطان کسی کو سزا نہیں دے سکتا تھا کہ ہر دوسرا آدمی چور، مفاد پرست یا غدار تھا۔

پس ۔۔۔ سلطان نے اس وقت وہی کیا جو اس کے بس میں تھا، اس نے تمام مسلمان وزیروں اور افسروں کو مسجد اعلیٰ[1] میں جمع کیا اور کہا:۔

''یہ سلطنت خداداد خاص میری نہیں بلکہ عوام کی ہے۔ اس کی بقاء مسلمانوں کی بقاء اور اس کی آزادی مسلمانوں کی آزادی ہے۔

ہم سے نادانی میں جو کچھ ہوا، اس پر خاک ڈالو، بھول جاؤ اور اب نئے سرے سے اس کی سربلندی کا عہد کرو۔''

اس کے بعد سلطان نے ہر ایک سے حلف اٹھوایا اور سب نے حلف اٹھایا سلطان کے مسلمان افسروں خاص کر میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد اور حلف اٹھایا تھا، اس عہد اور حلف کی ایک نقل کتاب ''ماڈرن میسور'' کے صفحہ 172 پر دیکھی جا سکتی ہے وہ عہد نام اس طرح لکھا ہوا ہے۔

عہد نامہ میر صادق

میں میر صادق نمک خوار ملازم سلطنت خداداد اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا اور اس کے حکم کو ہر چیز پر مقدم رکھوں گا، میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان اس کے خلاف کبھی ایک لفظ نہیں کہے گی۔ میری آنکھ اس کی برائی نہ دیکھ سکے گی، میرے کان کبھی اس کے خلاف نہ سن سکیں گے، میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری اور بھلائی کے لیے کوشاں رہیں گے۔

اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ اس کے خلاف میں جو کچھ دیکھوں گا یا سنوں گا تو اسی وقت حضوری میں بیان کر دوں گا۔

اگر مجھ سے خدانخواستہ ان مذکورہ بالا شرائط کی کبھی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آ جائے تو میں خدائے برتر اور توانا کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے، حاضر و ناظر سمجھ کے کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے اور مجھے تباہ کر دے۔''

1۔ یہ وہی مسجد ہے جسے سلطان نے اس وعدے کے مطابق تعمیر کرایا تھا جو اس نے بچپن میں ایک درویش سے کیا تھا

Marfat.com

میر صادق کے اس عہد نامے پر صاحبِ ''نشانِ حیدری'' نے کیا خوب تبصرہ فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

''لیکن وہ تو دور ہی پلٹ چکا تھا اور وہ سیاہ دل، قومی زندگی آزادی یا شہادت کو کیا جانتے تھے، اس لیے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہو گئے اور جو سچے، دیندار اور پکے وفادار تھے، ان سے سلطان کو کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔''

مگر جاں نثار لوگ باقی کہاں تھے؟

وہ یا تو شہادت کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے یا دربار پر نمک حراموں کا قبضہ دیکھ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ زمانہ نے سلطان کو ہر شخص پر اعتماد کرنے کا سبق سکھایا تھا کیونکہ مصلحت ہی یہی تھی، اس لیے سلطان نے اطمینان کا سانس لیا اور دوسرے امور سلطنت میں مشغول ہو گیا۔

○

سلطان نے اسباب شکست کے لیے جو کمیشن مقرر کیا تھا اس کو فیل کرنے کے لیے انگریزوں نے اپنے گرگوں کے ذریعے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کی کارکردگی اگرچہ ناقص ہو کر رہ گئی اس لیے کہ ہر امیر مجرم تھا مگر اس کے خلاف کوئی شہادت نہ ملتی تھی، پھر بھی سلطان کے وزیر میر مہدی خان مہدی نائطہ گرفت میں آ گئے۔

ان پر یہ الزام ثابت ہو گیا کہ میسور کی تیسری جنگ کے دوران میر مہدی نائطہ نے چند کرناٹکی ساہوکاروں اور دوسرے نمک حراموں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے سازش کی اور نظم و نسق کے تمام شعبوں میں ابتری پیدا کی۔

میر مہدی نائطہ پر یہ الزام بھی ثابت ہو گیا کہ اس نے سرنگا پٹم پر حملہ کے وقت سلطانی فوج کو ادھر ادھر منتشر کر دیا تھا۔ قلعوں کے دروازے کھلوا دیئے تھے اور انگریزوں کو بے دھڑک گڑھیوں تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا تھا، یہی نہیں بلکہ عین لڑائی کے وقت 69 توپوں کو مٹی اور ریت سے بھروا کر بیکار کرا دیا تھا۔

چنانچہ۔۔۔ جتنے اشخاص بھی مجرم ثابت ہوئے انہیں سلطان کے حکم سے کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

سلطان ٹیپو کو دور اندیش کہا جاتا ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ اس نے ایران، ترکی، افغانستان اور دوسری مسلم سلطنتوں کی مدد سے ہند میں ایک عظیم مسلم مملکت بنانے کی بھرپور

Marfat.com

کوشش کی تھی لیکن اس نے اپنے گرد موجود نمک حراموں کو اور غداروں کو مناسب سزا نہ دے کر ان کے حوصلے بڑھا دیئے تھے، میر مہدی خان نائطہ کا جرم ثابت ہو گیا تھا مگر اسے سولی پر چڑھانے کے بجائے صرف برطرف کیا گیا۔

پورنیا اور میر صادق پر قوی شبہ ہونے کے باوجود انہیں ان کے عہدوں سے نہیں ہٹایا گیا اور پورنیا کو وزارت مال اور میر صادق کو دیوان یعنی وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رکھا گیا۔

سلطان کو فی الحال انگریزوں، مرہٹوں اور نظام سے کوئی خطرہ نہ تھا، اس لیے اس نے اندرونی غداروں سے نمٹنے کے لیے فوجی مہمیں روانہ کرنا شروع کیں۔

انہی دنوں بعض جاسوسوں نے اطلاع دی کہ شمالی علاقوں کے پالیگار بغاوت پر آمادہ ہیں، ایک شخص نے بسپا نایک کا رشتہ دار ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس نے چار ہزار پیادے فراہم کر کے ہوجنگی درگ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اب ہر پن ہلی پر دانت لگائے ہوئے ہے۔

اس اطلاع پر سلطان نے قمر الدین کو بھاری جمعیت کے ساتھ بغاوت فرو کرنے بھیجا۔ قمر الدین لشکر لے کر ہوجنگی درگ پہنچا اور قلعے کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔

یہ سخت محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا، پھر جب قلعے پر قمر الدین کا قبضہ ہو گیا تو اس نے تمام باغیوں اور غداروں کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے، بسپا نایک کے فرضی رشتہ دار اور اس کے ساتھیوں کو سولی پر چڑھا دیا۔

اس طرح چند ہی ماہ میں شمالی علاقوں کا امن و امان بحال ہو گیا۔ اس علاقے کا صوبیدار بیرنگ تھا، جو فوج کی کمی کی وجہ سے قلعہ چھوڑ کے چیتل درگ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ قمر الدین نے اسے بلا کر دوبارہ وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

اسی طرح کا ایک آدمی بنکٹی گوڑہ تھا۔ اس نے خود کو ایک پالیگار مرکیسی کی اولاد ظاہر کیا اور گوڑہ بندہ پر قابض ہو گیا۔

اس کی سرکوبی کے لیے سلطان نے سید حمید کو فوج دے کے روانہ کیا۔ سید حمید نے تین ماہ کی سخت جدوجہد کے بعد قلعہ گوڑہ بندہ فتح کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رتن گیری اور مدگیری کو بھی باغیوں سے چھین لیا، پھر باغیوں کے ناک کان کٹوا دیئے۔

اس کارکردگی کے صلہ میں سید حمید کو نوبت، عماری دار ہاتھی اور نواب کا خطاب ملا اور سلطان نے اسے بدنور کا صوبے دار مقرر کر دیا مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ چند ماہ بعد ہی انتقال کر گیا۔

روایت ہے کہ میر قمر الدین اپنی کارکردگی کے صلہ میں سلطان کی فرزندی کا خواہش مند تھا

Marfat.com

اور اسی لیے ہر معرکہ میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتا تھا مگر سلطان نے اس کی خواہش پر توجہ نہ دی بلکہ اس کی شادی اسی سالہ نائطہ خاندان کی ایک لڑکی سے کرا دی، یہی وجہ تھی کہ وہ سلطان کا سخت مخالف ہو گیا۔

ان امور سے فارغ ہو کر سلطان نے ملکی نظم و نسق پر توجہ دی، لوگوں کی خطائیں معاف کیں، سزا کے طور پر جن کا تبادلہ کر دیا گیا تھا، انہیں سرنگاپٹم بلوا لیا گیا، پھر سب کو عید الاضحیٰ کے موقع پر لال باغ میں جمع کیا اور بعد نماز عید مسلمانوں نے قرآن پر، برہمنوں نے رامائن پر اور دوسرے افسروں نے دودھ اور چاول پر حلف اٹھایا کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہیں برتیں گے۔ رشوت نہیں لیں گے، غبن نہیں کریں گے، رعیت کو تکلیف نہ پہنچائیں گے اور گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کریں گے۔

سلطان نے اپنے طور پر سلطنت کے عاملوں کو سدھارنے کی بہت کوشش کی مگر وہ حقیقت میں اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے۔

سلطان نے دفتری زبان فارسی مقرر کی تھی، اس سے برہمنوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی، مگر وہ عامل جنہیں سلطان ان کی بہادری کے صلے میں جاگیر یا کہیں کی حکومت عطا کرتا وہ وہاں پہنچ کے انتظام برہمنوں کے ہاتھوں میں دیدیتے اور خود عیش و عشرت میں مشغول ہو جاتے۔ اس طرح یہ اخلاق باختہ عمالِ حکومت اور در پردہ برہمن جنہیں میسور کے راجہ کے زمانے میں خوب مراعات حاصل تھیں، دونوں طبقے مل کر سلطنت کی بنیادوں کو دیمک بن کر چاٹ رہے تھے اور سلطان کا اصلاحات کا سارا پروگرام اور یہ حلف نامے اور قسمیں ان پر خاک اثر نہ کرتی تھیں۔

میر صادق اور غلام علی خان لنگڑے جیسے لوگ سلطان کے سامنے تو بھیگی بلی بنے رہتے مگر رات کے اندھیرے میں ہمیشہ سلطان کا تختہ الٹنے کی سازشوں میں لگے رہتے تھے۔

اس سلسلے میں سلطان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس نے ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے ہر گاؤں اور موضع میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس میں ایک مؤذن، ایک ملا اور ایک قاضی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح اس نے مسلمان بچوں کی تعلیم و تدریس کے علاوہ قاضی مقرر کر کے سلطانی انصاف ہر شخص کے گھر کے دروازے تک پہنچا دیا تھا مگر بدقسمتی تو یہ تھی کہ سلطنت خداداد کے عہدیدار اسلامی سلطنت کی بیخ کنی کرنے میں دن رات کوشاں ر۔ ۔ تھے۔

اس حلف کے بعد سلطان نے ملکی طرز حکومت کو فرانس کے طرز پر جمہوری انداز یں ڈھال دیا، سلطان نے اپنے اختیارات وزیروں کے میر وصدور کو سونپ دیئے، عوام کی حکومت میں اختیارات دینے اور عوام کو عوام کی خدمت کرنے کے لیے ایک دیوان (پارلیمنٹ) بنایا جس کا

Marfat.com

نام ''زمزمہ غم نہ باشد'' رکھا گیا مگر یہ جمہوریت غلامانہ ذہن رکھنے والوں کو راس نہ آئی۔ وزیروں کے ہاتھوں میں اختیارات آئے تو انہوں نے بدنظمی اور رشوت ستانی کا بازار گرم کر دیا اور تمام محکموں میں ابتری پھیل گئی۔

سلطنت خداداد کا دیوان یعنی وزیراعظم یا میر صدور میر صادق تھا۔ اس نے مجلس وزراء کو کٹھ پتلی بنا کے رکھ دیا اور تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں جمع ہو گئے، وہ جو چاہتا سو کرتا تھا مگر سلطان کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی تھی۔

یہ بات بھی کچھ حیرت انگیز نہ تھی کہ سلطان جیسا پرعزم اور مدبر حکمران میر صادق کے اشاروں پر چلنے لگا تھا۔ سول اور فوجی عہدیداروں نے بند اور کھلے الفاظ میں بارہا سلطان کو اس بات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ میر صادق اپنے دشمنوں (جو دراصل سلطنت خداداد کے وفادار تھے) کو ختم کرنے اور اختیارات کو زیادہ سے زیادہ سمیٹنے کی فکر میں ہے مگر سلطان نجانے کیوں میر صادق کی حرکتوں کی پردہ پوشی کرتا یا اس سے صرف نظر کرتا تھا۔

O

سلطان نے اسی سال دارالسلطنت سرنگا پٹم کی از سر نو تعمیر شروع کرائی۔ پرانی فصیل کو منہدم کر دیا گیا اور اس کی جگہ دریائے کاویری کی طرف دو نئی فصیلیں، برج اور حصار گہری خندق کے ساتھ تعمیر کرائے، جنوب کی سمت تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پانچ نئی گڑھیاں بنوائیں۔ اس طرح دریا دولت باغ جو حصار کے باہر تھا، اب چوتھے حصار میں آ گیا۔ قلعہ کے مغرب کی جانب چار نئی گڑھیوں کی تعمیر شروع کرائی مگر ان میں سے صرف دو تعمیر ہوئیں۔

جائے عبرت اور مقام افسوس ہے کہ ان تمام عمارات میں پہلے سلطانی محل اور بارہ دری منہدم کرائی گئی۔ پھر بنگلور کا محل بھی ڈھا دیا گیا، اس کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے۔

بنگلور کی مسجد مراکش کے عربوں کے فن تعمیر کا پہلا نمونہ تھی۔ اس کا ایک ہی مینار تھا۔ اسے بھی شہید کر دیا گیا، بنگلور کے عجائب گھر میں اس کی تصویر موجود ہے، یہ مسجد شہر گوی پرم کی پہاڑی پر تھی، وہاں اب ایک مندر ہے۔

بھارت کی سیکولر حکومت جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلاتی ہے، اسے بھارت میں نہ تو کسی خطہ پر اسلامی حکومت پسند ہے اور نہ وہ اسلامی روایات، جن کا سب سے اہم نشان ''مسجد'' ہوتا ہے، کو یہ سیکولر (غیر مذہبی) حکومت برداشت کرنے کو تیار ہے۔ آج کل بھارت میں بابری مسجد کو شہید کرنے کی کوششیں پورے عروج پر ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔

Marfat.com

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو جذباتی طور پر قلم سے ادا ہو گیا۔ اب میں پھر سلطان ٹیپو کے مرثیہ کی طرف آتا ہوں۔

جی ہاں۔ یہ بھی تو ایک مرثیہ ہے۔ جس طرح شامی لشکر جناب حسینؓ یعنی نواسۂ رسولﷺ کو گھیر کر میدانِ کربلا میں شہادت کے لیے لے گیا، اسی طرح غدار اور نمک حرام عہدیداران حکومت میسور ایک چھوٹی کربلا برپا کرنے میں کامیاب ہوئے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

سلطان کی عمر 44 سال کی ہو چکی تھی، اس کے معمولات میں عبادت اور ریاضت کا زیادہ دخل ہو گیا تھا، اس شکست کے بعد سلطان نے قسم کھائی تھی کہ نہ تو وہ تخت پر بیٹھے گا اور نہ ہی چار پائی پر سوئے گا اور نہ کھدر کے سوا کسی اور کپڑے سے جسم کو ڈھانکے گا چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان نے زندگی کے بقیہ ایام چٹائی پر سو کر گزارے۔

سلطان کے صبح و شام کچھ ایسے گزرتے تھے:

صبح جلد اٹھنا، ہلکی سی ورزش کرنا، سارے بدن پر مالش کروانا، پھر صبح کی نماز پڑھ کے ایک گھنٹہ تلاوت میں مصروف رہنے کے بعد چہل قدمی کے لیے نکل جانا۔

واپس آ کر جواہرات کا معائنہ کرنا پھر ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد نجومیوں کو بلوانا جو روزانہ معمولات کے بارے میں سلطان کو ستاروں کی چالیں بتاتے تھے، اس کے بعد چند ٹکے اور ایک بکرا صدقہ دینا، پھر دوپہر کے کھانے کے لیے سبزیوں کا انتخاب۔

نو بجے کے قریب عام ناشتہ کیا جاتا جس میں شہزادے، امراء اور وزراء شریک دستر خوان ہوتے تھے۔

ناشتہ کے بعد سلطان کچہری منعقد کرتا، دربار کی یہ نشست صبح دس بجے سے گہری رات تک جمی رہتی تھی۔

ایک خواجہ سرا کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ ہر صبح دربار میں سفید چادریں اور قالین بچھوائے ان پر سلطان کے لیے قبلہ رخ ایک مسند لگائی جاتی جس میں تین سنہری تکیے رکھے جاتے تھے، سلطان کے دائیں جانب ایک خنجر، کٹار، دو پستول اور سنہرے رنگ کا شیر کی طرح کا بنا ہوا خود اور ایک پھولوں سے بھری ٹوکری رکھی جاتی تھی، بائیں طرف اگالدان ہوتا تھا۔

سلطان کے سر پر سفید رنگ کی برہان پوری دستار ہوتی تھی جس میں پچاس گز کپڑا صرف ہوتا تھا۔

سلطان زیادہ تر سفید کپڑے پہنتا۔ اس کی جیب میں یورپی طرز کی ایک گھڑی ہمیشہ رہتی، سلطان آخری ایام میں عربی طرز کی سبز رنگ کی شملہ دار دستار پہننے لگا تھا۔

Marfat.com

مسند پر بیٹھتے ہی سلطان خطوط کے جواب لکھواتا، پھر اپنے سامنے موجود وزراء کو حکم نامے دیتا، یہ حکم نامے اس کے منشی مختلف زبانوں (فارسی، ہندی، کنیری، تلگو اور اردو) میں لکھتے تھے۔

اس کے بعد معماری، چوب سازی، کتابداری، خانہ داری، ٹکسال اور چوب داری کے دو دو ماہرین پیش ہوتے، ان میں سے ایک کو دن اور ایک کو رات کی ذمے داریاں سونپی جاتی تھیں، اسی طرح کے اور ماہرین پیش ہوتے اور اپنے اپنے کام کے احکام سلطان سے حاصل کرتے۔

ان کے پیچھے پیچھے کوتوال شہر حاضر ہوتا اور مختلف مقدمات کے سلسلے میں سلطانی احکام سنتا تھا۔

دوپہر دو بجے کے قریب کھانے کا دستر خوان بچھتا۔ دستر خوان پر شہزادے، امراء اور وزراء حاضر ہوتے۔

سلطان خود صاحب علم تھا، اس لیے اہل علم کی پوری قدر دانی کرتا تھا۔ اسی لیے ادباء، شعرا اور سیرت و تفاسیر کے علماء بھی ہر وقت ساتھ ہوتے اور کھانے میں شرکت کرتے تھے، البتہ بے ہودہ گوئی کا دربارہ میں کوئی گزر نہ ہوتا تھا۔

تین بجے کے قریب سلطان آرام گاہ میں جاتا اور چند لمحے گزرنے پر فوج کے معائنے کو روانہ ہو جاتا، نئے بھرتی ہونے والے سپاہیوں کو دیکھتا اور ان کی کارگزاری کا جائزہ لیتا۔ شام کی نماز اکثر وہیں پڑھتا۔

رات گئے محل میں واپس آتا، وہاں دستر خوان پر شہزادے اور امراء وزراء اس کے منتظر ہوتے۔ کھانے کے بعد ایک بار پھر تاریخی مباحث چھڑ جاتے، اس کے بعد سلطان خواب گاہ میں چلا جاتا اور دیر تک مطالعے میں مصروف رہتا۔

میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے خواب گاہ سے پلنگ نکلوا دیے تھے اور صرف ایک چٹائی بچھوائی تھی جس پر سلطان زیادہ وقت عبادت میں گزارتا تھا۔

سلطان کے حرم میں 600 کے قریب عورتیں تھیں مگر سلطان کے ان سے کوئی تعلقات نہ تھے۔ اس کا حرم محض زناں خانہ تھا جہاں عورتیں رہتی تھیں اور ان کی خدمت پر خواجہ سرا مامور تھے، عورتوں کو اجازت تھی اگر وہ زناں خانہ سے جانا چاہیں تو جا سکتی تھیں ان خواتین میں حیدر علی مرحوم کی 268 کنیزیں بھی تھیں جنہیں برخاست نہیں کیا گیا تھا۔

سلطان نے صرف تین شادیاں کیں۔ دو تو بچپن ہی میں ہو گئی تھیں، تیسری شادی اس نے 1795ء میں سید صاحب کی بیٹی سے کی تھی۔ اس بیگم سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو سلطان کے بعد تک زندہ رہی۔

عجیب بات تھی کہ سلطان ایک پکا عبادت گزار ہونے کے باوجود توہم پرست بھی تھا۔

Marfat.com

خوابوں اور نجوم پر اس کا اعتقاد یقین کی حد تک پختہ تھا، اس لیے وہ مولویوں سے زیادہ نجومیوں کی بات پر دھیان دیتا تھا اور ستاروں کی مدد پر بہت زیادہ یقین رکھتا تھا۔

سلطان کے علم نجوم پر یقین کے سلسلے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے اور وہ ہر تاریخ میں مذکور ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں بھی تحریر کیا جارہا ہے۔

سلطان کے انگریزوں کے ساتھ اس ذلت آمیز صلح نامے سے تقریباً آٹھ سال پہلے ایک صبح سلطان سیر کو جارہا تھا، اس وقت اس کا دبدبہ ہندوستان سے نکل کر پوری دنیا پر چھارہا تھا۔

سیر کے دوران سلطان کی نظر ایک فقیر پر پڑی جسے کچھ لوگ گھیرے ہوئے تھے، سلطان نے اپنے محافظ راجہ خان سے پوچھا:۔

''راجہ خان۔ یہ کیا ہورہا ہے؟''

راجہ خان نے جواب دیا:۔

''عالی جاہ ایک نجومی ہے جسے لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔''

سلطان نے راجہ خان سے دریافت کیا۔

''راجہ خان۔ تمہیں نجوم پر اعتقاد ہے؟''

راجہ خان ایک نو مسلم نوجوان تھا، وہ گھبرا گیا، اسے تو یہ معلوم تھا کہ اسلام میں نجوم جیسی چیزوں کی کوئی وقعت نہیں، پھر بھی اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''عالی جاہ نجوم ایک علم ہے اور اس کی حقیقت ان لوگوں کو معلوم ہے جو اس میں مہارت رکھتے ہیں۔''

سلطان کو راجہ خان کے غیر ذمہ دارانہ جواب پر ہنسی آگئی، پھر اس نے حکم دیا:

''اچھا۔ اس نجومی کو محل میں پیش کیا جائے۔''

یہ کہہ کر سلطان محل میں چلا گیا۔

راجہ خان نجومی کو لے کر محل میں پہنچا اور اسے ایک وسیع و عریض کمرے میں بٹھا دیا جس میں ایک خوبصورت قالین کا فرش تھا اور ایک نہایت آرام دہ صوفہ پڑا ہوا تھا۔

نجومی نہایت اطمینان سے قالین پر بیٹھ گیا اور راجہ خاں محل میں سلطان کو نجومی کی آمد کی اطلاع دینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد سلطان، راجہ خان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا، تمام خدام آداب بجا لائے مگر نجومی نے ذرا بھی حرکت نہ کی اور اسی طرح قالین پر نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔

اس خوبصورت قالین پر ایک جھاڑی بنی تھی جس میں گلاب کے پھول کھلے تھے، اس کے

Marfat.com

ایک طرف ایک عظیم الجثہ شیر آرام کر رہا تھا اور جھاڑی کے پیچھے ایک شکاری بندوق ہاتھ میں لیے شیر کو تاک رہا تھا، شیر، اس شکاری کی موجودگی سے بالکل لاپروا نظر آ رہا تھا۔ نجومی کمال حیرت سے ان نقش و نگار کو دیکھ رہا تھا۔

سلطان کے قریب آنے پر نجومی نے نظریں اٹھائیں اور بولا:۔

''آیئے، بیٹھیے۔''

نجومی نے اس طرح کہا جیسے یہ عالی شان کمرہ خود اسی کا ہو۔

سلطان نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا:۔

''آپ نے سلطنت خداداد میں کیا دیکھا؟''

نجومی نے لاپروائی سے جواب دیا:۔

''ہر طرف عدل و انصاف کا چرچا ہے، رعیت خوش حال ہے۔ ہندو مسلمان سگے بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔''

اب سلطان نے وہ سوال کیا جس کے لیے اس نے نجومی کو بلوایا تھا۔

''کچھ نجوم کے بارے میں فرمایئے۔ کیا یہ علم صحیح ہے؟''

نجومی نے پورے اعتماد سے جواب دیا:

''علم بالکل صحیح ہے لیکن صرف جاننے والے ہی جانتے ہیں، دھوکہ بازوں نے اس علم کو بدنام کر رکھا ہے۔''

اس وقت سلطان نے راجہ خان کو اشارہ کیا، وہ باہر چلا گیا اور چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا جس میں ایک طوطا تھا۔

راجہ کے پیچھے پیچھے ایک سپاہی آیا جس کے ہاتھ میں چاقو تھا، سلطان نے راجہ خان کے ہاتھ سے پنجرہ لیا۔ اسے کھولا اور طوطے کو ایک ہاتھ سے اس طرح پکڑا کہ اس کی دونوں ٹانگیں سلطان کی مٹھی میں آگئیں اور پر کھل گئے۔ پھر سلطان نے سپاہی کے ہاتھ سے تیز دھار چاقو لے لیا۔

اس وقت طوطا پھڑپھڑا رہا تھا۔

سلطان نے نجومی سے پوچھا

''بتاؤ۔ اس طوطے کی قسمت میں کیا ہے؟''

نجومی نے اسی لاپروائی سے کہا:۔

''کاغذ اور قلم منگایا جائے۔''

Marfat.com

سلطان کے حکم سے دونوں چیزیں حاضر کر دی گئیں نجومی نے کاغذ پر کچھ لکھا اور لپیٹ کر دوسری جانب پھینک دیا۔

اب اس نے سلطان سے کہا۔

''اب آپ جو چاہیں وہ کریں۔''

سلطان نے کھلا ہوا چاقو ہوا میں بلند کیا۔ طوطا جان کے خوف سے اور زور سے پھڑ پھڑایا چاقو پوری طاقت سے طوطے پر گرا مگر اس کشمکش میں گرفت ڈھیلی پڑ گئی، طوطا ہاتھ سے چھوٹ کر اڑ گیا۔ چاقو سلطان کے ہاتھ پر لگا جس سے خون بہنے لگا۔

سلطان نے بڑے اطمینان سے اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

''کاغذ اٹھایا جائے۔''

راجہ خاں نے قدم بڑھا کے کاغذ اٹھایا اور سلطان کو دیدیا۔ سلطان نے کاغذ کھول کے پڑھا اس میں لکھا تھا:۔

''تم اس پرندے کی جان نہیں لے سکتے، خدا کی یہ مخلوق بھی تمہاری طرح آزاد ہے۔ اس کے زخم نہیں آئے گا، البتہ تم نقصان اٹھاؤ گے۔''

یہ پڑھ کر سلطان سراپا حیرت بن گیا۔

اسی عالم میں اس نے نجومی کی طرف دیکھا۔ نجومی قالین سے اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔

سلطان صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا، لپک کے نجومی کے پاس پہنچا اور بڑی منت سے کہا:۔

''کچھ میری قسمت کے بارے میں بتایئے۔''

نجومی پلٹا اور یہ کہہ کر باہر نکل گیا:۔

''سلطان کی قسمت اس قالین پر نقش ہے۔''

نجومی کے جانے کے بعد سلطان نے قالین کے نقش و نگار دیکھے۔ اس وقت تو غور کرنے پر بھی اس کی سمجھ کچھ نہ آیا مگر جب انگریزوں سے اس کی جنگوں کا آغاز ہوا تو اس قالین کا نقش اس کے پردہ ذہن پر ثبت ہو کے رہ گیا اور اس کا اعتقاد علم نجوم پر روز بروز بڑھتا گیا!

OOO

Marfat.com

●

مشہور ہے کہ خواب زندگی کا عکس ہوتے ہیں۔

یہ قول سلطان ٹیپو پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ اسے بھی اس بات پر یقین تھا، اس لیے وہ جو خواب دیکھتا اسے ایک بیاض میں ترتیب وار یا بے ترتیب لکھ ضرور لیا کرتا تھا۔

خوابوں کو قلم بند کرنے کا سلسلے شاید اس نے میسور کی تیسری جنگ میں شکست کھانے کے بعد شروع کیا تھا۔

اس کی وجہ اور خصوصیت یہ ہے کہ سلطان اپنے خوابوں میں یا تو خود کو انگریزوں، مرہٹوں اور نظام سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہے یا پھر اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بزرگان کرام خاص کر حضور خواجہ گیسو درازؒ دکھائی دیتے ہیں۔

اس لحاظ سے ہم سلطان کے خوابوں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1- ایک حصے میں مذہبی خواب۔

2- دوسرے حصے میں جنگی خواب۔

3- تیسرے حصے میں سیاسی خواب

ان خوابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہر دم وطن کی آزادی اور دین کے فروغ کا خیال رہتا تھا۔ سلطان صرف دکن سے نہیں بلکہ دھوکہ باز اور مکار انگریزوں کو پورے ہند سے نکال باہر کرنے کا آرزومند تھا۔

سلطان کے خواب نمبر 2 سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تخت دہلی سے انگریزوں کا اثر دور کر کے اس پر کسی تیموری شہزادے کو بٹھانے کا خواہشمند ہے۔ وہ خود تخت دہلی پر بیٹھنا نہیں چاہتا بلکہ اس خاندان کے کسی لائق فرزند کو تخت پر بٹھا کر واپس دکن آجاتا ہے۔

خواب نمبر 31 سے ظاہر ہوتا ہے وہ خود بادشاہ بننا نہیں چاہتا بلکہ سکندر اور نپولین کی طرح ایک عظیم جرنیل بننے کا خواہشمند ہے اور وہ بزرگان دین اور کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سر پر دستار باندھتے دیکھتا ہے۔

خواب نمبر 12 میں اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بشارت ملتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔
''میں تمہارے بغیر جنت میں قدم نہیں رکھوں گا۔''
خواب نمبر 25 سے سلطان کی اس خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ نظام دکن کا ایک سردار اسد علی خان جس نے انگریزوں کی طرف سے 1791ء کی جنگ میں حصہ لیا تھا، وہ نظام کو چھوڑ کر اس کی ملازمت میں آجائے۔
خواب نمبر 24 سے اس کی یہ خواہش ظاہر ہوتی ہے کہ اسے دس ہزار فرانسیسی سپاہی مل جائیں۔
خواب نمبر 9 سے وہ شہنشاہ چین سے مراسم پیدا کرنے کی خواہش کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ چینی شہنشاہ نے اسے سفید ہاتھی کا تحفہ بھیجا ہے، یہ تحفہ شہنشاہ چین نے سب سے پہلے سکندر اعظم کو دیا تھا (یہ بات محل نظر ہے)۔
سلطان کو ان دیسی حکمرانوں سے شدید نفرت تھی، جو انگریز کے فریب میں مبتلا ہو کر اس سے جنگ کرتے تھے چنانچہ سلطان انہیں بزدل سمجھتا ہے اور خواب میں اسے وہ حکمران عورت کی صورت میں نظر آتے ہیں اور کبھی وہ اسے ریچھوں کی شکل میں نظر آتے ہیں اور وہ ان کا شکار کرتا ہے۔ (خواب نمبر 11-13)
خواب نمبر 19 سے سلطان کی اپنی رعیت کے ساتھ محبت اور اس کی فلاح و بہبود کا اظہار ہوتا ہے، اسے اطلاع ملتی ہے کہ ایک بت خانہ میں آگ لگ گئی ہے تو اسے سب سے پہلے اپنی اس رعایا کا خیال آتا ہے جن کے مکان بت خانہ سے متصل ہیں۔ سلطان فوراً آدمی دوڑاتا ہے تاکہ ان لوگوں کی خیریت معلوم ہو۔
مقصد یہ ہے کہ سلطان کے تمام خوابوں سے اس کی امنگوں، خواہشوں اور تجاویز کا اظہار ہوتا ہے لیکن بعض لوگوں نے سلطان کے خوابوں کا غلط مطلب نکالا ہے، ان کے خیال میں سلطان نے اپنے خوابوں میں انگریزوں سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ ہے چنانچہ عملی زندگی میں بھی وہ انگریز قیدیوں کے ساتھ بڑا برا سلوک کرتا اور انہیں مصائب میں مبتلا رکھتا ہے۔
جہاں تک ہندوؤں کے ساتھ اس کے سلوک کا تعلق ہے تو اس کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کے بڑے واضح ثبوت ملتے ہیں۔
سلطان نے اپنے عاملات کو حکم دے رکھا تھا کہ مندروں اور گوردواروں کی حفاظت کی جائے اور انہیں جملہ ضروریات بہم پہنچائی جائیں۔
سلطان کی اعلیٰ ملازمتوں میں ہندو شامل تھے۔ پورنیا سلطنت خداداد کا وزیر مالیات تھا، سلطان نے کشن راؤ کو اپنا معتمد خاص بنایا تھا، پھر اسے سرنگا پٹم کا گورنر بنا کر بھیجا مگر اس نمک

Marfat.com

حرام نے سلطان کے خلاف سازش کی اور گرفتار ہو کر کیفر کردار کو پہنچا۔

جہاں تک انگریز قیدیوں کے ساتھ سلطان کے سلوک کا تعلق ہے تو خود واقعات اس الزام کو غلط ثابت کرتے ہیں، سلطان انگریز قیدیوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرتا تھا، اگر کوئی انگریز بخوشی مسلمان ہو جاتا تو سلطان اسے احمدی رسالہ میں جگہ دیتا اور اس کے ساتھ مزید بہتر سلوک کرتا تھا۔

لنڈ سے اور اس کے ساتھیوں کو عام قیدیوں کے ساتھ نہیں رکھا گیا تھا بلکہ انہیں سرنگا پٹم کی ایک حویلی میں رکھا گیا تھا، جس کی لمبائی 75 فیٹ اور چوڑائی 5 فیٹ تھی۔ اس حویلی میں بغیر کھڑکیوں کے چار کمرے بنے تھے۔ انہیں اپنے مشاغل میں آزادی تھی، ان کا روزانہ اخراجات کے لیے جیب خرچ مقرر تھا، سامان منگوانے کے لیے انہیں ملازم دیئے گئے تھے۔ لنڈ سے اور بیرڈ جیسے جنرل خود کو چوب کاری اور سلائی میں مصروف رکھتے تھے۔

سلطان کی قید میں لنڈ سے کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔

لنڈ سے نے کسی طرح قید خانہ کی ایک اینٹ کھسکالی تھی۔ وہ اینٹ ہٹا کر روزانہ دریائے کاویری کے مناظر دیکھتا تھا کبھی اسے برہمن عورتیں دریا میں نہاتی دکھائی دیتی تھیں تو کبھی مسلمان بارات کا منظر دکھائی دیتا۔ اسی روزن سے وہ سلطان کے فتح کے جشن بھی دیکھا کرتا تھا۔ ملازم کے آنے سے پہلے وہ اینٹ کو اس کی جگہ پر جما دیتا تھا، ملازم اس کے لیے چاول اور قورمہ کی وافر مقدار لاتا یہ اس کا صرف دوپہر کا کھانا ہوتا تھا۔

جنگی قیدیوں کے فرار کی داستانیں تو ہر زمانہ میں دلچسپی کا باعث رہی ہیں۔ سرنگا پٹم کی حویلی سے جنرل برسٹو اور اس کے ساتھیوں کا فرار بھی اسی طرح کا ایک دلچسپ واقعہ ہے اس واقعہ کی تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ جس وقت کارنوالس نے سرنگا پٹم پر حملہ کیا تو اس وقت احمدی رسالہ کے بہت سے نومسلم یورپین کورگ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ جنرل برسٹو ان لوگوں میں شامل تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ برسٹو وغیرہ سرنگا پٹم کی ایک حویلی میں قید تھے نومبر 1791ء میں انہوں نے اپنے ہاتھ پیر بیڑیوں سے آزاد کر لیے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے چاقو سے ایک آری بنائی تھی۔

انگریز قیدیوں نے بیس دن رات میں ایک سرنگ کھودی تھی محافظوں کو کھدائی کی آواز سے بے خبر رکھنے کے لیے یہ لوگ زور زور سے انگریزی گیت گاتے تھے، پھر ایک رات یہ سب قیدی اس سرنگ کے راستے سرنگا پٹم سے فرار ہوئے۔

Marfat.com

برسٹو نے شمال مشرق کا راستہ اختیار کیا تا کہ وہ جلد از جلد مرہٹہ لشکر تک پہنچ جائے مگر وہ کپل کے قریب رنل ریڈ کے گروہ تک پہنچ گیا اور اس نے 1792ء کی جنگ میں سلطان کے خلاف حصہ لیا۔

سکرے نے اپنے فرار کی داستان میں کہا ہے کہ وہ چتلدرگ سے فرار ہوا اور اگست 1791ء میں بمبئی میں ڈاکٹر لطل کے پاس پہنچا۔

مگر۔۔۔ ڈاکٹر لطل نے سکرے کے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ سکرے کے بیان سے مختلف ہیں تاہم ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انگریزی قیدی سلطان کے ظلم کی وجہ سے نہیں بلکہ فطری تقاضوں کی وجہ سے فرار ہوئے تھے۔

O

سلطان کا میر صادق کو سلطنت خداداد کا وزیر اعظم بنانا ایک ایسا اقدام تھا جس سے سلطنت کے تمام بہی خواہ اور وفادار دلبر داشتہ ہو گئے۔ ان میں سے بعض تو سرنگا پٹم چھوڑ گئے اور کچھ گوشہ نشین ہو گئے۔

میر صادق نے سب سے پہلے اہل دائرہ کا اثر و رسوخ کم کیا۔ اہل دائرہ یا مہدویہ کی نمک حلالی اور وفاداری مشہور تھی لیکن میر صادق کو سلطنت کے نہیں اپنے وفادار چاہئیں تھے، اس لیے اس نے آئے دن شکایات کر کے اہل دائرہ کو ملک بدر کرا دیا۔

میر صادق نے تمام کلیدی اسامیوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے تھے۔ اس کا اثر و رسوخ اس درجہ بڑھ چکا تھا کہ سلطان کے محافظ، خاص خادم اور جاسوس بھی سلطان سے کچھ کہنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔

میر صادق، سلطان کے نام آنے والی عرضیوں اور خطوط کو خود کھول کے پڑھتا اور سلطان کو اطلاع دیئے بغیر ان کے جوابات لکھا دیا کرتا تھا، میر صادق ہی کے کہنے پر سلطان نے دھوندو جی واگیہ کو قید میں ڈال دیا تھا۔

دھوندو جیو اگیہ ایک بڑا راہزن اور ڈکیت تھا۔ جب سلطان نے سلطنت خداداد میں ایک اسلامی معاشرہ پیدا کرنے کے لیے ہر گاؤں اور موضع میں سکول اور قاضی مقرر کیے تو پوری سلطنت میں نماز، روزے اور دینداری کا چرچا شروع ہو گیا۔

دھوندو جی واگیہ، سلطان کے ان کاموں سے ایسا متاثر ہوا کہ وہ اپنے گروہ سمیت تائب ہو کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

سلطان، واگیہ پر بہت خوش ہوا۔ اس نے اس کے ساتھیوں اور اس کے قیـ ـ ـ ـ ـ ـ ا خوب

Marfat.com

اچھا انتظام کرا دیا تھا۔

داگیہ ہر دم سلطان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور سلطان کی خدمت ہی کو دین و دنیا کی ترقی کا ذریعہ سمجھتا تھا۔

وہ سلطان کے قریب وہ کر جلد ہی مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلامی نام شیخ احمد رکھا گیا۔ سلطان نے اس کی دینی تعلیمات کے لیے ایک عالم دین کی خدمات حاصل کیں اور وہ چند ہی دنوں میں پابندی سے نماز پڑھنے لگا۔

شیخ احمد نے سلطان کی بے انتہا خدمت کی۔ سلطان نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اسے جہاں خان کا خطاب دیا اور ایک قلعہ کی سرداری سونپنے کا ارادہ کیا۔

میر صادق کو معلوم ہوا تو اس نے شدید مخالفت کی، وہ تو یہ چاہتا ہی نہ تھا کہ سلطان کا کوئی وفادار باقی رہے۔

میر صادق نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے سلطان کے کان بھرے:۔

''قبلہ عالم۔ آپ اگر شیخ احمد کو کوئی ذمہ داری دینا چاہتے ہیں تو ضرور دیجیے لیکن اس ناچیز کے خیال میں ایک رہزن کو کوئی ذمہ داری سونپنا عقلمندی نہ ہوگی۔

دھوندو جی واگیہ جو آج شیخ احمد ہے، کل تک اپنے لٹیروں کے ساتھ حیدر آباد اور سرنگا پٹم پر چھاپے مار کر گزر بسر کرتا تھا۔ ایک ایسے نا قابل اعتبار شخص کو قلعہ دار بنا دینا مصلحت ملکی کے قطعی خلاف ہے کیونکہ ایسے آدمی سے کسی وقت بھی فتنہ و فساد کی توقع کی جا سکتی ہے، ایسا نہ ہو کہ طاقت حاصل کرنے کے بعد یہ دولت خداداد کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے۔''

مشہور ہے کہ کہنے سننے سے تو دیواریں تک اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ میر صادق نے سلطان کے اس قدر کان بھرے کہ سلطان نے اسے قلعہ دار بنانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے اپنے دربار سے ہٹا کر بڑے بیٹے فتح حیدر کی ملازمت میں بھیج دیا۔

○

صلح نامہ سرنگا پٹم کے بعد سلطان خود کو بے بس اور بے دست و پا محسوس کرنے لگا تھا، اس وقت کی تین طاقتیں انگریز، مرہٹے اور نظام، تینوں ہی نے اس کے خلاف محاذ بنا کر اسے شکست سے دوچار کیا تھا۔

سرنگا پٹم سے ان متحدہ دشمنوں کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے ملکوں اور ریاستوں کو قاصد اور سفارتیں بھیجیں تا کہ ان سے اتحاد اور یگانگت پیدا کی جائے۔

سلطان نے سب سے پہلے قریبی ریاست یعنی مرہٹوں کو ٹٹولا، اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ

Marfat.com

اس کی اتحادیوں بلکہ انگریزوں کے ہاتھوں شکست نے مرہٹوں اور نظام کی آنکھیں بھی کھول دی ہیں کیونکہ انگریزوں کا مقابلہ صرف سلطان ہی کر سکتا تھا، مرہٹوں اور نظام میں یہ طاقت نہ تھی کہ انگریزوں کے مقابلہ کی تاب لا سکتے۔

چنانچہ۔۔۔ سلطان نے اگلے ہی سال یعنی 1793ء میں مادھو جی سندھیا سے خط و کتابت کا آغاز کر دیا، اس نے سندھیا پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ انگریز دراصل ہندوستانیوں میں تفرقہ پیدا کر کے پورے ہندوستان پر قبضہ کے خواب دیکھ رہا ہے۔

مادھو سندھیا کے دماغ میں بھی کچھ اسی طرح کے خیالات جنم لے رہے تھے۔ نانا فرنویس کے برعکس سندھیا، سلطان کا کسی قدر حامی اور ہندوستان کی آزادی کا علمبردار تھا۔ اس مرہٹہ سردار کی بھارت سے محبت پر جس قدر فخر کیا جائے، وہ کم ہے، اس نے شہنشاہ دہلی کے ساتھ مل کے انگریزوں کو ملک سے نکالنے اور بنگال واپس لینے کی تحریک چلائی تھی۔ شہنشاہ دہلی بھی اس کے منصوبے سے متفق تھا اور ایک عرصہ تک ان میں مراسلت جاری رہی۔

نظام دکن اور مرہٹوں کے درمیان کرنول کے معاملہ پر کارنوالس کے زمانہ ہی میں اختلافات پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان کی شکست کے بعد یہ علاقہ اتحادیوں کو ملا تھا۔ مرہٹے اسے اپنی حدود میں شامل کرنا چاہتے تھے اور نظام اس پر اپنا حق جتاتا تھا۔

کارنوالس کے جانشین سر جان شور نے اس معاملے میں غیر جانبداری کی پالیسی اپنائی۔ سلطان اور سندھیا کی خط و کتابت ایک ہی سال تک جاری رہ سکی اور 1794ء میں مادھو جی سندھیا کا انتقال ہو گیا۔

اسی سال مرہٹوں اور نظام میں جنگ شروع ہو گئی۔ انگریز اس جنگ سے الگ رہے، حالانکہ انگریزوں کی دو بٹالین فوج نظام دکن کے علاقہ میں رہتی تھی، نظام کو انگریزوں کی غیر جانبداری پر نہ صرف افسوس ہوا بلکہ اسے اپنی سلامتی کی فکر پڑ گئی، چنانچہ اس نے فرانسیسیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس طرح فرانسیسیوں کا اثر دکن میں بڑھنے لگا اور نظام نے دونوں انگریز بٹالینوں کو اپنے علاقہ سے رخصت کر دیا۔

سر جان شور نے پہلے تو اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی لیکن جب نظام نے کڑپہ کا علاقہ فرانسیسی سردار موسیو ریمنڈ کو دے دیا تو اسے کھٹکا پیدا ہوا۔

پونا میں مادھو جی سندھیا کے مرنے کے بعد اس کا بھتیجا دولت راؤ سندھیا مرہٹوں کا پیشوا بنا، اس کا جھکاؤ بھی سلطان کی طرف رہا مگر اس نے کوئی عملی قدم اٹھانے پر آمادگی ظاہر نہ کی، سوائے اس کے کہ وہ انگریزوں سے کشیدہ خاطر رہا۔

Marfat.com

کارنوالس کے زمانے میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی تھی اور کارنوالس پانڈیچری لینے کے لیے بڑھا تھا۔

اس وقت فرانسیسی سردار موسیو ریمنڈ بھی کڑپہ سے اس کے مقابلے پر نکلا تھا، اس پر سرجان شور نے نظام دکن سے احتجاج کیا تھا۔

پھر جب نظام دکن کے بیٹے شہزادہ عالی جاہ نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو انگریزوں نے عالی جاہ کی حمایت کی تھی، اس وجہ سے نظام دکن کو مجبوراً سلطان کی طرف مائل ہونا پڑا۔

یوں سلطان کو اپنے دونوں پڑوسیوں کی ایک طرح کی حمایت حاصل ہوگئی تھی۔ ویسے بھی اس نے اپنی طاقت کافی بڑھا لی تھی۔

کارنوالس کا جانشین سرجان شور کچھ زیادہ کاٹ چھانٹ کا آدمی نہ تھا، اس لیے انگریز حکومت نے سرجان شور کی جگہ لارڈ مارنگٹن ولزلی کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان بھیجا۔

اس شکست نے سلطان کو بہت کچھ سکھایا تھا، اسی لیے اس نے اپنے ملک کے فرمانروائی کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی دوستی کی غرض سے خط و کتابت شروع کی۔

سلطان فی الحال انگریزوں سے الجھنا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ اس قدر مضبوط ہونا چاہتا تھا کہ انگریزوں سے پوری طرح بدلہ لے سکے اور انہیں بھارت سے ہمیشہ کے لیے نکال سکے۔

چنانچہ سلطان نے میسور کی تیسری جنگ کے فوراً بعد ماریشس (مڈغاسکر) کے فرانسیسی گورنر کی معرفت شہنشاہِ فرانس لوئی شانزدہم کے پاس دوستی کا خط بھیجا جس کا اسے کوئی جواب نہ ملا۔

اس سے اگلے سال سلطان نے پھر گورنر ماریشس کے پاس دوستی کا ایک خط روانہ کیا اس وقت ماریشس کا گورنر کوسینی تھا، یہ پانڈیچری کا گورنر رہ چکا تھا، اس نے سلطان کے خط کا جواب بڑے خلوص و محبت سے دیا۔

اس سے اگلے سال سلطان نے گورنر ماریشس کے پاس باقاعدہ ایک فوجی وفد بھیجا جس کے ممبر محمد ابراہیم اور حسین علی خان تھے۔

سلطان نے وفد کو زبانی پیغام کے علاوہ ایک خط بھی دیا جس کے مندرجات یہ تھے:

1- تلیچری پر حملہ کے لیے فرانس دس ہزار سپاہی روانہ کرے، اسے تاخت و تاراج کرنے کے بعد سپاہی سلطنت خداداد کی ملازمت میں لے لیے جائیں گے اور سلطان کی کمان میں کوچین، مدورا، ترچناپلی اور تنجور کی طرف بڑھیں گے۔

2- ان مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد پانڈیچری اور مدراس پر چڑھائی کی جائے گی اور خشکی کے راستے کلکتہ پہنچ کے انگریزوں کو بنگال سے نکال باہر کیا جائے گا

Marfat.com

پھر بمبئی کا علاقہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں دیدیا جائے گا۔

3۔ دس ہزار فرانسیسی جوانوں کے ساتھ سلطان کے پچاس ہزار فوجی اس مہم میں حصہ لیں گے اور آئندہ فرانس اور سلطنت خداداد اتحادی بن کے رہیں گے، انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر برطانیہ بھیج دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ان سے وہ تین کروڑ روپے بھی واپس لیے جائیں گے جو سلطان نے انگریزوں کو بطور تاوان جنگ ادا کیے ہیں۔

یہ وفد بنگلور سے ہوتا ہوا ماریشس پہنچا اور اس نے بندرگاہ سے اترتے ہی سلطان ٹیپو کا پرچم بلند کر دیا۔

ماریشس کی فرانسیسی حکومت نے اس وفد کا شاندار طریقے سے اعلانیہ استقبال کیا۔ اس وفد کے پہنچنے سے پہلے فرانسیسیوں کو نہ تو سلطان کی امداد کا خیال تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ سلطان، انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے والا ہے۔

ماریشس کے گورنر نے سلطان کے خط کے ساتھ اپنا ایک خط لگا کر شہنشاہِ فرانس کے پاس روانہ کر دیا۔

گورنر نے اپنے خط میں شہنشاہ کو اطلاع دی کہ سلطان کے پاس ایک لاکھ بہترین فوج ہے جبکہ انگریزوں کی طاقت بارہ ہزار یورپی اور چالیس ہزار دیسی سپاہیوں پر مشتمل ہے، اس لیے سلطان کی مدد کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں۔

گورنر نے شہنشاہ کو یہ بھی لکھا کہ:

''ماریشس میں اس وقت بغاوت پھیل رہی ہے، اس لیے سلطان کو براہ راست مدد بھیجنا مناسب ہوگا۔ اس مقصد کے لیے پہلے راس امید پر قبضہ کیا جائے۔''

اس ساری کارروائی کو انتہائی پوشیدہ رکھا گیا، یہاں تک کہ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ سلطان کا یہ خط فرانسیسی حکومت کو پہنچا بھی یا نہیں مگر یہ کتنے لطف کی بات ہے کہ انگریزوں کو اس مراسلت کی خبر پہنچ گئی تھی اور یہ کام انگریزوں کے گرگوں یعنی سلطنت خداداد کے نمک حراموں اور غداروں نے کیا تھا۔

سلطان نے اس سلسلے میں شاہ افغانستان زماں شاہ کے پاس بھی اسی طرح کی ایک سفارت روانہ کی تھی۔ اس سفارت میں سید حبیب اللہ اور نواب بنگی (سید محمد رضا خان) شامل تھے۔ سلطان نے سفارت کے ہاتھ جو خط لکھا اس میں تحریر تھا کہ:

''شاہ افغانستان کا اسلامی فرض ہے کہ وہ کافروں کو ہندوستان سے نکالنے میں

Marfat.com

سلطان کی مدد کرے۔"

یہ سفارت کچھ اور کراچی کے راستے کابل پہنچی۔ شاہ افغانستان نے سلطان کو جواب میں یہ اطمینان دلایا تھا کہ وہ فکر نہ کریں کیونکہ میں (شاہ افغانستان) بہت جلد ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہوں۔

سلطان نے شاہ افغانستان کا خط پاتے ہی اسے دوسرا خط لکھا جس میں اسے فرانسیسیوں کی متوقع مدد کی اطلاع دی گئی تھی اور شاہ کو لکھا گیا تھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کس طرح کرے۔

سلطان کے اسی خط کے جواب میں شاہ زماں والی افغانستان نے دسمبر 1798ء میں لاہور پر حملہ کیا تھا۔

زماں شاہ والی افغانستان، تیمور شاہ کا بیٹا اور احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا۔ وہی احمد شاہ ابدالی جس نے 1761ء میں مرہٹوں کو پانی پت کی جنگ میں شکست دے کر انہیں شمالی ہند سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیا تھا۔

زماں شاہ بڑی تیزی سے کابل سے نکلا اور بغیر مزاحمت کے لاہور پہنچ گیا۔ انگریزوں کو یہ تو معلوم تھا کہ سلطان ٹیپو ایران اور افغانستان سے جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے مگر انہیں یہ گمان نہ تھا کہ زماں شاہ اس قدر جلد ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔

زماں شاہ کے لاہور پر قبضہ سے انگریزوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ لاہور سے دہلی کا فاصلہ ان دنوں بیس منزلوں[1] کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر زماں شاہ، دہلی کی طرف بڑھے تو کم از کم بیس دن میں دہلی پہنچے گا۔

انگریز جانتے تھے کہ زماں شاہ کو روکنے کی طاقت مرہٹوں میں نہیں ہے، اگر زماں شاہ دہلی پہنچ گیا تو ممکن تھا کہ وہ شہنشاہ ہند کو سہارا دے کر انگریزوں کے خلاف کھڑا کر دے اور پھر ان کو ہندوستان سے نکلنا پڑے، اس لیے وہ فوراً حرکت میں آ گئے اور انہوں نے افغانستان میں زماں شاہ کے بھائی کے ذریعے بغاوت کرا دی۔

زماں شاہ کو اپنے ملک میں بغاوت کا پتہ چلا تو وہ لاہور سے سر پر پیر رکھ کر کابل کی طرف روانہ ہو گیا اور سلطان منہ دیکھتا رہ گیا۔

زماں شاہ کے ساتھ صرف 23 ہزار سپاہی تھے۔ سر جان شور کے خیال میں زماں شاہ نے ہندوستان پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اس نے محض تجربہ کے لیے لشکر کے ساتھ لاہور تک کا سفر کیا تھا تاکہ آئندہ حملہ کے لیے اندازہ لگا سکے۔

---

1 ---۔ایک منزل کا مطلب ایک دن کا سفر ہوتا تھا۔

Marfat.com

مگر۔۔۔ بعد میں یہ بات کھلی کے اگر زماں شاہ دہلی پہنچ جاتا تو نہ صرف دہلی پر قبضہ ہو جاتا بلکہ اتنا لشکر تو سلطنت اودھ پر بھی قابض ہو سکتا تھا، پھر انگریزوں کو ہندوستان سے اپنا بوریا بستر لپیٹنا پڑتا۔

انہیں دنوں منگلور میں ترکی لباس پہنے ہوئے ایک شخص دکھائی دیا۔ یہ شخص انگریزی اور فرانسیسی زبان بڑی روانی سے بولتا تھا، اس کے علاوہ ہندوستان میں بولی جانے والی بہت سی زبانوں سے بھی واقف تھا۔

اس شخص کے کئی نام تھے، بصرہ میں وہ عبداللہ، سورت میں درویش اور ماریشس[1] میں طلماش کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

یہ غیر ملکی اپنے جہاز میں شاید فرانس سے منگلور پہنچا تھا، منگلور میں اس کی ملاقات میر غلام علی لنگڑے سے ہوئی۔

اس نے غلام علی لنگڑے کو بتایا کہ اس کا اصل نام فرانکوئیس ریپاڈ ہے اور وہ ماریشس میں نائب کمانڈر تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں اس لیے آیا ہے تاکہ سلطان سے ان رضا کاروں کے بارے میں گفتگو کرے جو سلطان کی مدد کے لیے سرنگا پٹم آنا چاہتے ہیں، لنگڑے نے اسے سرنگا پٹم بھیج دیا۔

سلطان نے فرانکوئیس ریپاڈ کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور اس بارے میں اپنے وزراء سے صلاح مشورے کیے۔

یہ وہی زمانہ تھا جب سلطان ماریشس کے گورنر کو دو خط روانہ کر چکا تھا اور اب ایک وفد بھیجنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس چالاک شخص نے سلطان کو یہ تاثر دیا کہ وہ سلطان اور گورنر ماریشس کی مراسلت سے واقف ہے۔

سلطان کے وزراء نے فرانکوئیس کی شدید مخالفت کی۔ انہوں نے سلطان سے صاف الفاظ میں کہا کہ یہ شخص جعلساز ہے اور اس کا آزادی کے ساتھ سرنگا پٹم میں گھومنا پھرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس لیے اسے گرفتار کر کے اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک فرانس سے اس کے متعلق کوئی واضح اطلاع نہیں آتی۔

مگر۔۔۔

سلطان نے اپنے وزیروں کے اعتراض پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ فرانکوئیس کو ماریشس لیجانے

---

[1] ۔۔۔ ماریشس ایک جزیرہ ہے جو براعظم افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے، ان دنوں یہ سلطنت فرانس کی ایک نوآبادی تھی۔

Marfat.com

کے لیے سلطان نے ایک آدمی کو سترہ ہزار روپے دیئے کہ وہ ایک جہاز خریدے تاکہ ریپاڈ ماریشس جا کر سلطنت خداداد کے لیے تین ہزار حبشی اور دس ہزار فرانسیسی فوجی بھرتی کر کے لے آئے مگر سلطان نے جس شخص کو رقم دی وہ رقم لے کر فرار ہو گیا۔

سلطان کے لیے اب یہ ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ اس نے ابھی کچھ ہی دن پہلے اسی سلسلہ میں کچھ تاجروں کو ایک جہاز پر ماریشس بھیجا تھا اور اب ریپاڈ کے ساتھ محمد ابراہیم اور حسین علی خان کو جانا تھا

بہرحال، سلطان نے نئے جہاز کی تیاری کا حکم دیدیا۔ ریپاڈ کو سرنگاپٹم بھیج دیا گیا کیونکہ برشوں کے موسم میں منگلور کی بندرگاہ بند کر دی جاتی تھی۔

آخر جہاز تیار ہوا اور ریپاڈ، محمد ابراہیم اور حسین علی خاں ماریشس روانہ ہوئے۔ ایک ماہ کے بحری سفر کے بعد یہ لوگ ماریشس پہنچے۔

اس وقت ماریشس کا گورنر میلرٹک تھا۔ ریپاڈ نے گورنر سے علیحدگی میں کچھ گفتگو کی، پھر گورنر نے سلطان کے دونوں وکیلوں کا پرتپاک استقبال کیا۔

پھر جب گورنر سے فوجی تعاون اور سپاہیوں کی بھرتی کی گفتگو شروع ہوئی تو سلطان کے وکیلوں نے محسوس کیا کہ ریپاڈ کا رویہ اور انداز بڑا پراسرار اور محتاط ہے، وہ گول مول باتیں کرنے لگا تھا۔

گورنر نے وکیلوں کو بتایا کہ ماریشس میں فرانسیسی فوجیوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ سلطان کی مدد کرنے سے معذور ہے۔

اس وقت وکیلوں نے ریپاڈ پر دباؤ ڈالا کہ وہ گورنر کو رضامند کرے مگر وہ جلساز نہ کچھ کر سکتا تھا، نہ اس نے کیا، البتہ گورنر نے وعدہ کیا کہ وہ ان کی آمد کو مؤثر بنانے کی ذاتی طور پر کوشش کرے گا۔

پس۔۔۔ گورنر نے سرکاری طور پر ایک اعلان شائع کرایا جس میں سلطان کے لیے رضا کاروں کی فراہمی کا ذکر کیا گیا۔

وکیلوں نے بھی اعلان کیا کہ ہندوستان میں انگریزی مقبوضات کے خلاف ایک اقدامی جنگ چھڑنے والی ہے بلکہ اس وقت تک وہاں جنگ شروع ہو چکی ہوگی۔

آخر رضاکاروں کی بھرتی شروع ہوئی لیکن صرف 99 رضاکار دستیاب ہو سکے۔ ان میں بری فوج کا کمانڈر موسیو یسلبیوا، بحری فوج کا کمانڈر موسیو ڈیوبک، یورپی فوج کا کمانڈر دیسمولین، توپ خانہ کے دو افسر، بحریہ کے چھ افسر، جہاز سازی کے چار ماہرین، 26 عام افسر

Marfat.com

کیپٹن وغیرہ 36 یورپی سپاہی اور 22 حبشی اور دوغلی نسل کے سپاہی شامل تھے۔
یہ تمام لوگ جہاز میں سوار ہو کر میسور روانہ ہو گئے۔

O

جب یہ لوگ منگلور کے ساحل پر اترے تو اس سے دو دن پہلے لارڈ ولزلی ہندوستان پہنچا تھا۔
سلطان نے ان رضا کاروں کا پرتپاک استقبال کیا۔ محمد ابراہیم اور حسین علی خان کو ان کی کامیابی پر داد دی اور ان کم تعداد رضا کاروں کو بہتر شرائط اور معقول مشاہرہ پر سلطنت خداداد کی ملازمت میں لے لیا۔

لارڈ مارنگٹن ولزلی، کارنوالس کی جگہ پر گورنر جنرل ہو کے ہندوستان آیا تھا، اس وقت نہر سویز نہیں بنی تھی اور یورپ سے ہندوستان آنے والوں کو پورے براعظم افریقہ کا کئی ہزار میل کا چکر لگا کر راس امید ہوتے ہوئے ہندوستان آنا پڑتا تھا۔

جب ولزلی لندن سے راس امید پہنچا تو وہاں اس کی ملاقات ہندوستان کے تین انگریز سیاسی شاطروں سے ہوئی۔

ان میں سے ایک تو جنرل میڈوز تھا جو سلطان کا جانی دشمن تھا۔

دوسرا جنرل ہیرڈ تھا جو عرصہ تک سلطان کی قید میں رہ چکا تھا۔

اور تیسرا میجر کرک پیٹرک تھا جو ایک مدت تک پونا اور حیدر آباد دکن میں ریذیڈنٹ رہ چکا تھا۔

ولزلی اور ان شاطروں میں ہندوستان اور خصوصاً میسور اور سلطان کے بارے میں بہت کھل کے بات چیت ہوئی اور کارنوالس نے ولزلی کو سلطان اور ہندوستان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس کی نہ صرف تصدیق ہوئی بلکہ ان شاطروں نے ولزلی کو اس کے خیال میں بے انتہا معلومات فراہم کیں اور وہ سلطان کا کارنوالس سے بھی بڑا دشمن ہو گیا۔

ارل آف مارنگٹن کا وطن آئرلینڈ تھا۔ وہ 8 جون 1760ء کو پیدا ہوا، اس کا پورا نام رچرڈ کولی ولزلی تھا۔ وہ 1782ء میں پارلیمنٹ کا ممبر بنا اور اسی وقت سے اس نے ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

ولزلی کو پارلیمنٹری طرز حکومت قطعی پسند نہ تھا، اس کی شخصیت میں شخصیت پرستی اور شاہ پسندی بدرجہ اتم موجود تھی۔ فرانسیسیوں سے اسے خاص طور پر دشمنی تھی، اس لیے کہ اس کے زمانے میں فرانس میں جمہوریت قائم ہو رہی تھی۔

ولزلی کو فرانسیسیوں کے ساتھ جو مخصوص دشمنی تھی اس کی ایک اور وجہ بھی تھی جس کے بارے میں ایک مؤرخ نے لکھا ہے:

Marfat.com

''لارڈ ولزلی کی بیوی ایک فرانسیسی خاتون تھی جس کے ساتھ لارڈ صاحب شادی سے پہلے ہی تعلقات کی تمام حدیں پھلانگ چکے تھے، پھر بعد ایک بہت بڑے جھگڑے کے انہیں اس سے شادی کرنا پڑی۔

پھر جب ولزلی کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا گیا تو اس نے بیوی سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا اگرچہ اس نے طلاق نہیں لی مگر ان میں علیحدگی ہو گئی۔

یہی وہ خاص وجہ تھی جس کے سبب ولزلی فرانسیسیوں کا جانی دشمن تھا۔''

قارئین کے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ انگلستان اور فرانس میں زمانہ قدیم سے دشمنی چلی آ رہی ہے مگر اس کے باوجود ان دونوں ملکوں میں شادی بیاہ کا سلسلہ بھی ہمیشہ قائم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں ملکوں میں خاندانی رشتہ داریاں تھیں جس کی وجہ سے کبھی دونوں ملکوں میں دوستی ہو جاتی تھی اور کبھی جنگ بلکہ شدید جنگ چھڑ جاتی تھی جو یورپ سے نکل کر ان نو آبادیوں تک جا پہنچتی تھی۔

چنانچہ۔۔۔ کرک پیٹرک نے ولزلی کو یہ نکتہ کی بات بتا دی تھی کہ جب تک ہندوستان میں فرانسیسیوں کا اثر رسوخ رہے گا تب تک انگریز نہ تو پورے ہندوستان پر قابض ہو سکیں گے نہ چین سے رہ سکیں گے۔

ولزلی نے ہندوستان پہنچ کے جو خط ڈنڈاس کو لکھا تھا، اس سے اس کے وہ تمام ارادے ظاہر ہو جاتے ہیں جنہیں وہ ہندوستان میں رہ کر پورا کرنا چاہتا تھا۔

''سرنگا پٹم کی صلح کے بعد اب اس ملک میں اندرونی طور پر مکمل سکون ہے مگر اس کے گرد و پیش کے ہمارے اتحادی (نظام اور مرہٹے) اندرونی بغاوتوں، باہمی لڑائیوں اور پیہم انقلاب کے بعد اب بالکل خستہ حال ہو گئے ہیں۔

جہاں تک ٹیپو سلطان کا تعلق ہے، وہ اپنی طاقت مجتمع کرنے، محصول بڑھانے اور اپنی فوج کو اعلیٰ تربیت دینے میں مصروف ہے، اور اب کچھ عرصہ سے وہ دیسی علاقوں کو ہمارے خلاف اکسا رہا ہے۔ اس نے نظام دکن کو یقیناً ایک خط بھیجا تھا جبکہ وہاں کا وزیراعظم (جو ہمارا دوست تھا) پونا گیا ہوا تھا۔ اس نے حیدر آباد کی بساط سیاست پر گہرا اثر چھوڑا ہے، اب حیدر آباد میں سلطان کا ایک وکیل رہتا ہے سلطان نے پونا (مرہٹوں کا مرکز) میں بھی اپنے وکیل بھیجے ہیں، اس طرح وہ ہمارے خلاف دشمنی کو ہوا دے رہا ہے۔

Marfat.com

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا ہم بلا فہمائش اور بانیابت ٹیپو کی اس دشمنی کو صبر سے بیٹھے دیکھتے رہیں؟

اس معاملہ میں میری رائے یہ ہے کہ ہم ٹیپو کو مخاطب کرتے وقت کوئی سخت کلمہ نہ لکھیں۔ دوسرے یہ کہ ہم اس کی چالبازیوں پر چشم پوشی نہ کریں بلکہ اسے بتادیں کہ اس کی کوئی دغابازی ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

ولزلی اپنے ایک اور خط میں لکھتا ہے:

''ان حالات میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظام ہماری دوستی حاصل کرنے پر مجبور ہے چنانچہ ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نظام سے اس کی فوجیں الگ کرنے کے لیے خط و کتابت کرنا چاہیے۔''

اس وقت نظام کے دربار میں جیمس کرک پیٹرک ریذیڈنٹ تھا۔ پیٹرک بڑی رنگین طبیعت کا مالک تھا، کہنے کو تو وہ انگریز ریذیڈنٹ تھا مگر حیدر آباد کی کوئی ایسی بڑی محفل نہ ہوتی تھی کہ جس میں پیٹرک موجود نہ ہوتا۔

نظام کے تمام بڑے بڑے سول اور فوجی افسر اس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے اور ہر روز کسی نہ کسی افسر کے ہاں محفل نشاط جمتی تھی، بس جس میں شراب و کباب کے ساتھ شباب کا بھی انتظام ہوتا تھا۔

پیٹرک اس قدر دبنگ اور بے باک تھا کہ اس نے حیدر آباد کے ایک امیر کی بیٹی کے ساتھ بیاہ کرلیا تھا جس کے بارے میں واضح نہیں کہ اس نے اس کے ساتھ باقاعدہ بیاہ کیا تھا یا اسے داشتہ بنا کے رکھ چھوڑا تھا۔

''میر عالم کی سوانح عمری'' نامی کتاب جس کے مصنف محمد سراج الدین طالب حیدر آبادی ہیں، نے اپنی کتاب میں پیٹرک کے بارے میں لکھا ہے:

''جیمس حیدر آباد میں اپنی ریذیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں اس مکان میں گزارتا تھا جو اس ریذیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب ہی واقع تھا، اس مکان میں جیمس کی ایک داشتہ رہتی تھی، اس داشتہ کی دوستی نواب عاقل الدولہ کی نواسی خیر النساء بیگم سے تھی۔ خیر النساء کے باپ کا نام مہدی یار خان اور ماں کا نام شرف النساء بیگم تھا۔ خیر النساء وزیر دکن میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی، وہ جیمس کی داشتہ کے پاس روز آیا کرتی اور اکثر راتیں وہیں گزارتی تھی۔

روزانہ آنے جانے کی وجہ سے خیر النساء پر پیٹرک کی نظریں بھی پڑتی تھیں پھر ان

Marfat.com

دونوں میں تعلق پیدا ہو گیا اور اس لڑکی میں ریذیڈنٹ کی دلچسپی بہت زیادہ بڑھ گئی۔

''جلد ہی یہ بات ہر طرف پھیل گئی۔ اس پر ریذیڈنٹ پیٹرک نے اس لڑکی کو اپنی ریذیڈنسی کے مکان میں داخل کر لیا۔''

ریذیڈنٹ پیٹرک کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ دوسرے امرائے دولت کے علاوہ میر عالم جسے انگریزوں نے وزیراعظم بنایا تھا، اس نے بھی لارڈ ولزلی سے پیٹرک کی شکایت کی تھی۔

ولزلی انگلستان سے اپنے ساتھ جو فارمولا لے کے آیا تھا اس کا نام تھا:

''سب سی ڈیار''

اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اپنی فوج برخاست کر کے انگریزی فوج کو اپنی مدد کے لیے رکھنا۔

یعنی ولزلی یہ چاہتا تھا کہ ہندوستانی حکمرانوں کو اس بات پر مجبور کر دے کہ وہ اپنی فوجیں برخاست کر کے اپنی حفاظت کے لیے انگریزی فوجوں کو ریاست میں رکھیں۔

اس عمل سے ہر حکمران، انگریزوں کے ماتحت ہو جاتا، چنانچہ ولزلی نے اس فارمولے کا پہلا تجربہ نظام دکن پر کرنے کا فیصلہ کیا۔

نظام کے پاس اس وقت کافی تعداد میں فرانسیسی فوجیں موجود تھیں اور ان کا اثر نظام پر تھا، ہاں نظام کا وزیراعظم انگریزوں کا دوست تھا۔

ولزلی نے کسی طرح دکن میں موجود فرانسیسی فوج میں شورش پیدا کرا دی۔

ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟

اس کا پتہ کسی کو نہیں چل سکا، جب فرانسیسی فوج میں نظام کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہوئے تو نظام گھبرا گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ دکن کا تاج و تخت اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ ولزلی ایسے ہی موقع کا منتظر تھا بلکہ یہ موقع اس نے خود ہی پیدا کرایا تھا۔

ولزلی نے اپنے ریذیڈنٹ کے ذریعے فوراً انگریزوں کے پروردہ وزیراعظم ارسطو جاہ کو بلوایا اور اسے مجبور کیا کہ وہ نظام دکن کو انگریزوں کے ''سب سی ڈیاری'' سسٹم کو ماننے پر مجبور کرے کیونکہ فرانسیسیوں کی شورش کو صرف انگریز ہی دبا سکتے ہیں اور انگریز اس وقت تک حرکت میں نہیں آئیں گے، جب تک نظام ان کے ''سسٹم'' کو تسلیم نہ کرے۔

چنانچہ وزیراعظم نے نظام دکن کو مشورہ دیا:

''عالی جاہ۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم فوراً انگریزوں کا تعاون حاصل کریں کیونکہ صرف انہی کی فوجیں فرانسیسی شورش کو ختم کر سکتی ہیں۔''

Marfat.com

نظام دکن کے سامنے یہ ''سسٹم'' ایک بار پہلے بھی پیش کیا گیا تھا لیکن وہ ایک خوددار حکمران تھا، اس نے اسے ماننے سے قطعی انکار کر دیا تھا، تاہم اب حالات تبدیل ہو چکے تھے، نظام نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ہم مانتے ہیں کہ انگریز اس شورش کو ختم کر سکتے ہیں مگر اس کی حالت تو اس ضرب المثل کے مانند ہو جائے گی کہ آسمان سے گرا تو کھجور میں اٹکا، فرانسیسیوں سے جان چھڑانے کے لے اگر ہم انگریز فوجوں سے کام لیں گے تو ان کے چنگل سے نکل کر ہم ان کے چنگل میں پھنس جائیں گے اور ہماری مطلق العنانی ختم ہو جائے گی۔''

نظام کا اندازہ بالکل درست تھا۔

اس نے شاید اس سسٹم پر پہلے ہی اچھی طرح غور وخوض کر لیا تھا مگر اس وقت فرانسیسیوں کی شورش کو دبانا بھی ضروری تھا:

وہ گومگو کے عالم میں تھا کہ اس کے وزیر اعظم نے کہا:

''عالی جاہ۔ انگریز فوج تو آپ کی ملازم ہو گی۔ اسے آپ کے خزانے سے تنخواہ ملے گی اور اس کے قیام وطعام کی ذمہ داری ہمارے حکام کے سپرد ہو گی، پھر وہ ہم پر حاوی کیسے ہو سکتی ہے جس طرح میں آپ کا غلام ہوں، اسی طرح انگریزی فوج آپ کی غلام اور پروردہ ہو گی۔''

نظام دکن کے گرد یہ جال بڑی خوبصورتی کے ساتھ پھیلایا گیا تھا کیونکہ بعد میں اس بات کا پتہ چلا کہ انگریزی فوج کو حیدر آباد کے قریب گنتور میں خفیہ طور پر تیار رکھا گیا تھا اور جیسے ہی فرانسیسی شورش شروع ہوئی، انگریزی فوج کو حیدر آباد کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا گیا تھا، چنانچہ جس وقت نظام اور وزیر اعظم ارسطو جاہ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی انگریزی فوجیں حیدر آباد کی سرحد پر پہنچ چکی تھیں۔

ارسطو جاہ کو فوجوں کے آنے کی خبر ملی تو وہ حیران رہ گیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا!

نظام دکن نے فکر مند نظروں سے ارسطو جاہ کو دیکھا اور گھٹی گھٹی آواز میں بولا:

''ارسطو جاہ۔ خوب غور کر لو ایسا نہ ہو کہ ہم انگریزوں کے ہاتھوں بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جائیں۔''

''عالی جاہ کو تردد فرمانے کی ضرورت نہیں۔''

ارسطو جاہ نے نظام کو سہارا دیا:

''فوج انگریز کی ہو یا ہماری، ملازم تو ہماری ہو گی، ہم اس کے حاکم ہوں گے، شاہی وقار کو کوئی دھچکا نہیں لگے گا، بس آپ کے حکم کی دیر ہے، انگریزی فوجیں حیدر آباد کی سرحد پر پہنچ چکی ہیں۔''

Marfat.com

آخر نظام نے ہتھیار ڈال دیئے:

''اچھا تم جیسا مناسب سمجھو ویسا کر سکتے ہو۔''

نظام کی رضامندی حاصل ہوتے ہی ملک فروش ارسطو جاہ نے چند گھنٹوں کے اندر اندر تین شرائط پر مشتمل معاہدہ نظام کے دستخط کے لیے سامنے رکھ دیا۔

معاہدہ کی شرائط حسب ذیل تھیں:

1- نظام الملک چھ ہزار فوج توپ خانہ کے لیے رکھیں گے جس کے افسر انگریز ہوں گے۔

2- اس فوج کے اخراجات ریاست حیدر آباد برداشت کرے گی۔

3- تمام فرانسیسیوں کو برخاست کر دیا جائے اور آئندہ ریاست میں سوائے انگریزوں کے کوئی اور یورپین ملازمت نہ کر سکے۔

نظام دکن جال میں پوری طرح جکڑا گیا تھا۔

فرانسیسیوں کی شورش سامنے تھی۔

انگریزی فوجیں حیدر آباد پہنچ چکی تھیں۔

سوائے معاہدہ پر دستخط کے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ اس نے بچشم نم معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

کلکتہ میں چیمبر آف کونسل کے ہال میں ایک تصویر آویزاں ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ولزلی کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جس پر،

''سب سی ڈیاری حیدر آباد 1798ء''

لکھا ہوا ہے

اس معاہدہ پر دستخط ہوتے ہی حیدر آباد کی آزادی اور خود مختاری کا خاتمہ ہو گیا!

O

ولزلی نے سلطنت خداداد کو مٹانے کے لیے جو منصوبہ بنایا تھا، اس کی بنیاد میں پہلی اینٹ یہ رکھی گئی کہ نظام دکن کو گھیر کے سازش کے ذریعے مجبور کیا گیا کہ وہ ولزلی کے سب سی ڈیاری سسٹم کو قبول کرے چنانچہ نظام دکن نے اس معاہدہ پر دستخط کر کے اپنی آزادی کو نہ صرف ختم کر لیا بلکہ خود کو بالکل اسی طرح انگریزوں کی گود میں ڈال دیا جس طرح کرناٹک کے والا جاہ محمد علی نے کیا تھا۔

والا جاہ محمد علی کہنے کو تو ایک آزاد ریاست کا حکمران تھا لیکن اس کے پاس نہ کوئی اختیار تھا، نہ فوج تھی۔ اس کی فوج انگریزی فوج میں ضم کر دی گئی تھی۔ اب نظام دکن کی بھی یہی کیفیت و حالت ہو گئی تھی۔

Marfat.com

اس سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا، انگریزی تاریخوں کے حوالے سے لکھا گیا ہے، اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس موت کے محضر یعنی ''سب سی ڈیاری سسٹم'' کے بارے میں خود حیدر آباد کی تاریخ کیا کہتی ہے۔

یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ولزلی کے تمام تر اقدامات کا مقصد صرف اور صرف سلطنت خداداد کو مٹانا تھا۔

''تاریخ نظام علی مطبوعہ حیدر آباد دکن کے مصنف اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

جنگ میسور 1799ء (1213ھ)

اسباب جنگ:

سلطان کے لڑے جو صلح نامہ کے تحت بطور یرغمال کمپنی کی زیر نگرانی تھے وہ 1794ء میں بہ عزت واحترام واپس کر دیئے گئے، اس کے بعد سلطان شاید اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور مضبوط کرنے میں لگ گئے۔ انہوں نے قلعہ جات کو مضبوط کیا، بعض نئے قلعے تعمیر کرائے۔ پھر قریب اور دور کے ممالک میں سفارتیں بھیجیں۔

ایران کا ایک شہزادہ سلطان کے پاس کافی عرصہ مقیم رہ کر واپس گیا۔ سلطان نے فرانس کے نپولین اعظم سے مراسلت کی، شاہ افغانستان سے کوئی مفاہمت ہوئی، ایک سفیر خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے پاس بھیجا گیا۔

سلطان کے یہ تمام اعمال ایسے نہ تھے جن سے وہ جماعت (ایسٹ انڈیا کمپنی) صرف نظر کرتی جو انگلستان سے جلب منفعت اور ملک گیری کے لیے آئی تھی، چنانچہ کمپنی کے عہدیداروں نے ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ سلطان انگریزوں ہی کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس کے تدارک کے لیے کمپنی نے اقدام شروع کیے۔ کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹر نے لارڈ ولزلی کو اس لیے ہندوستان میں گورنر جنرل بنا کر بھیجا تھا اور ولزلی نے حالات پر غور کرتے ہوئے مرہٹوں کے خلاف نظام دکن کو مدد نہ دینے کے سلسلہ میں پریذیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول کو ان الفاظ میں مطلع کیا تھا:

''یہ کوئی دوراندیشی نہیں کہ نظام اور مرہٹے آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور سلطان آرام میں رہیں۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزوں کا اصل مقصد صرف سلطان کو نشانہ بنانا تھا،

Marfat.com

اسی لیے گورنر جنرل ولز لی نے کوشش کی کہ مرہٹوں اور نظام کو معاہدوں کے ذریعے اپنے قابو میں لایا جائے تاکہ وہ سلطان سے تعاون کر کے اس کے لیے طاقت کا سامان نہ کریں۔

ولز لی جب ہندوستان پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان کے پاس فرانس سے دو سو فرانسیسی سپاہی اور عہدیدار آئے ہیں۔

انگریز مؤرخ اس فوج کے آنے سے خیال کرتے ہیں کہ سلطان نے یہ فوج اس لیے بلوائی تھی کہ وہ انگریزوں سے اپنی پچھلی شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان کو انگریزوں سے بدلہ لینے کے لیے فرانس کے صرف 200 سپاہی چاہیے تھے۔

اب رہا خلیفۃ المسلمین کو خط لکھنے کا سوال تو اس سلسلے میں یہ بات ظاہر ہے کہ ہر مسلمان بادشاہ اپنی بادشاہت کی سند خلیفہ سے منگواتا تھا اور سلطان نے اب تک یہ سند حاصل نہیں کی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کہ سلطان نے خلیفہ سے سند سلطانی منگوانے کے لیے سفارت بھیجی ہو۔

دوسری بات یہ کہ سلطان اور انگریزوں کے معاہدہ میں کوئی ایسی شق نہ تھی جس سے انہیں اندرون ملک اور بیرون ملک سفارتی تعلقات قائم کرنے سے روکا گیا ہو۔

بہرحال سلطان کے ان اقدامات کو انگریزوں نے کمال شک و شبہ کی نظر سے دیکھا اور فیصلہ کیا جس قدر جلد ہو سکے، ان کی روز افزوں ترقی کو روک کر ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

''اس کے لیے سب سے پہلے ولز لی نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو مالابار اور کورومنڈل میں اترنے کے احکامات دیے۔ اس کے بعد مرہٹوں اور نظام سے ایک نئے معاہدہ کی کوشش بھی شروع ہوئی تاکہ جنگ کی صورت میں یہ دونوں طاقتیں انگریزوں کے ماتحت سلطان کا مقابلہ کریں۔''

اس کے ساتھ ہی انگریزوں کی نظر مرہٹہ دربار پونا پر بھی تھی جس وقت ولز لی ہندوستان آیا، اس وقت پونا دربار سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

دولت راؤ سندھیا نے نانا فرنویس کو قید کر دیا تھا اور باجی راؤ پیشوا بنا ہوا تھا۔ اصل طاقت دولت راؤ سندھیا کے ہاتھ میں تھی۔

انگریز سلطان سے جنگ شروع کرنے سے پہلے سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہتے تھے

Marfat.com

کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ یہ مرہٹہ سردار سلطان سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائے گے۔

پس۔۔۔ولزلی نے پونا میں اپنے انگریز سفیر کو لکھا کہ:

''نانا فرنویس سے یہ عہد لو کہ اگر اسے آزاد کر دیا گیا تو وہ انگریزوں کا ساتھ دے گا۔''

یہ خط ابھی انگریز سفیر کو پہنچا ہی تھا کہ مرہٹوں کی آپس میں صلح ہو گئی اور نانا فرنویس آزاد ہو گیا۔اس طرح انگریزوں کی نفاق ڈالنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔

اب یہی بات رہ گئی تھی کہ کسی طرح سندھیا کو پونا سے دور کیا جائے۔ اس کے لیے انگریزوں نے یہ ترکیب کی کہ احمد شاہ ابدالی کا پوتا زماں شاہ والی افغانستان، ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

اس افواہ سے مرہٹوں میں اضطراب پیدا ہوا۔انگریزوں نے دولت راؤ سندھیا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات کی حفاظت کے لیے پونا سے شمال میں چلا جائے مگر سندھیا نے یہ مشورہ اس کان سے سنا اور اس کان سے اڑا دیا۔

اب انگریزوں نے ایک اور تدبیر کی۔

انہوں نے مرہٹوں کے صدر مقام گوالیار میں کرنل کالنس کو سفیر بنا کر بھیجا۔اس نے وہاں جا کر کیا گل کھلائے اس کا تو علم نہیں مگر یہ ضرور ہوا کہ گوالیار کے امیروں اور وزیروں میں نفاق پیدا ہو گیا۔

انگریزوں نے جنوب کے علاوہ شمالی ہندوستان میں بھی اپنے ہاتھ پیر خوب پھیلا لیے تھے۔ نواب اودھ، وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے انگریزوں کے تابع تھا۔اودھ کی سرحد پر مرہٹوں کے مقبوضہ علاقے تھے۔انگریزوں نے اپنی ایک فوج اس سرحد پر بھیج دی اور جواز یہ پیش کیا کہ شاہ افغانستان، ہند پر حملہ کرنے والا ہے،اس لیے یہ فوج اودھ کی حفاظت کے لیے تعینات کی گئی ہے۔

دولت راؤ سندھیا کو جب اس کا پتہ چلا تو اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ انگریز اس کے علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، وہ فوراً ایک لشکر لے کر شمالی سرحدوں کی طرف چل پڑا،اب پونا خالی تھا اور یہی انگریزوں کا مقصد تھا۔

دولت راؤ سندھیا کے منظر سے ہٹتے ہی انگریزوں نے نانا فرنویس اور پیشوا کے سامنے اپنا سب سی ڈیاری سسٹم پیش کیا۔

انہوں نے مرہٹوں کو یقین دلایا کہ پہلے معاہدے برقرار رہیں گے،اگر کمپنی اور سلطان میں جنگ ہو تو مرہٹوں کو کمپنی کا ساتھ دینا ہو گا۔

Marfat.com

یہ بھی انگریزوں کی ایک چال تھی۔ وہ دراصل مرہٹوں سے کسی معاہدہ کے خواہشمند نہیں تھے بلکہ صرف یہ چاہتے تھے کہ سلطان سے جنگ کی صورت میں مرہٹے غیر جانبدار رہیں، اس لیے انہوں نے ایک اور حرکت کی۔

جب مرہٹے معاہدہ کرنے اور جنگ کی صورت میں ان کی امداد دینے پر آمادہ ہو گئے تو انگریزوں نے یہ کہہ کر پونا کی امداد کو مسترد کر دیا کہ:

''مرہٹوں کے پیشوا نے بغیر اپنے وزیر اعظم نانا فرنولیس کو اطلاع دیئے سلطان کے سفیروں سے 13 لاکھ روپے وصول کر لیے ہیں۔''

انگریز ایک کے بعد دوسری چال چل رہے تھے۔ روپیہ کا جھگڑا کھڑا کر کے وہ پیشوا اور نانا فرنولیس میں نفاق پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔

انگریزوں نے جب نظام اور مرہٹوں کو اپنے دام میں پھانس لیا تو افغانستان کی طرف توجہ کی۔

انہوں نے یہ افواہ اڑائی تھی کہ شاہ افغانستان زمان شاہ ہندوستان پر حملہ کر رہا ہے مگر یہ افواہ حقیقت کا روپ دھار گئی، زمان شاہ نے واقعی ہندوستان پر حملے کا ارادہ کر لیا اور اپنی فوجوں کو سرحد کی طرف روانہ کر دیا۔

اب انگریز گھبرائے انہوں نے سوچا کہ اگر شمال میں زمان شاہ آ گیا تو پھر شمال میں وہ اور جنوب میں سلطان ٹیپو، دونوں مل کے انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے، اس کے توڑ کے لیے انہوں نے فوراً مراد آباد یو۔ پی کے ایک شیعہ کو عباس شاہ صفوی کے دربار میں بھیجا۔

انگریزوں کا یہ فرستادہ بہت چالاک اور چرب زبان تھا، اس نے عباس شاہ صفوی کے دربار میں جاتے ہی واویلا مچا دیا:

''اعلیٰ حضرت، عالی جاہ۔ شاہ معظم دہائی ہے، ہم پر برا وقت آن پڑا ہے، آپ ہی ہمیں شاہ افغانستان کے ظلم و ستم سے بچا سکتے ہیں۔''

عباس شاہ صفوی اور اس کے درباری اس کے واویلا سے بہت متاثر ہوئے۔ شاہ ایران نے اس سے دریافت کیا:

''اے شخص، تو کون ہے تو کیا چاہتا ہے، تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

''عالی جاہ!''

اس چرب زبان نے روتے ہوئے کہا:

''میرا نام کاظم بخاری ہے، میرے تمام عزیز و اقارب ہندوستان اور کابل میں رہتے ہیں، میں ان سے ملنے گیا تھا، وہاں کا حال دیکھ کر میرا سینہ غم سے پھٹ گیا، میں نے یہی بہتر جانا کہ

Marfat.com

میں عالی جاہ کے دربار میں آکر فریاد کروں۔"

"کیا حال ہے کابل کا؟" شاہ صفوی نے سوال کیا:

"ہمیں تفصیل سے بتاؤ۔"

"عالی جاہ۔"

کاظم بخاری نے آنسو بہاتے ہوئے کہا:

"افغانستان میں ہم شیعوں پر حد درجہ ظلم و ستم ہو رہا ہے، شیعوں کے جان و مال محفوظ نہیں۔ ان کے عقائد پر پابندیاں لگائی گئی ہیں اور سینکڑوں شیعہ، شیعہ ہونے کے جرم میں تہ تیغ کیے جا رہے ہیں۔

یہی حال ہندوستان کا ہے۔ وہاں کے شیعوں پر بھی افغانوں نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔"

مذہبی معاملات میں ہم مسلمان خواہ شیعہ ہوں یا سنی، فوراً بھڑک اٹھتے ہیں اور ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں اس وقت بھی شیعہ سنی فساد کی اصل وجہ یہی جلد بازی اور بغیر تحقیق کے قدم اٹھانا ہے۔

چنانچہ۔۔۔ کاظم بخاری کی باتیں سن کے شاہ صفوی جذباتی ہو گیا۔ وہ مذہبی جذبات میں ایسا بہا کہ اس نے اس اہم خبر کی تصدیق کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور فوراً افغانستان پر حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

شاہ زماں ایک بڑے لشکر کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ابھی وہ ہند کی سرحد پر پہنچا ہی تھا کہ اس کے وزیراعظم کا ایک قاصد اس کے پاس پہنچا۔

"شاہ معظم و محترم!"

سوار قاصد نے وزیراعظم کا خط پیش کرتے ہوئے زبانی کہا:

"وزیراعظم نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان کا یہ خط حضور عالی میں پیش کرتے ہوئے ان کی طرف سے یہ بھی عرض کر دوں کہ شاہ ایران عباس صفوی کی فوجیں افغانستان پر حملہ کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ ہندوستان کی مہم ملتوی کر کے آپ افغانستان کی سلامتی کے لیے فوراً واپس تشریف لے آئیں۔"

زمان شاہ قاصد سے حملے کی خبر سن کر پریشان ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی خط پڑھا۔ وزیراعظم نے زمان شاہ کو یہ بھی لکھا تھا کہ اس نے شاہ ایران کے پاس ایک قاصد روانہ کیا ہے کہ وہ شاہ سے معاہدہ امن کی خلاف ورزی کی وجہ دریافت کرے اور حملہ کو روکنے کی حتی الامکان

Marfat.com

کوشش کرے۔

یہ زبانی اور تحریری اطلاع ایسی تھی کہ زمان شاہ کو ہندوستان کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے لشکر کے قدم اک دم روکنا پڑے۔ اس نے واپسی کا حکم دیدیا اور کمال پریشانی کے عالم میں کابل واپس پہنچا۔

اس وقت تک ایران کا حملہ تو نہ ہوا تھا مگر وزیراعظم کا بھیجا ہوا قاصد بھی شاہ ایران سے مل کے اب تک واپس نہ آیا تھا۔

افغانستان کے وزیراعظم کو اس کے ایک جاسوس نے ان الفاظ میں ایران کے ممکنہ حملے کی اطلاع دی تھی:

''محترم وزیراعظم، جلد کوئی انتظام کیجیے۔ ایران کی فوجیں ہم پر حملہ کرنے کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہو رہی ہیں۔''

وزیراعظم گھبرا گیا، اس نے دریافت کیا:

''محرم کیا تمہیں یقین ہے کہ شاہ ایران ہم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہے؟''

محرم نے فوراً جواب دیا:

''محترم وزیراعظم! میں اس خبر کی تصدیق کر کے آپ کے پاس آیا ہوں، فوج کے علاوہ میں نے وہاں کے عوام میں بھی بڑا جوش و خروش دیکھا ہے، وہ بھی افغانستان کے بہت خلاف دکھائی دے رہے ہیں۔''

''عجیب بات ہے۔''

وزیراعظم نے خود کلامی کے انداز میں کہا:

''سمجھ میں نہیں آتا، شاہ ایران یا ایرانی عوام کا ہم نے کیا بگاڑا ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔''

''محترم وزیراعظم'' محرم نے کہا۔

''میں نے ایرانیوں کو باتیں کرتے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ افغان جو ہمارے بھائیوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں، ہم اس کا سخت انتقام لیں گے۔''

''کون ظلم کر رہا ہے، کس پر ظلم ہو رہا ہے؟''

وزیراعظم نے فکرمندی کے عالم میں تھوڑی دیر بعد دو تیز رفتار سوار حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اس نے سواروں کے آنے سے پہلے پہلے دو مختصر خط لکھے۔ ایک خط شاہِ افغانستان زماں شاہ کے نام تھا جس میں اسے ایران کے متوقع حملہ کی اطلاع دے کر اس کے کابل واپس آنے کی

Marfat.com

رخواست کی گئی تھی۔

دوسرا خط جو شاہ عباس صفوی شاہ ایران کے نام تھا، اس کا متن کچھ اس طرح تھا:

بحضور والا جاہی شاہ عباس صفوی والا قدر حکمران دولت ایران! عاجز و ناچیز وزیر اعظم افغانستان والا جاہی کے حضور عرض پرداز ہے کہ دشمنوں نے یہ افواہ اڑائی ہے کہ لشکر ایران، افغانستان کی سرحد کی طرف روانگی کا قصد رکھتا ہے۔

چونکہ شاہ افغانستان زماں شاہ ایک سرحدی مہم کے سلسلے میں کابل سے باہر ہیں، اس لیے یہ غلام عرض خواہ ہے کہ ہماری طرف سے معاہدہ امن کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی گئی۔ اس لیے افغانستان پر حملے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

امید ہے کہ والا جاہی اس سلسلہ میں عجلت سے کام نہ لیں گے، اگر سلطنتِ افغانہ کو یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ یہ قصد آخر کس بنا پر کیا گیا ہے کہ ہمارے مابین معاہدے کی ایک شق کے مطابق ''کہ اگر کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو جائے تو جنگ سے پہلے اس کے بارے میں دونوں اطراف سے وضاحتیں اور گفت وشنید ضروری ہوگی۔

امید ہے کہ والا جاہی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی وجہ اور جواز سے ہمیں آگاہ فرمائیں گے۔

حقیر فقیر ناچیز:
(وزیر اعظم)

شاہ ایران کو جب افغانستان کے وزیر اعظم کا نہایت دوستانہ اور پر خلوص خط ملا تو اسے جلد بازی میں اٹھائے ہوئے قدم پر قدرے افسوس ہوا اور اس نے مزید تحقیق کے لیے فریادی کو طلب کیا:

''فریادی کاظم بخاری کو فوراً پیش کیا جائے۔''

فریادی نے اپنا اتہ پتہ تو کچھ بتایا نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ شہر میں اجنبی ہے اور ایک سرکاری سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔

چنانچہ کوتوال شہر کو حکم ہوا کہ شہر کی تمام سرکاری / شاہی سراؤں میں کاظم بخاری کو تلاش کر کے فوراً دربار میں پیش کیا جائے۔

کاظم بخاری کی تلاش تین روز تک جاری رہی مگر اس نام کا کوئی شخص کسی سرائے میں بھی گزشتہ ایک سال سے نہ کبھی آیا تھا اور نہ اس نے قیام کیا تھا۔

چنانچہ شاہ عباس صفوی نے اپنے امیروں اور وزیروں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا اور اس

Marfat.com

نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی زبردست سازش تھی کہ ایران و افغانستان کو جنگ میں الجھا کر دونوں کی طاقت کو ضعف پہنچایا جائے۔

اس وقت ایرانی لشکر ہرات پر حملہ کے لیے روانہ ہو چکا تھا، شاہ ایران نے لشکر کو فوراً واپس آنے کا حکم دیا۔

O

انگریزوں کی اس سازش کا حال ایک اور تاریخ میں زیادہ واضح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔اس کے علاوہ اس میں نام اور مقامات کا بھی فرق ہے، اس لیے اسے بھی قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے درج کیا جا رہا ہے تاکہ سازش کا پورا نقشہ سمجھ میں آ سکے۔

مؤرخ اس طرح رقم طراز ہے:

''ولزلی کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ فرانسیسی، سلطان کی مدد نہ کر سکیں گے تو وہ اب اس سلطان کے دوسرے اتحادیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

اس وقت افغانستان کا زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کے لیے پر تول رہا تھا، انگریزوں کو خطرہ تھا کہ اگر شاہ افغانستان دہلی تک پہنچ گیا تو پھر انگریزوں کا ہندوستان میں رہنا مشکل ہو جائے گا، پس اس نے سوچا کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ زماں شاہ ہندوستان پر حملہ نہ کر سکے اور خود اپنے ملک کے اندرونی معاملات میں ہی اُلجھ کر رہ جائے۔

ولزلی نے اس سلسلے میں اپنے گورنروں کی کانفرنس منعقد کی اور اس میں یہ طے پایا کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو ایران پہنچ کے وہاں شیعہ سنی فساد کی بنیاد رکھے اور شاہ ایران کو افغانستان پر حملہ کرنے پر مجبور کر دے۔

یہ کام مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا تھا مگر سازشی انگریزوں نے ایسا زبردست منصوبہ بنایا کہ اس نے انگریزوں کی مرضی کے مطابق ایران اور افغانستان کو لڑا دیا۔

اس کانفرنس کے ایک ہفتے کے اندر اندر بمبئی کے گورنر لارڈ ڈنکن نے ولزلی کے پاس ایک شخص کو اس سفارش کے ساتھ بھیجا کہ یہ شخص اس (ولزلی) کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔

وہ آدمی شہر بمبئی کا ایک شیعہ مہدی علی خان تھا۔ ولزلی نے مہدی سے گفتگو کی اور اسے اپنے مطلب کا پایا تو فوراً اپنا منصوبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

پس مہدی علی خان (اس کا نام کاظم بخاری بھی لکھا گیا ہے ایران کے شہر بوشہر گیا

Marfat.com

اور فوراً ایرانی رعایا بن گیا۔)
وہاں بیٹھ کے اس نے ایرانی اور افغانی میں اپنا اثر و رسوخ خوب بڑھایا، پھر اس نے شیعہ سنی اختلافات کی داستانوں کو نمک مرچ لگا کر سنانا شروع کیا، اس نے یہاں تک کہا کہ افغان، ہندوستانی شیعوں پر اس قدر مظالم توڑ رہے ہیں کہ لاہور کے شیعوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر کمپنی کے علاقوں میں پناہ لینا شروع کر دی ہے۔
مہدی علی خان نے ایرانی دربار کو یقین دلایا کہ اگر شاہ افغان نے اس بار ہندوستان پر حملہ کر دیا تو وہ دہلی تک پہنچ جائے گا اور لاہور سے دہلی تک کے تمام علاقوں کے شیعوں کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے زماں شاہ کو ہندوستان پر حملہ سے روکنا نہ صرف شیعوں کو بے گھر ہونے سے بچانا ہوگا بلکہ پوری انسانیت پر احسان ہوگا۔
اس زمانہ میں زماں شاہ کے بھائی محمود شاہ کو بھائی سے بہت سی شکایتیں تھیں مگر کمزور ہونے کی وجہ سے وہ علی الاعلان زماں شاہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔
ادھر مہدی علی خان نے اپنی چرب زبانی سے ایرانی امیروں کو پوری طرح اپنا ہمنوا بنالیا تھا، پس ایرانی امراء اور وزراء نے شاہ ایران عباس شاہ صفوی پر زور ڈالا کہ وہ زماں شاہ کے بھائی محمود شاہ کی فوجی مدد کر کے افغانستان کا تختہ الٹ دے۔ اس طرح اگر افغانستان کا تختہ نہ بھی الٹا گیا تو کم از کم زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کرنے سے تو باز رہے گا اور لاہور سے دہلی تک کے شیعے اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے۔
شاہی دربار میں شیعوں پر افغانیوں کے مظالم کا تذکرہ روز ہی ہوتا تھا اور شاہ صفوی اپنے فرقہ کے لوگوں کی مدد کرنا بھی چاہتا تھا، اس لیے جب اس کے کان میں محمود شاہ کو فوجی مدد دے کر افغانستان میں شورش پیدا کرنے کی بات ڈالی گئی تو وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔
اس طرح شاہ ایران، مہدی علی خان کے فریب میں بلا واسطہ آ گیا۔ اس نے محمود شاہ کو بلا کے ایک ایرانی لشکر اس کے حوالے کیا اور محمود شاہ نے اس لشکر کے زور پر افغانستان کے سرحدی صوبہ ہرات پر حملہ کر دیا۔
جب ایران و افغانستان میں جنگ چھڑ گئی تو مہدی علی خان کا کام ختم ہو گیا کیونکہ ہرات پر حملہ کی خبر پا کر زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کرنے کے بجائے کابل واپس

Marfat.com

چلا گیا تا کہ اپنے ملک کو ایرانیوں کے حملہ سے محفوظ کرے۔

زماں شاہ کے کابل آنے پر یہ بات کھلی کہ کسی مہدی علی خان نے شاہ ایران کو افغانیوں کے شیعوں پر ظلم وستم کی غلط داستانیں سنا کر ہرات پر حملہ کا جواز پیدا کیا گیا تھا مگر جب مہدی علی خان کہیں دستیاب نہ ہو سکا تو یہ سازش کھل گئی۔ شاہ ایران نے ہرات سے فوجیں واپس بلالیں اور دونوں مملکتوں میں از سر نو ایک صلح نامہ ترتیب پا گیا۔

مگر ولز لی اپنے منصوبہ میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ زماں شاہ نے ہند پر حملہ ملتوی کر دیا اور انگریزوں کے افغانستان کی طرف سے دغدغے ختم ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس کے ایجنٹ مہدی علی خان کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

''ولز لی نے بمبئی کے گورنر لارڈ ڈنکن کو اس منصوبے کی کامیابی کی مبارکباد دی اور اسے حکم دیا کہ مہدی علی خان کو اس کی خدمات کے صلہ میں دو لاکھ دس ہزار روپے ادا کیے جائیں۔''

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فرانس کا جنرل (بادشاہ) نپولین برابر فتوحات حاصل کر رہا تھا۔ انگریزوں کو اس بات کا علم تھا کہ سلطان ٹیپو نے نپولین کے پاس بھی سفارت بھیجی ہے اور اس کے جواب میں نپولین نے وعدہ کیا ہے کہ وہ موقع ملتے ہی اس کی مدد کو ضرور پہنچے گا۔

اسی سلسلہ میں انگریز امیر البحر نیلسن کا وہ خط بڑی اہمیت رکھتا ہے جو اس نے اسکندریہ کی انگریزی کونسل کو لکھا تھا۔

نیلسن نے اپنے خط میں ممکنہ خدشات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اگر نپولین کا قبضہ اسکندریہ پر ہو گیا تو اس کا اگلا قدم ہندوستان میں ہو گا تا کہ وہ ٹیپو سلطان کی مدد کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ بحر قلزم کے راستے ہندوستان کے ساحل مالابار تک فرانسیسی بحری بیڑے کی قطار لگ جائے۔''

چونکہ بات بالکل واضح ہو گئی تھی، اس لیے ولز لی نے سرنگا پٹم پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے فوری طور پر سول اور فوجی حکام کو خطوط اور حکم نامے روانہ کیے کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

نظام دکن کے فوجی تعاون کے لیے ولز لی نے کرک پیٹرک کے چھوٹے بھائی کنٹن کرک پیٹر کو نظام کے پاس بھیجا اور کولنز کو سندھیا کے پاس روانہ کیا۔

نظام نے تو انگریزوں کا سب سی ڈیاری سسٹم قبول کر لیا تھا، البتہ مرہٹوں نے یہ نظام قبول

Marfat.com

نہیں کیا مگر یہ وعدہ کیا کہ جنگ کی صورت میں انگریزوں کی فوجی مدد کریں گے۔

○

سلطان کو ہواؤں کے رخ سے انگریزوں کے جنگی ارادوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اس لیئے اس نے موسیو ڈیوبک کو نپولین کے پاس خط دے کر روانہ کیا۔ اس فرانسیسی افسر کے ساتھ سلطان نے شیخ عبدالرحیم اور محمد بسم اللہ کو بھی بھیجا تھا۔

سلطان نے نپولین کو لکھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرے اور مالا بار کے ساحل پر اپنی دس سے پندرہ ہزار فرانسیسی فوج اتارے۔

اس وفد کو ماریشس سے ہو کے نپولین کے پاس پہنچنا تھا مگر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وفد ماریشس تو ضرور پہنچا مگر اس کے بعد اس پر کیا گزری اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ یقیناً وہ انگریزوں کی سازش کا شکار ہو گیا ہو گا۔

اس سازش کی تصدیق ولز کے اس رویہ سے بھی ہوتی ہے جو اس نے سلطان کو لکھے گئے اپنے ایک خط میں ظاہر کیا ہے، اس نے لکھا:

''یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اس بات سے آگاہ ہوں کہ آپ فرانسیسیوں سے جو انگریزوں کے دشمن ہیں جو خط و کتابت کر رہے ہیں اس سے ہم بھی واقف ہیں ...... ان تمام نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہو گی جو آپ کر رہے ہیں۔ کمپنی سے آپ کی دوستی بھی ختم ہو سکتی ہے، آپ کے ملک میں انتشار اور بد نظمی بھی پیدا ہو سکتی ہے، آپ کے مذہب کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

آگے چل کے وہ لکھتا ہے:

''حالات کی تحقیق کے لیے میجر ڈوٹن کو سرنگا پٹم بھیجا جا رہا ہے اور اسے ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ کمپنی کی حفاظت کے لیے سلطان سے جو ملک چاہے، طلب کرے۔''

ولزلی نے سلطان کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا اور فوجوں کو تیاری کا حکم دیدیا چنانچہ اس نے دسمبر 1798ء کو امیر البحر کو مندرجہ ذیل حکم نامہ بھیجا:

''نظام دکن کے ملک میں فرانسیسیوں کی تباہی (نظام دکن نے سب سی ڈیاری معاہدہ کے تحت فرانسیسیوں کی نہ صرف فوج ملک سے نکال دی تھی بلکہ تمام فرانسیسیوں کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیدیا گیا تھا)، ساحل کارومنڈل اور مالا بار پر ہماری فوجی تیاریوں میں ہماری پیش قدمی اور یورپ اور راس امید (جنوبی افریقہ) سے بڑی فوجی کمک کی توقع وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنھوں نے اس جزیرہ

Marfat.com

نما (جنوبی ہند) میں ہماری پوزیشن کو بہت مستحکم کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں اور سلطان کی فوجی طاقت کو کچل کے رکھ دوں۔"

اس کے ساتھ ہی فوجوں کی کمان سنبھالنے کے لیے ولزلی کلکتہ سے مدراس پہنچ گیا۔ اس نے سلطان کو دھمکی آمیز خط 13 دسمبر 1798ء کو لکھا تھا اس کا جواب سلطان نے 25 دسمبر کو دیا۔ سلطان کے جواب کے ہر لفظ سے اس کی بے بسی ٹپکتی ہے ملک فروش اور ایمان فروش نمک حراموں نے اس شیر نر کو حالات کے شکنجے میں اس طرح جکڑ دیا تھا کہ وہ بالکل بے اختیار ہو کر رہ گیا۔ سلطان نے ولزلی کو لکھا:

"لارڈ ولزلی اس بات سے آگاہ ہیں کہ سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی بستی ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک جہاز چاول لے کر ماریشس گیا تھا، واپسی پر وہاں چالیس بے روزگار تلاش معاش میں یہاں آ گئے تھے۔ ان میں سے دس کو سرکاری ملازم رکھ لیا گیا اور باقی جو بے ہنر تھے، انہیں واپس بھیج دیا گیا۔ میرا دلی مقصد یہ ہے کہ میں نے جو معاہدہ کیا ہے اس پر قائم رہوں اور اسے مستحکم کروں، میں اس وقت محل میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں، سوائے اس کے کہ کبھی کبھار شکار کو نکلتا ہوں۔ اس پر آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادیوں کو تحفظ کی ضرورت ہے۔ انتہائی حیرت کی بات ہے امید ہے کہ آپ دل میں کوئی ایسی ویسی بات نہ آنے دیں گے۔ جس سے دلوں میں میل پیدا ہو۔"

"رہا اہل فرانس کا معاملہ تو وہ لوگ مجسم شیطان ہیں۔ انہوں نے وقت سے فائدہ اٹھا کر زیر بحث اعلان شائع کرا دیا تا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو جائیں۔"

صلح نامہ کی انجام دہی کے وقت یہ فیصلہ ہوا تھا کہ چاروں فریق اس کے پابند رہیں گے اور اس معاہدہ میں کوئی رد و بدل نہ ہوگا۔"

سلطان نے آخر میں لکھا اور پتہ نہیں کتنی مجبوریوں اور دباؤ کے تحت لکھا کہ:

"آپ بڑے سردار ہیں پکے دوست ہیں، آپ میں قوت فیصلہ بہت عمدہ ہے، مجھے امید ہے کہ دانا اور فرزانہ اصحاب کے دل شکوک اور بدگمانیوں سے آلودہ نہ ہوں گے۔

میرے متعلق یہی خیال رکھیے کہ میں دل سے اتحاد اور دوستی کا خواہاں ہوں۔ آپ کے خطوط آنے سے مجھے دلی مسرت ہوتی ہے، اپنی خیریت سے شادماں کیجیے،

Marfat.com

اور کیا لکھوں۔"

اس کے جواب میں ولزلی نے ایک اور پرفریب خط سلطان کو لکھا جس میں تحریر تھا کہ وہ انگریز ایلچی کو اپنے دربار میں رکھے اور اس کے مشورے سے اتحادیوں سے شرائط صلح طے کرائے۔

اس کے فوراً بعد ولزلی نے سلطان ترکی خلیفہ سلیم ثالث کا ایک خط جو انگریز سفیر سپنسر کے ذریعہ خلیفہ سے حاصل کیا گیا تھا، سلطان کو بھجوایا، اس میں سلطان ترکی کی طرف سے سلطان ٹیپو کو لکھا گیا تھا کہ:

"فرانسیسی غدار اور بے ایمان ہیں، انگریز ہمارے دوست ہیں، فرانسیسی مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تم (سلطان ٹیپو) فرانسیسیوں سے قطع تعلق کر کے انگریزوں سے صلح کر لو۔"

خلیفہ ترکی کا یہ خط جسے سپنسر ہی نے تیار کرایا تھا۔ اس کے ساتھ ولزلی نے اپنا نوٹ بھی لکھا تھا کہ:

"آپ کے لیے بہتر ہے کہ تمام مذاہب کے دشمن اور خلیفہ اسلام پر حملہ کرنے والے فرانسیسیوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیں۔ خلیفہ کے خط سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فرانسیسیوں نے خلیفہ کی توہین کی ہے اور بلاوجہ شام و مصر پر حملہ کیا ہے، وہ یہ مقامات ہیں جن کا احترام ہر مسلمان کرتا ہے اور وہاں مذہب اسلام کے خزینے ہیں۔"

سلطان انگریزوں کے دلی مقاصد سے واقف ہو چکا تھا اور جانتا تھا کہ ولزلی کی یہ خط و کتابت محض اس کے بھلاوے کے لیے ہے، پھر بھی وہ ولزلی کے ہر خط کا باقاعدہ جواب دے رہا تھا، پہلے اس نے خلیفہ ترکی کے خط کا جواب بھیجا۔ پھر ولزلی کو جواب دیا۔

اسی مہینہ نپولین نے سلطان کے نام ایک خط قاہرہ سے لکھا مگر یہ خط سلطان تک نہ پہنچ سکا اور ضمیر فروشوں نے بیچ ہی میں اسے اچک لیا۔

نپولین کے تاریخی خط کا مضمون یہ تھا۔

"عظیم ترین سلطان اور ہمارے بہترین دوست ٹیپو صاحب:

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ میں بحیرہ احمر تک کثیر فوج کے ہمراہ اس دلی خواہش کے ساتھ پہنچ چکا ہوں کہ آپ کو انگریزوں کے پنجے سے نجات دلائی جائے۔

میرا خیال ہے مسقط کے راستے آپ تک پہنچوں مگر اس سے قبل آپ کے ملکی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے، اس لیے آپ اپنے ایک با اعتماد اور بھروسہ

Marfat.com

والے آدمی کو سویز یا قاہرہ کے راستے میرے پاس بھیج دیں تاکہ میں اس کے ساتھ گفتگو کرسکوں۔

خدا آپ کی قوت میں اضافہ کرے اور آپ کے دشمنوں کو غارت کرے۔۔''

نپولین نے اپنا یہ خط کسی فرانسیسی قاصد کے ہاتھ نہیں بھیجا کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ چونکہ انگریزوں نے سلطان کے گرد وطن فروشوں اور غداروں کا جال بچھا رکھا ہے اور اگر کسی فرانسیسی قاصد نے سلطان سے ملنے کی کوشش کی تو عین ممکن تھا کہ وہ گرفتار ہو کے قتل کر دیا جائے۔

اس خیال کے تحت نپولین نے یہ خط شریف مکہ، جو سلطان کا ہمدرد اور دینی بھائی سمجھا جاتا تھا، کی معرفت سلطان کو روانہ کیا۔

سلطان کے اس خط کے ساتھ ہی نپولین نے شریف مکہ کو اس خط کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے الگ ایک خط لکھا، جس میں تحریر تھا:

''میں اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ یہاں پہنچ گیا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ میں اسلامی ممالک کو انگریزوں کے ہاتھ سے نجات دلاؤں اور خاص کر آپ کے دینی بھائی سلطان ٹیپو کی مدد کو پہنچوں۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ وہ خط جو سلطان کے نام ہے، کسی معتبر آدمی کے ذریعے ان تک پہنچوا دیجیے۔''

مگر وہ ہاشمی زادہ اور دینی بھائی جس کے نام میں تو شریف ''شامل تھا'' دراصل ذاتِ شریف تھا، اس نے اپنے نام کا بھی لحاظ نہ کیا اور یہ دونوں خطوط جدہ میں مقیم انگریز سیاسی نمائندے ولسن کے حوالے کر دیئے۔

یہ حال تھا اس شریف مکہ کا جو خود کو مسلمانوں کا سب سے بڑا لیڈر کہلواتا تھا۔

چنانچہ۔۔۔ یہ خط سلطان تک کبھی نہ پہنچ سکا۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر یہ خط سلطان کے پاس پہنچ بھی جاتا تو بھی نپولین اتنے مختصر عرصہ میں ہندوستان اور خصوصاً جنوبی ہند پہنچ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ولزلی نے اس خط کے لکھے جانے سے پہلے ہی اپنی فوجیں سلطنت خداداد کی حدود میں داخل کر دی تھیں۔

شریف مکہ کی اس رذیل حرکت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں ترکی خلیفہ اور مکہ کے حکمرانوں پر انگریزوں کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ بھی مسلمانوں کو تباہ کرنے میں دشمنوں کی مدد کرنے میں کوئی عار نہ محسوس کرتے تھے۔

سلطان نے کسی موقع پر کہا تھا:

''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ جیسے انسان ہیں، آپؐ کو فضیلت محض اس

Marfat.com

لیے حاصل ہے کہ آپؐ خدا کے رسول بھی ہیں۔''

اس زمانہ میں عرب اور ترکی میں وہابی تحریک زوروں پر تھی اور خلیفہ ترکی اور شریفِ مکہ اس تحریک کو کچلنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے چنانچہ انگریزوں نے سلطان کے درج بالا جملوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔

انہوں نے خود اپنے طور پر خلیفہ ترکی اور شریفِ مکہ کی طرف سے اعلان شائع کر کے تمام اسلامی ممالک میں تقسیم کرادیا۔

اعلان یہ تھا:

''جنوبی ہند کی ریاست سرنگا پٹم کا سلطان ٹیپو وہابی ہے، اس لیے ہر مسلمان کا اس سے لڑنا، جائز ہے۔''

سلطان اگرچہ بظاہر ان حالات سے لاپرواہ معلوم ہوتا تھا مگر ایسا نہیں تھا چونکہ انتظام حکومت کابینہ کے سپرد تھا اور کابینہ سلطان کو اندرونی یا بیرونی کسی خبر کی بھی ہوا نہ لگنے دیتی تھی، تمام اختیارات وزیراعظم میر صادق کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے زمرہ خاص میں ہندوستان اور مسلمان دونوں قسم کے غدار شامل تھے۔ جن میں پورنیا، ترمل راؤ، میر غلام علی خان لنگڑا، میر معین الدین، میر قمرالدین، میر قاسم اور بدرالزماں نائطہ پیش پیش تھے۔

ان میں سے بعض تو ذاتی اغراض کی بناء پر سلطان کے خلاف تھے اور بعض خاص کر میر صاحبان، سلطان کی مذہبی اصلاحات کی وجہ سے برگشتہ خاطر تھے۔

انگریزوں نے ان کی مخالفت سے فائدہ اٹھایا اور کھلی رشوت اور بعض کو مستقبل کے وعدے کر کے اپنے ساتھ ملالیا۔

ولزلی نے جنوری 1799ء میں اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو صاف الفاظ میں لکھا تھا کہ:

''مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ امراء، وزراء، باجگذار اور رعایا سلطان کے خلاف ہے اور ہمارے سایہ میں آنے کو تیار ہے، اب جبکہ ہمیں سلطان کی سختی اور بد عہدی (پتہ نہیں وہ مکار کس سختی اور بدعہدی کی طرف اشارہ کر رہا ہے) کی وجہ سے جنگ کرنا پڑ رہی ہے تو عین انصاف ہے کہ ہم رعایا کی پریشان حالی، بے اطمینانی اور ناراضگی سے فائدہ اٹھائیں، اس کام کے لیے کرنل کلوز، کرنل آرتھر ولزلی، لیفٹیننٹ کرنل آرگینو، کیپٹن ملکم اور کیپٹن میکالے کے نام تجویز کرتا ہوں۔''

O

کرنل آرتھر ولزلی جو ولزلی کا بھائی تھا، اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ ان باجگذار

Marfat.com

ریاستوں سے خط و کتابت کرے جو انگریزوں سے مل جانا چاہتی ہیں۔ دوسرا کام یہ کرے کہ ریاست کے معزول راجہ کے خاندان کے جو افراد ہیں ان سے گفتگو کر کے انہیں ریاست کی ان کو واپسی کا یقین دلایا جائے۔

ولزلی نے سلطان کو جو شرائط لکھی تھیں ان میں کنارا اور منگلور کو کمپنی کے حوالے کر دینے کی بھی شرط رکھی گئی تھی، اس کے علاوہ سب سی ڈیاری سسٹم کو قبول کرنے پر زور دیا گیا تھا لیکن سلطان کو ان شرائط پر گفتگو کا موقع نہیں دیا گیا بلکہ جب ولزلی، کلکتہ سے مدراس پہنچا تو اس نے ان شرائط میں ایک کثیر رقم بطور تاوان جنگ ادا کرنے کی شرط بھی شامل کر دی۔

سلطان کو بات چیت کا قطعی موقع نہ دیا گیا اور 13 فروری 1799ء کو انگریز فوج کو کارروائی کا حکم دے دیا گیا۔

○

سلطان انگریزوں کی ان حرکتوں کو بغور اور بڑی تشویش سے دیکھ رہا تھا مگر جب اس نے انگریزی حدود میں ردوبدل کے سلسلے میں اپنی تشویش سے اپنے امراء کو آگاہ کیا تو وزیر اعظم غدار میر صادق نے اسے ہنسی میں اڑا دیا، وہ بولا:

''اللہ پاک کی قسم حضور والا۔ یہ فرنگی کئی ہزار میل کا سفر کر کے ہندوستان پہنچے ہیں، ان کی تھکی ہاری فوج حضور کی تازہ دم اور بہادر فوج سے کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے۔ آپ کے غلام انہیں ایسا مزہ چکھائیں گے کہ یہ بھاگ کے اپنے ملک ہی میں جا کر دم لیں گے۔''

سلطان نے قدرے ناگواری سے فرمایا:

''اگر انگریز بہادر قوم ہوتی تو ہم فکر مند نہ ہوتے مگر یہ قوم مکار ہے جو میدان جنگ کے بجائے سازش کے قلعہ میں بیٹھ کر عیاری اور غداری کے ہتھیاروں سے لڑتی ہے۔''

ایمان فروش میر صادق نے فوراً جواب دیا:

''یہ تو اور بھی اچھا ہے حضور والا۔ قسم ہے کلام پاک کی کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی۔ ان کی سازش اور مکاری بار بار تو کامیاب ہونے سے رہی۔

جب ان کا یہ داؤ ہمارے بچے بچے کو معلوم ہے تو ان کا یہ حربہ بیکار ہو جائے گا۔ اس وقت یہ کیا کریں گے؟

سلطان نے بجھے دل سے میر غلام علی سے پوچھا:

''کیوں میر صاحب، تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہم انگریزوں کو ان کے ناپاک ارادوں میں ناکام بنا دیں گے؟''

Marfat.com

مکار اور عیار میر لنگڑے نے جواب دیا:

''حضور والا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اگر اس کا جواب اثبات میں دیا جائے تو اسے خوشامد یا چاپلوسی پر محمول کیا جائے گا اور اگر نفی میں جواب ہو تو وہ دروغ گوئی ہو گا۔ اس لیے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میر صادق نے فرمایا ہے اس کی تائید کر دوں۔''

اب سلطان نے اپنے وزیر مالیات پورنیا کی طرف دیکھا، پورنیا اپنا جواب پہلے ہی تیار کر چکا تھا۔

اس نے پر سکون لہجے میں کہا:

''حضور والا۔ مجھ ناچیز کے خیال میں خداوند، انگریزوں سے خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہے ہیں، جو نظام دکن، مرہٹوں اور نواب ارکاٹ سے انگریزوں کے گٹھ جوڑ کی خبریں اڑائی جا رہی ہیں، یہ بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہیں، پتہ نہیں ایسی افواہیں کون پھیلاتا ہے ہو سکتا ہے یہ افواہ خود انگریزوں نے ہی پھیلائی ہو تا کہ حضور ان سے خوفزدہ ہوں اور اپنے دوستوں سے دشمنی مول لے لیں۔''

سلطان سب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر وہ پورنیا کی بات پر کیا کہتا۔ اس نے بس روایتی سا جواب دیتے ہوئے کہا:

''خدا کرے وہی ٹھیک ہو جو تم کہہ رہے ہو مگر ہمیں ان کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیے۔''

پھر سلطان نے قمر الدین کی طرف دیکھ کر حکم دیا:

''فوجوں کو ہر وقت تیار رکھو، کیا معلوم کس وقت طبل جنگ بج جائے۔''

تجربہ کار مگر مکار قمر الدین نے جواب دیا۔

''حضور والا۔ بالکل فکر نہ فرمائیں، اب جو جنگ ہو گی وہ ہماری آخری جنگ ہو گی۔''

لیکن۔۔۔

طبل جنگ بجنے کی نوبت نہ آئی۔

جنرل ہارس نے 22 فروری 1799ء کو سلطنت خداداد کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ ولزلی نے اسے اختیار دیا تھا کہ دوران جنگ اگر سلطان صلح کی بات کرے تو حالات کے مطابق شرائط طے کی جائیں، اگر برطانوی فوج نے خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لی ہو یا قلعہ پر گولہ باری ہو رہی ہو اور سلطان کی طرف سے صلح کی کوئی درخواست آئے تو سلطان سے آدھی سلطنت دینے کے ساتھ ساتھ دو کروڑ کے تاوان کا بھی مطالبہ کیا جائے اور شرائط کے پورا ہونے تک سلطان کے چار بیٹوں کو بطور ضمانت تمہاری تحویل میں دیا جائے۔

Marfat.com

جنرل ہارس کی کمان میں اکیس ہزار فوج تھی۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ 3 مارچ 1799ء کو سلطنت خداداد کی سرحد میں داخل ہوا۔

حیدر آباد نے اپنی 18، ہزار سپاہ، میر عالم کی سپہ سالاری میں بھیجی جو جنرل ہارس سے کری منگل کے قریب آن ملے۔

بمبئی سے جنرل اسٹوارٹ، چھ ہزار فوج کے ساتھ آ گیا تھا، اس پورے لشکر کا سپہ سالار اعلیٰ ولزلی کا بھائی کرنل آرتھر ولزلی تھا۔

مرہٹوں کا پیشوا باجی راؤ، پرسورام بھاؤ اور اس کے بیٹے آپا صاحب کے ساتھ حسب وعدہ انگریزوں کی مدد کو آ گیا تھا، سندھیا اس مہم کے خلاف تھا، اس نے نانا فرنویس کو بھی اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

مرہٹہ دربار میں سلطان کے دو وکیل (سفیر) احمد خاں اور فخر الدین موجود تھے۔ انگریز ان دونوں کو پونا سے نکلوانے کی کوشش میں تھے اور مرہٹوں کو بھی سب سی ڈیاری سسٹم قبول کروانے کی تدبیروں میں تھے۔

میسور کے راستے جنرل ہارس کا لشکر تین دن سفر کر کے کرگ کی سرحد پر پہنچا اور اس نے سولیسورا کے راستے کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

سلطان کو جیسے ہی اس لشکر کی خبر ملی وہ فوراً فوج لے کر سولیسورا کی طرف چل پڑا۔

جنرل ہارس نے سلطان کے آنے کی خبر پا کر جنرل اسٹوارٹ کو وہاں چھوڑا اور خود سرنگا پٹم کے راستے پر ہولیا۔

سلطان چنیا پٹن کے میدان میں پہنچ کے ٹھہر گیا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ انگریز فوج اسی راستے سے گزرے گی مگر جنرل ہارس نے سلطان کی آمد کی خبر پا کر اپنا راستہ کاٹا اور خانخان ہلی کی طرف چلا گیا۔

سلطان کو علم ہوا تو وہ بھی یلغار کرتا ہوا خانخان ہلی کی طرف چلا اور گلشن آباد (مالویلی) پہنچ کے انگریزوں کا راستہ روک لیا۔

سلطان کی فوج جس قدر بہادر تھی اس کے سردار اسی قدر ملک فروش اور نمک حرام تھے، اس وقت بھی پورنیا، میر معین الدین اور میر قمر الدین سلطان کے ساتھ تھے اور سلطان کے لشکر کو نقصان پہنچانے کی فکر میں تھے۔

جنرل ہارس کو اس میدان میں سلطان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ انگریزوں کا بہت نقصان ہوا اور قریب تھا کہ جنرل ہارس کی فوج میدان چھوڑ جائے کہ غدار

Marfat.com

پورنیا اور معین نے سلطانی فوج کو انگریزی توپ خانہ کی زد پر لگا دیا۔ اس طرح دشمن کی گولہ باری نے سلطانی لشکر کو شدید نقصان پہنچایا۔

سلطان کو ایمان فروشوں کی غداری کی تو خبر نہ ہو سکی مگر اس نے فوراً سنبھالا لیا اور حکمت عملی تبدیل کرتے ہوئے باقی تمام لشکر کو یکجا کیا اور باقاعدہ جنگ کا حکم دیا۔

اس وقت بنکی نواب محمد رضا خان، سید غفار اور حسین علی خان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور انہوں نے اپنے اپنے دستوں کے ساتھ جنرل ہارس کے لشکر پر شدید حملے شروع کر دیئے، اس وجہ سے انگریز فوج شدید دباؤ میں آ گئی۔

اس وقت قمر الدین نے پھر غداری کا مظاہرہ کیا اور سوار رسالوں کو اس طرح دوڑایا کہ ان کے گھوڑے آپس میں ٹکرا گئے اور خود ہی اپنی فوج کا نقصان کرنے لگے۔

اس بدنظمی اور بے ترتیبی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور سلطانی لشکر کے بہت سے سپاہی دشمن کی بھینٹ چڑھ گئے۔

سلطان نے اسی معرکہ میں میر قمر الدین کو جنرل اسٹوارٹ کے مقابلہ پر کورگ کی طرف روانہ کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ جنرل اسٹوارٹ کا راستہ روکے مگر وہ نمک حرام انگریز فوج کے پاس پہنچ کر اس طرح خیمہ زن ہو گیا، جیسے وہ ان کا محافظ ہو۔

ادھر سلطان کو اطلاع ملی یا خبر دی گئی کہ جنرل اسٹوارٹ اپنی فوج کے ساتھ سرنگا پٹم کے قریب پہنچ گیا ہے۔

اس اطلاع پر سلطان نے یہاں کے محاذ پر کچھ فوج چھوڑی اور خود بھی بڑی تیزی سے کورگ روانہ ہوا۔ تیسرے دن وہ انگریز کے مقابلے پر پہنچ گیا۔

سلطان کے ساتھ نواب بنکی محمد رضا خان اور سید غفار بھی تھے۔ ان دونوں سرداروں نے دو اطراف سے انگریز فوج پر زبردست حملہ کیا، تھوڑی ہی دیر میں دشمنوں کے پشتے لگ گئے اور دشمن گھبرا کر جنگل میں گھس گیا۔

نواب بنکی اپنے دستوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں جنگل میں داخل ہو گیا اور وہاں انگریزوں پر حملے کرنے لگا۔ قریب تھا کہ دشمن کی فوج منتشر ہو کر بھاگ نکلے کہ ناگہاں ایک گولی پیام اجل بن کے نواب بنکی محمد رضا خان کے سر میں لگی اور اس جوانمرد نے جام شہادت نوش کیا۔

نواب بنکی کیا شہید ہوا جیسے سلطان کا ایک بازو کٹ گیا۔ سلطان بڑا مستقل مزاج اور بڑے دل گردے کا مالک تھا، مگر جب نواب بنکی محمد رضا خان کی لاش اس کے سامنے لائی گئی تو

Marfat.com

اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ سلطان نے نواب بنکی کی لاش سرنگا پٹم بھجوا دی اور خود دارالسلطنت چلا گیا۔

سلطان کس قدر دلبرداشتہ تھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انگریزوں کے مقابلے کے لیے سرنگا پٹم سے نکلا تھا اور اب خود ادھر ہی واپس جا رہا تھا۔

شاید سلطان کا نیر اقبال غروب ہو رہا تھا!

کیا دارالسلطنت اور کیا میدان جنگ، غداران وطن ہر جگہ اپنا کام دکھا رہے تھے۔ پورنیا اور میر صادق جیسے نمک حرام سلطان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ میر قمر الدین ایک اچھا بھلا اور تجربہ کار سردار تھا جس نے ماضی میں اپنی بے مثل بہادری کے جوہر دکھائے تھے مگر اس کے سر پر سلطان کا داماد بننے کا بھوت سوار ہو گیا تھا اور وہ اس ذریعہ سے سلطان کی جگہ میسور کے تخت و تاج کا وارث بننا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نمک حرام کو جب سلطان نے جنرل اسٹوارٹ کو روکنے کے لیے کورگ بھیجا تو یہ وہاں پہنچ کے انگریزوں سے جنگ کرنے کے بجائے ان کا محافظ بن گیا اور یہ "فرض" اس وقت تک ادا کرتا رہا جب تک سلطان سرنگا پٹم واپس نہیں چلا گیا۔

سلطان کی سرنگا پٹم واپسی پر یہ ملک فروش جنرل اسٹوارٹ کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا جیسے اسے انگریز فوج کی بار برداری کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو۔

اسی طرح ایک اور غدار میر قاسم نے جنرل ہارس کی رہنمائی کی اور اس کی فوج کو محفوظ راستوں سے لے جا کر سرنگا پٹم کے جنوب مغربی حصہ میں ٹھہرایا۔

سرنگا پٹم کا یہ حصہ قلعہ کا کمزور ترین حصہ تھا!

○○○

Marfat.com

●

انگریزوں کو سلطان کے خلاف اب تک جو کامیابیاں ہوئی تھیں۔ ان کے متعلق یہ سوچنا کہ ان کے پاس اسلحہ کی افراط تھی یا ان کی فوج زیادہ بہادر تھی، قطعی غلط ہے۔ اس دور کی لکھی ہوئی تاریخیں اور انگریزوں کے وہ خطوط جو انہوں نے ایک دوسرے کو لکھے اور جو تاریخ کا اب ایک حصہ بن چکے ہیں، وہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیاروں اور فوجوں کی رہین منت نہ تھی بلکہ سلطان کے امراء اور وزراء کی غداری تھی اور اس کے ساتھ ساتھ سلطان کے خلاف انگریزوں کا وہ زبردست پراپیگنڈہ تھا اور وہ سازشیں تھیں جن کے لیے میسور کی سابقہ رانیاں اور ریاست کے ہندو سرمایہ دار اور مذہبی پیشوا دامے، درمے، سخنے مددگار بنے تھے۔

مؤرخ باسوا اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

''گزشتہ جنگ (میسور کی تیسری لڑائی) میں کارنوالس کی کامیابی بھی اسی سازش اور غداری کی رہین منت تھی اور اس جنگ (میسور کی چوتھی لڑائی) میں بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ اس کا کھلا ہوا ثبوت اس خط سے ملتا ہے جو گورنر مدراس نے لارڈ ولزلی کو لکھا تھا۔

وہ لکھتا ہے:

''میں آپ کی توجہ کے لیے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں جس کی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے یہ تحریر اس شخص کی ہے جو ریاست میسور کے حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا اور جس کی اطلاعات گزشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھیں۔

ترمل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) سے نہایت دوستانہ ہیں اور جس کی تمام امیدیں اس جنگ سے وابستہ ہیں، اس بدقسمت عورت کے ارادوں اور خیالات سے میں آپ کو عنقریب مطلع کروں گا اور وہ تحریر آپ کے غور و فکر کے قابل ہوگی، ترمل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں جو سلطان کے مقرب بارہ گاہ ہیں۔ (یعنی ملک اور ایمان فروش)۔

Marfat.com

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کے جس خط کا حوالہ مندرجہ بالا تحریر میں دیا ہے، شاید یہ وہی خط ہے جو رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا۔ اس کا اقتباس کتاب ''پروہانس آف میسور'' کے صفحات سے درج ذیل کیا جا رہا ہے۔

رانی لکھتی ہے:

''ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے 1760ء میں نواب والا جاہ محمد علی کے توسط سے ایک ایلچی بھیجا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

1782ء میں لارڈ میکارٹنی (گورنر مدراس) نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ ہماری ریاست ہمیں بحال کر دی جائے گی۔ اس کے لیے یہاں سازش کی گئی لیکن عین وقت پر اس کا علم ٹیپو کو ہو گیا اور ہم ناکام رہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں کیا گزری؟ اب سنا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں آئے ہیں کہ ہماری حکومت ہم کو دلا دی جائے۔ اس کے لیے اگر آپ کوشش کریں تو ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا برابر ساڑھے تین روپے) آپ کی نذر کیے جائیں۔ ترمل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہوں گی۔''

اس خط میں رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا:

''گورنر اور ان انگریزوں سے کہو، اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو نہ کریں لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے فرانس والوں کے اس ملک میں پہنچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے بھگت لیا جائے۔''

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل روانہ کی تھی جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رانی کو اس معاہدہ کی نقل کہاں سے اور کس کے ذریعے ملی۔۔؟ ظاہر ہے کہ رانی کے محل میں سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص نہیں جا سکتا تھا!

کتاب ''ماڈرن میسور'' کا مصنف اپنی کتاب میں ایک خط کا حوالہ اور دیتا ہے جو رانی کی طرف سے ولزلی کو بھیجا گیا تھا:

''ابھی حال میں معلوم ہوا ہے کہ خدا نے آپ کو اعلیٰ مرتبہ بخش کے اس ملک میں بھیجا ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ آپ ارادوں کے نیک اور ہمدرد ہیں۔ اس لیے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہد ناموں کے مطابق ہم کو ہمارا ملک

Marfat.com

لے کر دے دیجیے۔''

اس کا جواب ولزلی کے سیکرٹری جوشیوب نے اس طرح دیا تھا:

''آپ کا پردھان ایک عرصہ سے ہمیں آپ کے متعلق اطلاعات پہنچاتا رہا ہے۔
لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرتے ہوئے آپ
کی ریاست آپ کو واپس کر دی جائے گی۔''

بہرطور انگریز فوجیں دو ماہ پیشتر سے سرحد پر موجود تھیں۔ وہ بڑی تیزی سے سلطنت خداداد کی طرف بڑھیں۔ ان کے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدرآباد کی فوجیں بھی تھیں۔

یہ فوجیں خفیہ طور پر آگے بڑھ کر سلطان کی حدود کے اندر رانی کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ انگریزوں کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات پر بھیس بدل کے ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے، مقیم ہوگئے اور یہ تمام قریب قریب مسلمان ہی تھے۔

یہ تو ابھی تک زبان زد خاص و عام ہے کہ شرجاپور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے جو اپنے مکانوں میں انگریزوں کو چھپائے ہوئے رکھتے تھے۔

انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی مگر پورینا اور میر صادق وغیرہ سلطان کو مسلسل دھوکہ دے رہے تھے کہ کیا مجال ہے کہ انگریز ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ جبکہ ایک طرف سے مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری سمت مالا بار اور کورگ کے راستے سے ایک اور انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت سرنگاپٹم کی طرف آ رہی تھی۔

سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو بڑی حیرت ہوئی اس کے خط کا جواب دینے کے بجائے اس پر فوج کشی کی گئی۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لیے نکلا۔

اب ہم پھر اس جگہ سے جنگ کے حالات شروع کرتے ہیں جہاں تک انگریزی فوجیں پہنچ گئی تھیں۔ جنرل اسٹوارٹ کی فوجوں نے ان مورچوں پر قبضہ کر لیا جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کیے تھے، یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہ ہوئی۔

○

انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا، ہوسہلی کے پاس دریا پار کر کے دریا کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان باغ کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا، مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں، یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔
دریا کی چوڑائی اس جگہ بہت کم رہ گئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے جو بالکل خشک رہتی ہے، اس لیے بجز اس موسم کے جب دریا میں طغیانی آتی ہے، اس مقام کو آسانی سے عبور کیا جا سکتا ہے اور فصیل قلعہ بھی یہاں زیادہ اونچی نہیں ہے۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب ''ٹیپو سلطان'' میں لکھتا ہے:

''انگریزی فوجوں کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل ٹھہراتے ہوئے قلعہ کے اس سب سے کمزور پہلو کو بتلانے والا میر قاسم علی بن پنیل سید نورالدین تھا۔''

5 اپریل کو جنرل ہارس نے دریائے کاویری کو جنوب مغربی سمت سے پار کیا اور ''سلطان ٹیپو'' کے قریب آ کر خیمے لگائے۔

یہ مقام قلعہ سرنگا پٹم سے صرف تین چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ بدقسمتی سے سلطان اس گوشہ کا معقول انتظام نہ کرا سکا تھا۔ میر قاسم قلعہ کے اس کمزور پہلو سے واقف تھا، اس لیے وہ جنرل ہارس کو ادھر سے لے آیا تھا۔

اس وقت سلطان کی فوج منتشر حالت میں تھی۔ کچھ فوج شمالی علاقہ میں اور کچھ جنوبی علاقہ میں تھی، انگریز فوج کے اس معرکہ کا کمانڈر ولزلی کا بھائی آرتھر ولزلی تھا۔ اس نے آتے ہی قلعہ کی جنوبی جانب توپوں سے حملہ کر دیا مگر اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی چنانچہ دوسرے دن ولزلی نے اپنے بھائی سے کمان لے کر بیرڈ کے ہاتھ میں دیدی۔

جنرل ہارس کی فوجوں کے سامنے نہ صرف ایک دیوار تھی بلکہ دریائے کاویری کی ایک شاخ بھی تھی جو ایک چھوٹا سا ٹاپو بنا رہی تھی، اس لیے مزید پندرہ دن تک یعنی 20 اپریل تک انگریزوں کے حملے اور گولہ باری قلعہ کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

دوسری طرف یعنی قلعہ کے انتہائی مغرب میں دریا کا پاٹ بہت کم تھا اور یہاں سے بآسانی دریا پار کیا جا سکتا تھا، اس لیے جنرل ہارس نے آخری حملہ کے لیے اس مقام کو پسند کیا۔

جنرل فلائیڈ دو ہفتہ پہلے ہی اسٹوارٹ کی طرف روانہ ہو چکا تھا تا کہ اسے ساتھ لے کر آئے اور سرنگا پٹم پر شمال مغرب سے حملہ آور ہو۔

غداری کی انتہا یہ تھی کہ میر قمرالدین ان دونوں کے پیچھے ان پر بغیر حملہ کیے چلا آیا۔ یہاں تک کہ یہ فوجیں اپریل کے دوسرے ہفتہ میں سرنگا پٹم پہنچ گئیں اور انہوں نے عیدگاہ کے قریب اپنے مورچے قائم کر لیے۔

Marfat.com

سلطان کے پاس کل 36 ہزار فوج تھی جس میں سے چودہ ہزار قلعہ میں تھی۔ آٹھ ہزار مختلف محاذوں پر اور باقی چودہ ہزار جس میں زیادہ سوار تھے، میر قمر الدین، پورنیا اور فتح حیدر کی کمان میں تھی۔ اس چودہ ہزار میں سے صرف وہ فوج جو فتح حیدر کے ساتھ تھی، وفادار تھی، باقی فوج جو پورنیا اور میر قمر الدین کی زیر کمان تھی سلطان کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا رہی تھی۔

سلطان نے 9 اپریل 1799ء کو جنرل ہارس کو ایک خط لکھا جس میں اس نے حملے کا سبب دریافت کرتے ہوئے لکھا تھا:

"گورنر جنرل لارڈ مارنگٹن بہادر نے مجھے ایک خط بھیجا تھا جس کی نقل ملفوف ہے، آپ اس سے سمجھ جائیں گے کہ میں اپنے وعدوں پر پوری طرح قائم ہوں، پھر انگریزوں کی اس چڑھائی کا کیا مطلب اور اس دشمنی کا کیا سبب ہے؟ مطلع کریں اور کیا لکھوں!"

8 اپریل کو جنرل ہارس نے اس مکتوب کا جواب ان الفاظ سے دیا:

آپ کا خط معہ گورنر جنرل کے خط کے موصول ہوا۔ انگریزی فوج کی چڑھائی اور اس دشمنی کے سلسلے میں آپ وہ خطوط ملاحظہ کریں جو گورنر جنرل نے آپ کو لکھے ہیں، ان میں اس کی تشریح موجود ہے۔

اور کیا لکھوں!

سلطان نے انگریزوں کے جواب اور اپنے سپہ داروں کی طرف سے گولہ باری کی غیر مؤثر مدافعت پر حیران ہو کر[1] اپنے فرانسیسی افسروں کو طلب کیا اور ان سے مشورہ چاہا

سلطان نے فرانسیسیوں کے موسیو سپیو کو مخاطب کیا:

"میرے غیر ملکی دوستو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت ہم جن حالات سے دوچار ہیں، ان پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا، ہم اب تک جنہیں اپنا معتمد اور وفادار سمجھتے رہے، ان کی دغا بازی اور مکاری حیران نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ غنیم کا زور ہر لحہ بڑھتا جا رہا ہے، ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

سلطان کے ان چار جملوں کے ہر لفظ سے اس کے دل کا کرب ٹپکتا محسوس ہوتا ہے۔ ایک طرف مکار دشمن جو بہادری کے بجائے مکاری کے ہتھیاروں سے لڑ رہا تھا، خیر وہ تو تھا ہی دشمن، اس کا شکوہ عبث ہے لیکن یہ اپنوں کا رویہ، روش اور ذلیل حرکتیں۔ سلطان کس قدر بے بس اور مجبور ہو گیا تھا کہ اسے اپنوں سے ناامید ہو کر غیروں سے دکھ سکھ کرنا پڑ رہا تھا۔

1۔ توپوں میں بارود کے بجائے مٹی اور سن بھرا جاتا تھا۔

Marfat.com

فرانسیسی افسران سلطان کے ان جملوں سے بے انتہا متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آخر موسیو سپیو نے جواب دیا:

حضور والا۔ ہم نے آپ کا نمک کھایا ہے اور آپ نے ہم پر ہمیشہ بھروسہ کیا ہے، ہم ہر وقت اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔

ان نازک حالات میں ہم یہی رائے دے سکتے ہیں کہ حضور والا شاہی خزانہ، قیمتی سامان اور بیگمات کو ساتھ لے کر نصف شب کے بعد شمالی صوبہ سرایا چیتل ورگ چلے جائیں اور اپنے دس ہزار سوار اور پانچ ہزار باقاعدہ سوار بھی لے جائیں۔"

فرانسیسیوں کو سلطان کے نمک کا اس قدر پاس تھا کہ وہ اس پر اپنی جانیں نثار کرنے کو تیار تھے۔

دوسری طرف میر صادق، پورنیا اور میر قمر الدین جیسے نمک حرام تھے جو اپنے کھانے کی تھالی ہی میں چھید کر رہے تھے۔

موسیو کے جواب میں سلطان نے دریافت فرمایا:

"پھر سرنگا پٹم کس پر چھوڑ جاؤں؟"

موسیو سپیو نے سینہ تان کر جواب دیا:

"حضور والا۔ سرنگا پٹم کو فدوی اور فدوی کے ہم وطن سپہ سالار موسیو لالی کے سپرد کر دیا جائے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک ہم میں سے ایک فرد بھی زندہ ہے حضور کے ادائے حق نمک میں کوتاہی نہیں کرے گا۔"

کس قدر معقول رائے تھی موسیو سپیو کی۔

اگر سلطان قلعہ سے نکل جاتا تو ظاہر ہے کہ انگریزوں کو قلعہ کے بجائے سلطان کی فکر پڑ جاتی اور وہ محاصرہ اٹھا کر سلطان کے پیچھے روانہ ہو جاتے ادھر سلطان سرایا چیتل ورگ پہنچ کر بہت محفوظ ہو جاتا اور ادھر فرانسیسی ایک ایک غدار کو چن چن کر ختم کر دیتے۔

چنانچہ موسیو سپیو کے مشورہ پر عمل کرنے سے ایک بہتری کی صورت ضرور نظر آتی تھی لیکن سلطان کو تو ایمان فروشوں نے گھیر رکھا تھا۔

موسیو سپیو کے جواب سے سلطان بے حد متاثر ہوا اس نے سپیو کو بڑے پیار سے دیکھا، اسے محسوس ہوا کہ موسیو شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔

چنانچہ۔ سلطان نے فرمایا:

"موسیو سپیو، ہمارے خیال میں ابھی تمہاری بات ختم نہیں ہوئی، تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے

Marfat.com

ہو؟''

''جی ہاں سلطان محترم''

موسیو سپیو نے ادب سے عرض کیا:

''میری ایک اور رائے بھی ہے۔''

''کہو کہو۔''

''میری رائے ہے کہ اگر حضور والا کو فدوی کی اس تجویز سے اختلاف ہو تو انگریزوں کو دوست بنانے کی ایک تجویز اور بھی میرے ذہن میں ہے۔''

سلطان نے فوراً کہا:

''بیان کرو موسیو۔''

موسیو سپیو نے دلیرانہ عرض کیا:

''حضور والا۔ انگریزوں کو ہم فرانسیسیوں سے خاص پرخاش ہے، آپ ہم سب فرانسیسیوں کو ان کے حوالے کر دیجیے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری گرفتاری کے بعد انگریز آپ سے مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

سلطان نے پہلے تو موسیو سپیو کو حیران نظروں سے دیکھا پھر بڑے دکھ سے کہا:

''دوستو۔ تم غریب الوطن ہماری طلبی پر یہاں آئے ہو، تم ہمیشہ ہمارے وفادار اور رفیق رہے ہو، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر اور وفادار دوستوں کو ہم دشمن کے حوالے کر دیں، اگر ہماری پوری سلطنت بھی تاراج ہو جائے تو ہمیں افسوس نہ ہوگا مگر یہ ناممکن ہے کہ ہم تمہیں انگریزوں کے حوالے کر دیں۔''

اللہ اللہ۔۔۔ایک طرف میر صادق، پورنیا، میر قاسم، بدرالزمان نائطہ اور میر قمر الدین، جو خود کو وفادار کہتے تھے اور ان کا شمار خاص اپنوں میں ہوتا تھا، ان کی غداریاں اور دوسری طرف وہ غیر لوگ یعنی فرانسیسی جو سات سمندر پار سے سلطان کے بلاوے پر اس کی ملازمت میں آئے تھے ان کی وفاداریاں کہ اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ۔

سلطان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے!

O

فرانسیسیوں سے ملاقات کے بعد سلطان نے ان نمک حراموں کو طلب کیا جو سلطان کے پسینے پر اپنا خون بہانے کے دعویدار تھے۔

میر صادق، پورینا اور بدرالزمان نائطہ آئے اور سلطان کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو

Marfat.com

گئے۔ سلطان کچھ دیر خاموش کھڑا دیکھتا رہا اور سوچتا رہا، پھر اس نے غداروں کو مخاطب کیا:

''لڑائی کا جو حال ہے، وہ تمہارے سامنے ہے، ہم جن حالات سے دوچار ہیں، ان پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے اپنے وفادار فرانسیسی سرداروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا ہے، ان کی رائے بلکہ صائب رائے کو ہمارا دل بھی تسلیم کرتا ہے کہ ہم خزانے سے جواہرات کی پیٹیاں اور توشک خانے کا قیمتی سامان لے کر خواتین حرم سرا کے ساتھ صوبہ سرا یا چیتل درگ منتقل ہو جائیں اور قلعہ فرانسیسیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائیں، تمہاری کیا رائے ہے؟

جہاں تک یہاں کی جنگ کا مسئلہ ہے تو اسے تو ہم ہار ہی چکے ہیں، باہر جا کر ہم پھر سے مقابلہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

سلطان کی زبانی یہ بات سن کر غداروں کی امیدوں پر پانی پھر گیا، وہ تو اپنے خیال میں شیر کو جال میں پھنسا چکے تھے، جبکہ وہ اب جال کو توڑ جانا چاہتا تھا۔

وہ دیر تک خاموش رہے اور ایک دوسرے کو کنِ انکھیوں سے دیکھتے رہے، پھر غدار وزیر اعظم میر صادق نے نہایت انکسار سے عرض کیا:

''حضور والا۔ آپ اپنے ارادوں کے مالک ہیں جو چاہے سو کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ ہم سے رائے طلب کرتے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ ہم نمک خوار جب تک زندہ ہیں آپ کے پسینے پر خون بہا دیں گے۔ مگر آپ کا قلعہ چھوڑنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔''

اب پورنیا نے اپنی غداری کو ان الفاظ میں چھپانے کی کوشش کی۔

''جہاں پناہ۔ فرانسیسی قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے جو آپ کے ساتھ کرے گی۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں قومیں اندر سے ایک ہیں۔

ایک سگِ زرتو دوسرا برادرِ شغال

(ایک دولت کا کتا تو دوسرا گیدڑ کا بھائی)

''آپ جیسے ہی قلعہ فرانسیسیوں کے حوالے کریں گے، یہ اسے انگریزوں کے حوالے کر دیں گے۔''

''پھر تم لوگ انگریزوں سے صلح کی گفتگو کرو۔'' آخر سلطان نے فیصلہ کیا۔

پورنیا نے فوراً کہا:

''عالی جاہ۔ یہ آسان اور ممکن ہے۔''

O

Marfat.com

ایک تاریخی حوالہ کے مطابق سلطان نے 20 اپریل 1799ء کو اپنے وکیل کے ہاتھ انگریزوں کو مندرجہ ذیل پیغام بھیجا:

''لارڈ مارننگٹن نے خط میں لکھا ہے کہ معاملہ کی صفائی کے لیے ایک شخص کو مقرر کیا جائے گا جس کے اختیارات آپ کو ہوں گے تاکہ معاہدہ عمل میں لایا جاسکے۔''

آپ دونوں سرکاروں کے بہی خواہ ہیں، آپ کی خوشی کس بات میں ہے، مطلع کیجئے تاکہ معاہدہ کی گفت وشنید کی جاسکے۔''

اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو صلح کے اختیارات کے ساتھ چار شرطیں بھی تحریر کر دی تھیں، چنانچہ جنرل ہارس نے سلطان کو جو جوابی پیغام بھیجا، اس میں مجوزہ شرطوں میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیا۔ دراصل جنرل ہارس جنگ بند کرنا نہیں چاہتا تھا۔

1- سلطان اپنی نصف سلطنت کمپنی کے حوالے کر دے۔

2- فرانسیسیوں کو چھٹی دے کر انگریزوں کو ملازم رکھے۔

3- دو کروڑ کا تاوان جنگ ادا کرے جس میں سے ایک کروڑ چوبیس گھنٹوں میں انگریزی فوج میں پہنچ جانا چاہیے۔

4- باقی ایک کروڑ کے لیے سلطان کو اپنے چار لڑکے (1- سلطان پادشاہ 2- فتح حیدر 3- معین الدین 4- عبدالخالق) انگریزوں کی تحویل میں دینا ہوں گے۔

جنرل ہارس نے اپنی طرف سے جو شرطیں شامل کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ شہزادوں کے ساتھ چار وکیل:

1- میر قمر الدین، 2- میر صادق، 3- پورنیا، 4- سید غفار

بھی انگریزوں کے حوالے کیے جائیں۔

ان میں سوائے سید غفار کے باقی تینوں انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ سید غفار اس وقت سلطان کا سب سے زیادہ مضبوط اور وفادار سپہ سالار تھا، چنانچہ انگریز اسے سلطان سے الگ کرنا چاہتے تھے اور باقی تینوں کو بطور وکیل وہ اس لیے طلب کر رہے تھے کہ انہیں شبہ تھا کہیں سلطان ان تینوں کو قتل نہ کرا دے۔

جنرل ہارس کو شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ بدر الزمان ناطہ بھی ان تینوں ہی جیسا غدار اور نمک حرام سردار تھا ورنہ وہ اسے بھی ضرور طلب کر لیتے۔

سلطان کو یہ شرائط قبول کرنے کے لیے صرف 24 گھنٹے کا وقفہ دیا گیا تھا، بھلا اس کی حمیت، شرافت اور عزت نفس ان شرائط کو کیسے قبول کر سکتی تھی۔

Marfat.com

پچھلی مرتبہ انگریزوں کی تحویل میں اس کے دو بیٹے ایک طویل عرصہ تک رہے تھے اور اب وہ اس کے چار بیٹوں کو بطور یرغمال طلب کر رہے تھے۔

سلطان کی شفقت پدری اور محبت یہ کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ وہ بیک وقت چار بیٹوں کو خود سے جدا کر کے ظالم انگریزوں کے حوالے کر دے جن کے ساتھ وہ جو چاہے سلوک کر سکتے تھے۔

ان چوبیس گھنٹوں کے دوران انگریزوں کی طرف سے قلعہ پر مسلسل گولہ باری ہوتی رہی اور اس کے جواب میں قلعہ کی طرف سے انگریزوں پر جو گولے پھینکے جا رہے تھے ان میں مٹی اور سن بھری ہوئی تھی اور اس بات کا ثبوت بھی موجود تھا۔

آخر سلطان نے وہی فیصلہ کیا جو ایک غیرت مند اور جوانمرد سپاہی کو کرنا چاہیے تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ میدان جنگ میں ایک سپاہی کی طرح لڑتا ہوا مارا جائے گا بجائے اس کے کہ وہ خود کو کافروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔

اب جنگ کے سوا کوئی اور چارہ نہ رہا تھا، سلطان نے چاہا کہ وہ سرنگاپٹم سے نکل کے کسی اور جگہ چلا جائے اور وہاں سے جنگ جاری رکھے۔

اس نے حکم دیا:

''جواہرات، توشک خانہ اور مستورات کو چیتل ورگ روانہ کر دیا جائے۔''

خدام نے حکم کی تعمیل کی اور تمام مال و متاع ہاتھیوں، اونٹوں اور بیلوں اور پالکیوں پر لدوا دیا۔ سب روانگی کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو سلطان نے امراء کی مجلس مشاورت طلب کی۔

جب تمام امراء جن میں تقریباً سب کے سب ایمان فروش اور غداران ملک و ملت تھے، جمع ہو گئے تو سلطان نے کہا:

''ہمارے فرانسیسی دوستوں کی رائے درست تھی، ہم سراپا چیتل ورگ روانہ ہو رہے ہیں۔ سرنگاپٹم کی جنگ میں اب کچھ نہیں رہا۔''

امراء نے یہ سمجھ لیا اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو ان کی سازش کامیاب نہیں ہو گی اور تمام کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

اس وقت غدار وطن بدر الزمان آگے آیا اور اس وطن فروش اور کینہ پرور نے دست بستہ عرض کیا:

''قبلہ عالم۔ آپ کیا غضب فرما رہے ہیں۔ اگر حضور نے یہ اقدام کیا اور جاں نثاروں کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا اپنے حرم اور تمام خزانے کے ساتھ سرنگاپٹم سے باہر جا رہے ہیں تو ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور سارا شیرازہ بکھر کے رہ جائے گا۔

Marfat.com

ایسے حالات میں یہ نمک خوار اور وفادار ملک و ملت حضور والا کے اس غیر شاہانہ اور غیر شریفانہ اقدام، جو آپ کے شایان شان نہیں ہے، کی تائید اور حمایت نہیں کر سکتا۔"

سلطان نے بدرالزمان کے اس پرفریب جواب پر اپنے سامنے کھڑے تمام امراء کی طرف دیکھا، ان کے سر جھکے ہوئے تھے اور کسی میں سلطان سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ تھی۔

سلطان نے ایک پژمردہ، افسردہ اور حسرت بھری نظر، جس میں امرا کی غداری، مکاری اور ایمان فروشی کے لیے ایک کسک تھی، امراء پر ڈالی، پھر ایک سرد آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا:

"رضائے مولا براولیٰ"

(اللہ کی مرضی سب سے اول و افضل)

اور۔۔۔ سلطان نے سارا بندھا ہوا سامان توشک خانہ میں واپس بھیج دیا۔

اس طرح سلطان نے انگریزوں سے خوف کھا کر نہیں بلکہ اپنے امرا جن کی امارت، حکومت، برتری کے لیے وہ اب تک لڑتا چلا آ رہا تھا، ان کی نمک حرامی، ایمان فروشی اور ملک و ملت سے غداری کے سامنے خود اپنی موت کے محضر پر دستخط کر دیے۔

امراء نے سلطان کو مجبور کر دیا کہ وہ سرنگاپٹم میں آخری وقت تک قیام کرے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ سلطان نے یہ فیصلہ کن جذبات کے تحت کیا، بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہ فیصلہ، اپنے امراء، جو دراصل غدار تھے، کے کہنے پر کیا تھا لیکن اس فیصلہ کی صرف یہی وجہ نہ تھی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو آخری وقت تک یہ امید تھی کہ اس کے امراء راہ راست پر آ جائیں گے اور وہ سرنگاپٹم کو انگریزوں کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ بات صحیح بھی تھی۔

اگر غدار اپنی غداریوں سے باز آ جاتے اور مزید کوئی حرکت نہ کرتے تو اس وقت بھی سلطان اور اس کے لشکر میں اتنی طاقت تھی کہ وہ دشمنوں کی متحدہ قوت کو پارہ پارہ کر دیتے، مگر ایمان فروشوں کے دل سیاہ ہو چکے تھے اور بہرصورت سلطنت خداداد اور سلطان کا خاتمہ دیکھنا چاہتے تھے۔

سلطان کے اس فیصلے سے نمک حرام بہت خوش ہوئے۔ اس خوشی میں اہلِ نوائط پیش پیش تھے کیونکہ غداری، ایمان فروشی اور انگریزوں سے دوستی میں وہی سب سے آگے تھے۔ میسور کی تیسری جنگ کی سازش میں بھی انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا مگر وہ سازش ناکام ہو گئی تھی، اس دفعہ ان کی سازش پہلے سے زیادہ منظم تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس محاصرہ کے دوران اہل نوائط کے گھروں میں سے انگریزوں کو مٹھائی اور پان تحفہ کے طور پر روزانہ بھیجا جاتا تھا۔

Marfat.com

O

سلطان نے جنگ کا فیصلہ کیا تھا، اس لیے اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، وہ دیکھ رہا تھا کہ تمام اہم مقامات پر فوج متعین ہونے کے باوجود انگریزوں کے قدم آگے ہی آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

اس سے سلطان نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے امراء اسے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس لیے اس نے حکم دیا کہ محل سرا کے گرد خندق کھود کر اس میں بارود بھر دیا جائے تا کہ اگر انگریز اندر آ جائیں تو حفاظت ناموس کے لیے بارود میں آگ لگا کر محل سرا کو اڑا دیا جائے۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نے سرداروں کو مختلف مقامات پر متعین کیا اور ایک دستہ فوج کو انگریزوں کی رسد روکنے کے لیے روانہ کیا مگر وہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا، نیچے سے اوپر تک کے تمام امراء ایمان بیچ چکے تھے، اس لیے سلطان کے کسی حکم کی تعمیل ہی نہ کی جاتی تھی۔ غداروں کی جرأت کی انتہا یہ ہو چکی تھی کہ یہ لوگ لیفٹیننٹ ہل اور لارنس کو خندق پار کرا کے قلعہ میں لے آئے تھے اور یہ دونوں انگریز قلعہ کے تمام انتظامات اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے تھے۔

پھر اس غداری نے وہ وقت بھی دکھایا کہ انگریزوں کی شدید گولہ باری سے قلعہ کی ایک دیوار منہدم ہو گئی اور انگریزوں نے قلعہ میں داخل ہونے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی۔ انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا، روکنے والوں نے تو خود ان کی رہبری کے فرائض ادا کیے تھے۔

قلعہ سے جوابی گولہ باری ہو رہی تھی لیکن توپوں میں گولے نہ تھے، بلکہ سن اور مٹی بھری جاتی تھی۔ غداری کا یہ عالم تھا کہ سلطان کو نہ قلعہ کی دیوار منہدم ہونے کی اطلاع دی گئی اور نہ انگریزوں کے داخلہ کی خبر اس کے کانوں تک پہنچنے دی گئی۔

آخر 2 مئی 1799ء کو سلطان پر ایمان فروشوں اور غداروں کا حال پوری طرح کھل گیا اور سب کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔

سلطان نے ایک پرچہ غداروں کے نام لکھ کر میر معین الدین کے حوالے کیا، اس پر درج تھا کہ ان غداروں کو آج رات قتل کر دیا جائے۔

سلطان نے اگرچہ غداروں کے چہرے دیکھ لیے تھے مگر افسوس کہ وہ اب تک اس بات سے بے خبر تھا کہ میر معین الدین خود بھی ان غداروں میں شامل ہے، جن کے نام سلطان نے پرچہ پر لکھ کر اس کے حوالے کیے تھے۔

میر معین الدین نے سرِ دربار ہی پرچہ کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

یہ حرکت اس نے جان بوجھ کر کی تھی تاکہ ایک طرف تو غداروں کو سلطان کے حکم کی اطلاع ہو جائے دوسرے یہ کہ سلطان پر یہ بات عیاں ہو جائے کہ اب وہ ان غداروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تاریخ کی ایک روایت کے مطابق غداروں کی اس فہرست میں میر صادق کا نام سرفہرست تھا۔ میر معین الدین کے قریب کھڑے ہوئے کسی شخص نے میر صادق کا نام پڑھ لیا اور اسے سلطان کے حکم کی خبر کر دی۔

اس تاریخی حوالہ میں کچھ زیادہ وزن نہیں ہے، اس لیے کہ جس نے میر صادق کا نام پڑھا تھا اس نے دوسروں کے نام بھی ضرور پڑھے ہوں گے اور ان سب غداران ملک و ملت کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی ہو گی۔

مگر۔۔۔

حقیقت سے قریب ترین بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ میر معین الدین جو خود بھی ان غداروں کا ایک ساتھی تھا، خود ہی سب ایمان فروشوں کو سلطان کے حکم کی اطلاع دے دی ہو گی کہ سلطان نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا ہے، میر معین الدین اور یہ سب دوسرے غدار، ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔

میر معین الدین کی غداری نے کام دکھایا اور سب غداروں اور ایمان فروشوں کو صاف بچا لے گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور سلطان کے حکم کی تعمیل ہو جاتی تو سرنگاپٹم کی اس آخری جنگ کے نتائج اور ثمرات کچھ اور ہوتے!

○○○

Marfat.com

●

4 مئی 1799ء کا دن طلوع ہوا۔

صبح کا دھندلکا بہت اداس تھا۔ قلعہ سرنگا پٹم سہا ہوا نظر آ رہا تھا اور ہر طرف مایوسی چھائی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

سلطان نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد قلعہ کی شکستہ دیوار دیکھنے کے لیے گیا۔

اس جگہ یہ نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ دیوار ایک دن پہلے شکستہ ہو کر گر چکی تھی۔ انگریز اندر داخل ہونے کی کوشش میں تھے۔ غداروں نے انہیں اطمینان دلا دیا تھا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں، وہ قلعہ میں بے دھڑک داخل ہو جائیں۔

مگر۔۔۔ انگریز لشکر اب بھی سلطان کے رعب سے لرزہ براندام تھا کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ اس شکستہ دیوار کے قریب سلطان خود خیمہ نصب کیے موجود ہے۔

سلطان نے اپنا خیمہ جنوبی گوشے میں لگوالیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے مدافعت کا ارادہ کر لیا اور دیوار کے شگاف کو بھرنے کا حکم دیا۔

دن کے دس بجے تھے کہ نجومیوں کی ایک جماعت نے حاضری دی اور سلطان کو آگاہ کیا:

''ان داتا، آج کا دن آپ کے لیے منحوس ہے۔''

پس سلطان نے صدقہ کا سامان تیار کرنے کا حکم دیا اور خود حمام میں چلا گیا۔ غسل سے فارغ ہو کر سلطان باہر آیا اور اس نے ایک برہمن کو کئی سیر موتیوں میں پروئی ہوئی ایک جھالر کے ساتھ ایک ہاتھی صدقے میں دیا۔

اس کے علاوہ محتاجوں اور غریبوں میں نقد رقم اور کپڑا تقسیم کرایا، پھر قلعہ کی دیوار میں شگاف کے بالکل قریب اپنا خیمہ لگوالیا۔

انگریزی فوج غداروں کی مدد سے پچھلی رات کو فصیل کے عین نیچے پہنچ چکی تھی اور وہ اس رات دیوار کے شگاف کے بالکل قریب موجود تھی۔

فصیل کے باہر جو خندق تھی، اس میں صرف گھٹنوں تک پانی تھا، اس جگہ سلطان نے میر معین الدین کو تعینات کیا تھا اور اس ایمان فروش نے خندق کو پانی سے خالی کر رکھا تھا تا کہ

Marfat.com

انگریزوں کو خندق پار کرنے میں وقت نہ ہو۔

میر معین الدین کے ماتحت سپہ دار سید غفار تھا جو بڑی مستعدی سے شگاف کے سامنے کھڑا اپنے فرائض ادا کر رہا تھا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود انگریز قلعہ میں داخل ہونے کی ہمت نہ کر رہے تھے اور نہ معین الدین انہیں اندر داخل ہونے کا اشارہ دے رہا تھا۔

اس کی وجہ سید غفار کی وہ بہادری اور سلطان سے وفاداری تھی جو وہ اب تک مختلف محاذوں پر دکھاتا چلا آ رہا تھا۔

میر معین الدین دانت پیس پیس کے سید غفار کو دیکھ رہا تھا اور اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ اسے اس کی جگہ سے کس طرح ہٹائے کیونکہ اس کی موجودگی میں انگریز فوج کا شگاف کے ذریعے قلعہ میں داخلہ ممکن نظر نہ آ رہا تھا۔

آخر مکار میر معین الدین نے ایک شاطرانہ چال چلی، وہ بڑھ کے سید غفار کے پاس پہنچا اور اس سے سرگوشی میں کہا:

''سلطان معظم کو جا کے ہوشیار کر دو کہ آج انگریزی فوج کے حملہ کا پورا امکان ہے، اس لیے وہ اپنے دستوں کے ساتھ مستعد رہیں۔

سید غفار ایک خالص وفادار سپاہی تھا، وہ میر معین الدین کی اس مکاری کو نہ سمجھ سکا اور اپنے افسر کے حکم کی بجا آوری میں اپنی جگہ چھوڑ کے سلطان کو اطلاع دینے چلا گیا۔

سید غفار کے ہٹتے ہی انگریز فوج کو تیار رہنے کا اشارہ دے دیا گیا اور سید غفار کی نشاندہی اس طرح کی گئی کہ جونہی سید غفار، سلطان کو اطلاع دینے کے بعد اپنی جگہ واپس آ کر کھڑا ہو اس پر ایک سبز رنگ کی چھتری تان دی گئی تاکہ اسے آسانی سے نشانہ بنایا جا سکے۔

چنانچہ۔۔۔ سید غفار کے یہ پوچھنے سے قبل ہی اس کے لیے یہ چھتری کا اہتمام کیوں کیا گیا ہے، اس پر دشمن نے گولیوں کی اس قدر بارش کی کہ اس نے وہیں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

سید غفار کے شہید ہوتے ہی اس کے دستوں کو جو شگاف کی حفاظت پر مامور تھے، وہاں سے ہٹا لیا گیا۔

پھر اسی وقت وزیر اعظم میسور میر صادق نے حکم بھیجا کہ فوج آ کر اپنی تنخواہ لے جائے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ میر صادق اور میر معین الدین نے مل کر منصوبہ بنایا تھا کہ عین موقع پر فوج کو تنخواہ کے بہانے سے ہٹا لیا جائے گا۔

Marfat.com

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ فوج کو تنخواہ وصول کرنے کا حکم وزیر مالیات پورینا کی طرف سے دیا گیا تھا کیونکہ وہ وزیر خزانہ تھا۔

بہر حال۔۔۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میر صادق ہو یا پورینا، ونوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ کسی طرح فوج کو شگاف کے پاس سے ہٹا لیا جائے تا کہ انگریزی فوج کو قلعہ میں داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

پس دشمنوں کا منصوبہ کامیاب ہوا اور انگریزی فوج کو جھنڈیوں کے ذریعے اطلاع دی گی کہ میدان بالکل خالی ہے اس لیے وہ غداروں کے ہاتھ سے بنے ہوئے راستے سے بے دھڑک قلعہ میں داخل ہو سکتی ہے۔

دو بجے سے کچھ پہلے انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کیا، اس حملہ آور فوج کی کمان بیرڈ کے ہاتھ میں تھی۔

بیروڈ تین سال تک سلطان کی قید میں رہ چکا تھا اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے خندق کے اوپر آ کر آواز دی۔

''کیا تم سب تیار ہو؟''

اسے جواب ملا:

''ہاں''

اس پر جنرل بیرڈ نے بلند آواز میں کہا:

''تو پھر اے بہادو میرے ساتھ آؤ آج انگریز سپاہیوں کی لاج رکھ لو۔''

جنرل بیرڈ کی کمان میں 4376 سپاہی تھے۔ ان میں 2494 یورپین تھے۔ اس نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ کی کمان جنرل شیر بک کو اور دوسرے حصہ کی کمان جنرل ڈنلپ کے سپرد کر دی۔

منصوبہ یہ تھا کہ آگے پیچھے فصیل پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہونے کے بعد بنگلوری دروازے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قبضہ کرتے ہوئے فوج سے آ ملے۔

جنرل بیرڈ کی فوج کو فصیل پر چڑھنے میں صرف چھ منٹ لگے کیونکہ اس کی رہنمائی میر قاسم کر رہا تھا جو اس سے پہلے بھی انگریز فوج کو بغیر کسی مزاحمت کے فصیل پر پہنچا چکا تھا۔

سب سے پہلے میر قاسم فصیل پر چڑھا، پھر تھوڑی دیر میں ساری فوج فصیل قلعہ پر پہنچ گئی اور دو حصوں میں تقسیم ہو کر شمال اور جنوب کو چل پڑی۔

Marfat.com

انگریزوں نے فصیل پر چڑھتے ہی اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔ سرنگا پٹم کی فضاؤں نے اس سے پہلے اپنے قلعہ پر کسی غیر ملک کا جھنڈا نہ دیکھا تھا لیکن آج اپنے ہی غداروں کی وجہ سے قلعہ پر انگریزی پرچم لہرادیا گیا تھا۔

جنوبی فصیل کے لیے جو فوج مقرر کی گئی تھی، وہ منصوبہ کے مطابق بنگلوری دروازے کی طرف بڑھی اسے روکنے والا کوئی نہ تھا، اس لیے کہ روکنے والے تو خود جھنڈیاں لہرا لہرا کر حملہ آوروں کی رہبری کر رہے تھے۔

شمالی حصہ میں جانے والی فوج کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ میجر بیٹن ڈیلاس اور میجر آلن برج سے چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچے۔

ادھر لاشوں کا ڈھیر لگا تھا، اس ڈھیر میں ایک شخص میں زندگی کے کچھ آثار نظر آئے۔ ڈیلاس نے فوراً اس پر گولیوں کی بارش کر دی۔

مگر۔۔۔ اچانک اس نے اسے پہچان لیا وہ زور سے چیخا:

''سید صاحب۔ کیا یہ آپ ہیں؟''

میجر ڈیلاس نے اسے ٹھیک پہچانا تھا، وہ واقعی سید میر معین الدین تھا، اس نے سسکتے ہوئے خود اپنی شناخت کرائی:

''ہاں میں سید ہی ہوں۔''

میجر ڈیلاس نے فوراً اس کے منہ سے پانی کی چھاگل لگا دی۔ میر معین الدین کے ہوش ذرا ٹھکانے ہوئے تو اسے اٹھا کر بٹھایا گیا۔

میجر ڈیلاس سے میر معین الدین نے پوچھا:

''آپ نے مجھے کس طرح پہچانا؟''

میجر ڈیلاس کا دھیان فوراً کرناٹک میں اس کانفرنس کی طرف گیا جس میں منگلور بھیجے جانیوالے کمشنروں کے ناموں پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سید میر معین الدین اس کانفرنس میں موجود تھا۔

یہ کانفرنس 1784ء میں ہوئی تھی مگر میر معین الدین کی غداری کا آغاز اس سے بھی پہلے ہو چکا تھا وہ انگریزوں کی تمام اہم میٹنگوں میں حصہ لیتا تھا۔

میجر ڈیلاس نے مسکرا کر جواب دیا:

''سید صاحب۔ میں نے آپ کو کرناٹک کی میٹنگ میں دیکھا تھا۔''

میر معین الدین جواب تو نہ دے سکا، البتہ اس کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ لرز کے رہ گئی۔ وہ چونکہ بڑے اہم اور خاص غداروں میں سے تھا اور انگریزوں کا بے حد پیارا دوست تھا،

Marfat.com

اس لیے اس کے لیے فوراً پالکی منگوائی گئی۔
پالکی آ گئی۔
میر معین الدین کو سہارا دے کر کھڑا کیا گیا مگر اس کے ذہن، دل اور دماغ پر غداری کا اس قدر بوجھ تھا کہ وہ ایمان فروشی کا یہ بوجھ سر پر لیے کھڑا نہ رہ سکا۔
لڑکھڑایا۔
گرا۔
اور گرتے ہی مر گیا۔
قدرت نے اس سے ملک وملت فروشی کا بدلہ لے لیا تھا اور بدلہ بھی اس قدر خوفناک کہ جس قوم کے لیے اس نے اپنے وطن سے غداری کی تھی، اسی قوم کے ایک فرد نے اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔
سلطان ٹیپو اور سلطنت خداداد میسور کا ایک بڑا غدار، سلطنت خداداد کے زوال سے پہلے ہی انگریزوں کے ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا تھا۔
ایک غدار کے لیے یہ موت کس قدر عبرت ناک تھی!
یہ دوپہر کا وقت تھا۔
سلطان کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا، اپنے پرائے جو امراء بھی وہاں موجود تھے سلطان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے۔
سلطان نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ جنوب کی طرف سے واویلا کی آوازیں بلند ہوئیں، سلطان کا لقمے والا ہاتھ نیچے آ گیا۔
سلطان نے حکم دیا:
معلوم کرو یہ کیسا شور ہے؟''
کسی نے جواب دیا:
''سرکار کے وفادار جرنیل سید غفار نے حضور پر جاں نثار کر دی اور اب انگریزی فوج بڑھتی چلی آ رہی ہے۔''
سلطان نے ایک سرد آہ کھینچی اور اس کی زبان سے نکلا:
''مجاہد موت سے نہیں ڈرا کرتے، سید غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا۔''
پھر سلطان نے اپنے امراء اور وزراء پر ایک نظر ڈالی، وہ سب بہت مطمئن اور بے فکر سر جھکائے کھڑے تھے۔

Marfat.com

سلطان نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وزیروں اور امیروں پر ملامت بھری نظر ڈالی اور نفرت سے کہا:

''غدارو، تمہاری غداری کا جو صلہ تمہیں ملے گا وہ ہمیں معلوم ہے، ہندوستان، غیر قوم کی غلامی میں چلا جائے گا، یہاں کی صنعت و معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔

تمہاری غداری، ایمان فروشی اور ملک و ملت سے بے وفائی انگریزوں کے چہروں پر سرخی بن کے چمکے گی۔

تمہیں اس وقت اس نمک حرامی کا احساس ہو گا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں پیاز کی ایک ایک گٹھی کو ترسیں گی۔''

اس کے بعد سلطان نے اپنے گھوڑے طاؤس کو طلب کیا۔

ہاتھ دھوئے ہتھیار سجائے، گلے میں تلوار لٹکائی، ہاتھوں میں دو نالی بندوق پکڑی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

گھوڑا آگے بڑھانے سے پہلے سلطان نے اپنے دغا باز امراء اور وزراء پر ایک نفرت انگیز نظر ڈالی اور اعلان کیا:

''اب ہماری باری ہے۔''

اور۔۔۔ طاؤس اپنے سوار کو لے کر ڈڈی دروازے سے باہر نکلا۔

سلطان کے باہر جاتے ہی نمک حرام امیر و وزیر ادھر ادھر منتشر ہو گئے، غداروں کے سرغنہ میر صادق نے ڈڈی دروازے کو فوراً بند کرا دیا اور حکم دیا:

''خبردار۔ اب یہ دروازہ جو کسی نے کھولا، اب یہ دروازہ کسی کے لیے نہیں کھلے گا خواہ وہ سلطان ہی کیوں نہ ہو، کسی کا کیا بھروسہ، ممکن ہے کوئی ٹیپو سلطان کا نام لے کر دروازہ کھلوانے اور اندر آنے کی کوشش کرے۔''

یہ حکم دے کر میر صادق اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کی سمت روانہ ہو گیا، ڈڈی دروازے کا پہریدار احمد خان، نمک حرام میر صادق کے پیچھے ہو لیا۔

احمد خان نے سن لیا تھا کہ سلطان نے تمام امیروں اور وزیروں کو ''غدار'' کہہ کر مخاطب کیا تھا اور سب کی اچھی طرح خبر لی تھی، اگر اسے کچھ شک بھی تھا تو میر صادق نے ڈڈی دروازہ کو بند کرا کے خود ہی اس شک کو دور کر دیا تھا۔

احمد خان کی نظروں کے سامنے ''میر صادق'' کا بالکل ننگا غدار چہرہ آ گیا تھا۔

اس کا موہوم سا خیال تھا کہ شاید میر صادق، سلطان کے پیچھے میدان جنگ کی طرف جائے

Marfat.com

گا مگر اس نے میر صادق کو محلہ گنجام کی طرف جاتے دیکھا، جہاں اس کا گھر تھا تو وہ گھوڑا تیز کر کے اس کی طرف بڑھا۔

میر صادق اپنے گھر اس لیے جا رہا تھا کہ وہ وہاں انگریزوں کو خوش آمدید کہہ سکے لیکن!

احمد خان گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا:

''ٹھہر جا او غدار۔ اب کہاں جاتا ہے؟''

احمد خاں کی گرجدار آواز سنائی دی تو میر صادق نے پلٹ کر دیکھا۔

احمد خان کو شمشیر بکف دیکھ کر وہ چیخا:

''ہوش میں آ احمد خاں، جانتا ہے میں کون ہوں؟''

احمد خاں نے نفرت سے تھوک دیا:

''کل تک نہیں جانتا تھا مگر آج جان گیا ہوں کہ تیری اصلیت کیا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی احمد خاں کی تلوار چمکی۔

میر صادق نے کمر میں لگا طپنچہ کھینچا کہ احمد خان کو گولی سے اڑا دے مگر احمد خاں کی تلوار نے اسے مہلت نہ دی، وہ برقِ خاطف بن کر میر صادق پر گری اور اس کے سر کو کاٹتی چلی گئی۔

احمد خاں کا وار اس قدر شدید تھا کہ میر صادق کا لاشہ گھوڑے سے زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

میر صادق کا نام غداروں میں پہلا تھا مگر وہ اپنے انجام کو میر معین کے بعد پہنچا۔

O

سلطان اپنے وفادار دوستوں کے ساتھ دہلی دروازے پر پہنچا، انگریزی فوج وہاں پہلے سے موجود تھی، سلطان کو ادھر آتا دیکھ کر اس کے نمک حرام امراء دور کھڑے رومال ہلا ہلا کر انگریز فوجیوں کو سلطان کی نشاندہی کر رہے تھے، گویا وہ اپنی ناپاک زبان سے کہہ رہے ہوں:

''تمہارا شکار جال میں پھنس چکا ہے بچ کے نہ جانے پائے۔''

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ سلطان کو اپنی وفاداری کا فریب دے کر ان امیروں نے مکار انگریز کے جال میں پھنسا دیا تھا، اس طرح یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس وقت سلطان کی مثال ایک ایسے شیر کی تھی جو گیدڑوں کے نرغے میں آ گیا ہو۔

انگریزوں نے امیروں کا اشارہ پا کر اپنا سارا زور ادھر ہی لگا دیا، سلطان پر جب زیادہ دباؤ پڑا تو وہ واپس ہو کر ڈڈی دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

مگر۔۔۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔۔۔ نمک حرام میر صادق یہ دروازہ

Marfat.com

اپنی موت سے پہلے بند کرا گیا تھا۔

دروازے پر دستک دی گئی تو اندر سے کسی ایمان فروش نے جواب دیا:

''یہ دروازہ اب نہیں کھل سکتا، سلطان سے کہو کہ وہ خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیں۔''

سلطان غداروں کی اس حرکت پر دانت پیستا ہوا حرم سرا کی طرف بڑھا جس کے گرد اس نے اس لیے بارود بچھوا دیا تھا کہ آخری وقت میں اسے اڑا دیا جا سکے۔ اب سلطان اسی خیال سے اس طرف جانا چاہتا تھا۔ لیکن اسے راستہ نہ مل رہا تھا۔

ادھر جب خواتین حرم نے سلطان کو دشمنوں سے بے یار و مددگار لڑتے ہوئے دیکھا تو وہ شرم و حیا کا پردہ چاک کر کے دیوانہ وار باہر نکل آئیں اور سلطان پر پروانہ وار نثار ہونے لگیں۔ اس طرح اس آخری وقت میں حرم سلطانی کی وہ پردہ نشین خواتین جن کی آواز تک کسی غیر مرد کے کانوں میں نہ پہنچی تھی، وہ ملک و ملت اور پاسبان ملت کی خاطر اپنی جانیں دینے کے لیے میدان کارزار میں آ گئی تھیں۔

جب سلطان شہر کے بڑے دروازے پر پہنچا تو اس وقت انگریز فوج مشرقی فصیل سے بھی اندر داخل ہو چکی تھی۔ اسے اندر آنے کے لے بلا مزاحمت راستہ دیدیا گیا تھا۔

مشرق، مغرب اور جنوب، تینوں اطراف میں انگریزی فوج آ گئی تھی اور سلطان اس وقت تین اطراف سے گھیر گیا تھا، اس نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح بڑے دروازے سے باہر نکل جائے مگر وہاں بڑا ہجوم تھا۔

سلطان بندوق چلاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اسی وقت ایک گولی اس کے شانہ پر آ کر لگی اور دوسری گولی اس کے وفادار گھوڑے طاؤس نے کھائی مگر طاؤس ایک ہلکا سا جھٹکا کھا کر سنبھلا اور اس نے اپنے سوار کو گرنے نہ دیا۔

اس وقت سلطان کے محافظ خاص راجہ خان نے کہا:

''حضور اب مقابلے کا وقت نہیں رہا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ خود کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں۔''

سلطان نے ایک قہر آلود نظر راجہ خان پر ڈالی اور غصے سے کہا:

''کیا کہہ رہے ہو تم دیوانے تو نہیں ہو گئے خبردار جو ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔ یاد رکھو کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔''

طاؤس زخمی ہو چکا تھا۔

راجہ خاں نے سلطان کو گھوڑے پر سے اترنے میں سہارا دیا لیکن وہ وزن برداشت نہ کر سکا اور دونوں ایک ساتھ زمین پر آ رہے۔

Marfat.com

سلطان کے جاں نثار جو چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے تھے، انہوں نے سلطان کو گرتے دیکھا تو چند جاں نثار گھوڑوں سے کود کر سلطان کے پاس پہنچے اور اسے ایک پالکی میں لٹا دیا، اس وقت تک انگریزی فوج چاروں طرف پھیل چکی تھی۔

اس دوران ایک انگریز سپاہی کی نظر سلطان کی تلوار اور پیٹی پر پڑی، اس نے ان چیزوں پر قبضہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، سلطان اس حقیر انگریز کی اس جسارت پر غضب ناک ہو گیا اور تلوار لے کر اس پر جھپٹا اس انگریز نے اپنی بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی، سلطان لڑ کھڑا کر گر پڑا۔

سلطان کے جسم کو دشمنوں کی چار گولیاں داغدار کر چکی تھیں اور مادر وطن کے اس عظیم فرزند اور آزادی ہندوستان کے جیالے سپاہی کا خون سرنگا پٹم کی سرزمین پر ناموس وطن کے ایسے گل بوٹے بنا رہا تھا جس کی سرخی وقت کے ساتھ ساتھ اور نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔

سلطان کی زندگی کا دیا ٹمٹما رہا تھا۔

اپنوں کی بے وفائی اور غداری و ایمان فروشی دیکھ کر سورج شرمساری سے مغرب میں منہ چھپانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

4 مئی 1799ء بمطابق 28 ذیقعد 1213 ہجری کی شام ہو رہی تھی۔

سلطان کی زبان خشک ہو گئی تھی، اس نے اپنے محافظ راجہ خان کی طرف دیکھ کے بڑی مشکل سے کہا:

"پانی...... ایک گھونٹ پانی دو......"

مگر ـ ـ ـ ـ

عمر بھر سلطان کا نمک کھانے والا یہ نمک حرام اس وقت جیسے بہرہ اور گونگا بن گیا اور اس نے عالم نزع میں مبتلا سلطان کے حلق میں پانی کے چند قطرے ٹپکانے کے بجائے اس کی طرف سے منہ گھما لیا۔

پھر عین اس وقت جب شفق کی سرخی میں آفتاب کا خونچکاں چہرہ ڈوب رہا تھا۔ سلطان کے محافظ راجہ خاں کے اشارے پر ایک گولی اور چلی۔

اور ـ ـ ـ

سلطان کے دل میں پیوست ہو گی۔

یہ آخری گولی اپنا کام کر گئی ـ ـ

آہ ـ ـ ـ سلطنت خداداد کا نیر اعظم، ملک و ملت کا رکھوالا، حریت کا علمبردار، آزادی کا

Marfat.com

نقیب، آزادیِ ہند کا آخری سہارا اور ملتِ اسلامی کے ترکش کا آخری تیر اپنے ہی امیروں وزیروں اور منصب داروں کی غداری کا شکار ہو کر تشنہ لب، اپنے ہی خون میں نہا کر شہید ہو گیا۔

ان اللہ وانا الیہ راجعون

ایک اور مؤرخ نے آخری دوپہر اور شام کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اس جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں، بیٹھ کے خاصہ طلب کیا، ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا کہ دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو سلطان پر نثار کیا۔ سلطان نے اس نوالہ کو اسی طرح چھوڑ کے دستر خوان سے ہاتھ اٹھایا۔'' عام طور پر مشہور ہے کہ سلطان نے ان امراء وزراء پر جو وہاں موجود تھے، نظر ڈالتے ہوئے کہا:

''اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گٹھی کو ترسیں گی۔''

یہ کہہ کر سلطان نے اپنی تلوار پر تلے (غلاف) میں ڈالی دونالی بندوق ہاتھ میں پکڑی اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت سلطان نیمرنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سید غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا مگر سپاہ مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوئی تھی۔ پورینا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے سپاہ آ کر اپنی تنخواہ لے جائے اور در پردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریز سپاہ کو چڑھ آنے کے لیے اشارہ کیا جائے۔

حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کے لیے مسجد اعلیٰ کے پاس چلے گئے اور ادھر انگریزی فوج کو سفید نشان اڑا کر (جس کا پہلے سے سمجھوتہ ہو چکا تھا) خبر دے دی گئی کہ میدان خالی ہے، آ جاؤ، چنانچہ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ فصیل پر چڑھ کے قلعہ میں داخل ہو گئی۔''

جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''دوپہر کا وقت تھا جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو جنرل بیرڈ اپنی فوج کو لے کر خندقوں سے نکلا اور دریا پار کر کے فصیل قلعہ پر چڑھنا۔ انگریز فوج میں جو شخص سب سے اول تھا وہ جنرل بیرڈ تھا مگر اس کی رہنمائی کے لیے ایک اور شخص

Marfat.com

بھی اس سے آگے آگے تھا اور وہ میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی پہلے چڑھا تھا۔"

○

سلطان ڈڈی دروازے سے نکل کر اپنے باڈی گارڈ (محافظ) دستے کے ساتھ علم تمہری کی طرف چلا۔ اس کی خبر نمک حرام وزراء نے فوراً انگریز فوج کو پہنچا دی۔

اس واقعہ کے سلسلے میں ایک دستاویزی ثبوت وہ تصویر ہے جو دریا دولت (ایک محل) میں اب بھی موجود ہے جس میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ میر صادق، سلطان کے سامنے کھڑا آداب پیش کر رہا ہے اور پیچھے مڑ کر انگریز فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے۔

سلطان کا دہلی دروازے کے قریب انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا جو قلعہ کی فصیل پر آ رہی تھی۔ سلطان اور اس کے محافظ دستہ نے انگریز فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔

اس جگہ جو جنگ ہو رہی تھی، اس میں بندوقوں کے ساتھ تلواریں بھی چل رہی تھیں۔ اگر جنوبی فصیل پر سے پورینا فوج نہ ہٹا لیتا تو اس فصیل پر بھی دشمن کی یلغار کو روک لیا جاتا۔

سلطان نے تین گھنٹوں تک انگریزوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکے رکھا لیکن اس وقت جو فوج پورینا اور میر معین الدین کی غداری سے جنوبی فصیل اور مشرقی دروازے پر قابض ہو چکی تھی وہ اندرونی فصیل سے ہو کر جنوب میں آ گئی تھی اور وہاں سے گولیاں چلا رہی تھی، اس سے مجبور ہو کر سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

جب سلطان پسپا ہو کر ڈڈی دروازے پر پہنچا تو اسے بند پایا کیونکہ سلطان کے دروازے سے نکلتے ہی نمک حرام میر صادق نے یہ دروازہ بند کرا دیا تھا۔

سلطان اور آگے بڑھ گیا۔

انگریز فوج اندرونی فصیل پر سے برابر گولیاں برسا رہی تھی لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتا ہوا پیچھے ہٹتا رہا اور عین اس وقت جب سلطان شہر کے دروازے کے قریب پہنچا تو اس کی پشت پر سے یعنی جنوب مشرق سمت سے انگریز فوج نے ہلہ بول دیا جس کی وجہ سے سلطان تین اطراف سے معہ اپنے جاں نثاروں کے دشمنوں میں گھر گیا۔

اس وقت سلطان کے ایک افسر نے کہا:

"حضور۔ اپنے آپ کو انگریز فوج پر ظاہر کر دیجیے۔"

سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا:

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔"

Marfat.com

انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچ ہزار آدمی مارے گئے لیکن کتاب الاعراض میں تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے، تاہم وہ بھی درست نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ ان جاں نثارانِ وطن میں جو سلطان کے ساتھ شہید ہوئے ان میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔

کانسٹنس اپنی کتاب ''سرنگاپٹم'' کے صفحہ 86 پر رقم طراز ہے:

''سلطان ٹیپو کی لاش کے قریب بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جن کے لباس اور وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حرم سلطانی ہیں۔''

انیسن جان کنگ جو لاشوں کو اٹھانے پر مامور تھا، لکھتا ہے:

''عورتوں کی لاشوں میں ایک خوب صورت برہمن لڑکی کی لاش بھی ملی تھی۔''

کرنل کرک پیٹرک نے لکھا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا۔''

اس تحریر سے اس گمان کو تقویت ملتی ہے کہ سلطان نے دوسرے مسلم بادشاہوں کی طرح اپنے محلات میں مسلح عورتوں کے دستے بھی قائم کیے تھے جو زمانہ امن میں محلات کے انتظامات میں مصروف رہتیں اور زمانہ جنگ میں باقاعدہ فوجیوں کی طرح جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔

ایک اور انگریز افسر نے لکھا ہے:

''لاشوں میں کئی عورتوں کی لاشیں بھی تھیں جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں۔'' (سرنگاپٹم از پارسنس)

مقامی روایت ہے کہ:

''حرم سلطانی کی پردہ نشین عفاف اس آخری وقت میں آبروئے وطن وملت کی خاطر اپنی جان دینے کی خاطر مسلح ہو کر میدان جنگ میں آ گئی تھیں۔''

میجر ڈیلاس مشرقی دروازے تک پہنچ چکا تھا، اس نے محل کے اندر جھانک کر دیکھا، وہاں بہت سے لوگ دو تومند آدمیوں کے سامنے باادب بیٹھے تھے۔ اسے خیال ہوا کہ سلطان ابھی تک محل میں موجود ہے۔ اس پر میجر آلن کو ایک دستے کے ساتھ محل کے اندر بھیجا گیا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ اگر سلطان خود کو بغیر کسی مقابلہ کے حوالے کر دے تو اس کی جان کی حفاظت کی جائے گی۔

میجر آلن سفید علم اٹھائے قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔ قلعہ دار (ارمیر ندیم اس کے قریب آیا اور جان کی امان طلب کی۔ امان ملنے پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ (یہ دراصل محل کا دروازہ تھا)

Marfat.com

میجر آلن اندر داخل ہوا، وہاں سلطان کی مسلح فوج موجود تھی۔

میجر آلن نے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر اپنی تلوار قلعہ دار کے سپرد کر دی، سپاہیوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ سلطان محل میں موجود ہے چنانچہ اس نے محل میں داخل ہونے کی اجازت مانگی، تھوڑی دیر بعد اسے اندر بلا لیا گیا۔

وہاں سلطان کے دو شہزادے بیٹھے تھے۔

آلن نے معز الدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''سلطان کی جان کی سلامتی کی ضمانت صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے اگر وہ بلا مزاحمت خود کو حوالے کر دیں۔''

شہزادے نے واضح الفاظ میں بتایا:

''سلطان محل میں نہیں ہیں۔''

میجر آلن کو یقین نہ آیا، اس نے حکم دیا:

''محل کے تمام بند دروازے کھول دیے جائیں تاکہ تلاشی لی جاسکے۔''

شہزادہ معز الدین نے میجر سے درخواست کی:

میجر آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی مگر ناموس حرم کی خاطر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔''

میجر نے اس بات کا وعدہ کیا۔

محل کے تمام دروازے کھل گئے۔ اچھی طرح تلاشی لی گئی مگر سلطان وہاں ہوتا تو ملتا۔

جنرل بیرڈ اس وقت تک باہر کھڑا تھا کسی دشمن نے اسے اطلاع دی کہ قلعہ میں قید تمام انگریزوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔

یہ سنتے ہی جنرل بیرڈ غصہ سے پاگل ہو گیا، اس نے حکم دیا:

''تمام شہزادوں کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔''

چنانچہ شہزادے اس طرح جنرل کے سامنے لائے گئے جیسے جانور ہنکا کے لائے جاتے ہیں۔ جنرل بیرڈ شہزادوں کو دیکھتے ہی چیخا۔

''بتاؤ! سلطان کہاں چھپا بیٹھا ہے؟ ورنہ تم سب کو قتل کر دیا جائے گا۔''

تمام شہزادے، بالکل پرسکون تھے جیسے کسی نے ان پر سحر کر دیا ہو، دراصل شدت غم نے ان پر سکوت طاری کر دیا تھا۔ ان پر بیرڈ کے غصہ کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شہزادہ معز الدین نے بڑی مستقل مزاجی سے جواب دیا:

Marfat.com

''محل کے تمام دروازے کھلے پڑے ہیں، چپہ چپہ کی تلاشی لی جا چکی ہے، ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سلطان محل میں موجود نہیں ہیں اور نہ ہمیں یہ علم ہے کہ وہ کہاں ہیں۔''

جنرل بیرڈ نے بے یقینی سے کہا۔

''خوب سوچ لو۔ اگر سلطان محل سے پکڑا گیا تو تم لوگوں کی خیر نہیں۔''

شہزادے نے اسی استقلال سے جواب دیا۔

''جنرل، سب کچھ مٹ گیا ہے، لٹ گیا ہے چھن گیا ہے اب کیا باقی بچا ہے جس کی ہم خیر منائیں، اس وقت اختیار اور اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے، تم جو چاہو سو کر سکتے ہو۔''

جنرل بیرڈ نے دوسرا پینترا بدلا۔

''اچھا۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ انگریز قیدیوں کے قتل کا حکم کس نے دیا؟''

شہزادے نے متانت سے کہا۔

''ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں لیکن۔۔۔ یہ یقین ضرور ہے کہ اگر انگریز، سلطان کی قید میں تھے تو سلطان ان کے قتل کا حکم کسی صورت نہیں دے سکتے تھے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ سلطان کے کسی دشمن نے انہیں قتل کرا کے الزام سلطان کے سر تھوپ دیا ہو۔''

جنرل بیرڈ، شہزادے کی متانت اور اس سے زیادہ ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔ اس نے کیپٹن میریٹ کو حکم دیا۔

''شہزادوں کو اپنی حراست میں انگریزی کیمپ میں پہنچا دو۔''

اس طرح سلطان شہید ہوا۔

اور۔۔۔

اس کے لخت جگر ایک بار پھر انگریزوں کی قید میں پہنچ گئے۔

OOO

Marfat.com

●

شام کا اندھیرا رات کی سیاہی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

سلطان کا اب تک کسی کو کوئی پتہ نہ چلا تھا۔ انگریزوں کو تو یقین ہو گیا تھا کہ سلطان اب زندہ نہیں مگر اس کی لاش کہاں ہے؟ اس کی تلاش تیزی سے جاری تھی۔

جنرل بیرڈ خود تلاش کے لیے تیار ہوا، اس نے مشعلیں منگوائیں اور سب لوگ اس دروازے پر پہنچے جہاں دوپہر سے شام سات بجے تک خونریز جنگ ہوئی تھی۔

اس چھوٹی سی جگہ میں بے شمار لاشیں پڑی تھیں جن کی تمیز کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

آلن اور ولزلی نے دروازے کے قریب سلطان کی پالکی پڑی دیکھی۔ پالکی کے قریب ہی لاشوں کے ڈھیر میں ایک شخص دکھائی دیا جس کے جسم میں حرکت تھی۔

یہ لوگ سمجھے کہ وہی سلطان ہے۔ آلن اور ولزلی نے گھبرا کر اپنے ہتھیار سنبھال لیے اور گولی چلانے کا قصد کیا۔

اسی وقت اس سسکتے جسم نے گھٹی گھٹی آواز میں التجا کی:

''خدا کے لیے مجھے نہ مارو، میں سلطان نہیں ہوں۔''

اور اس زخمی نے ان دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''پھر تم کون ہو، جلدی اپنی شناخت کراؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا، کرنل ولزلی نے زور سے چیخ کے کہا۔

''میں سلطان کا محافظ راجہ خان ہوں۔'' زخمی گھگھیایا۔

''سلطان کہاں ہے؟'' آلن اور ولزلی نے ایک ساتھ سوال کیا۔

زخمی نے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کیا:

''سلطان ادھر ہے۔ مجھے نہ مارو۔''

ولزلی نے گھبرا کر پوچھا۔

''کیا سلطان زندہ ہے؟''

''نہیں۔'' راجہ خان بولا:

Marfat.com

''وہ دیر ہوئی مر چکا ہے۔''

ولز لی اور آلن نے اطمینان کا سانس لیا، پھر وہ اس ڈھیر پر گئے۔ آخر سلطان کی لاش کو تلاش کرلیا گیا۔

سلطان کا جسد خاکی کئی لاشوں کے درمیان دبا ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سلطان کے جانثاروں نے آخر وقت تک اس کی حفاظت کی ہے۔

ولز لی نے جھک کے دیکھا، سلطان کی آنکھیں کھلی تھیں، اس نے جسم ٹٹولا تو وہ گرم تھا۔ اسے شبہ ہوا کہ سلطان زندہ ہے۔ ولز لی نے گھبرا کر سلطان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

نبض ساکت تھی۔

اس کا شک دور ہو گیا۔

سلطان کے جسم میں چار گولیاں پیوست ہوئی تھیں اور چاروں زخم نظر آ رہے تھے۔ ایک گولی کا نشان اس کے دائیں کان پر تھا۔

سلطان کے جسم پر سفید لیلن کی قمیض اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ تھا، سرخ رنگ کا ایک ریشمی اور دوسرا سوتی کپڑا اس کی کمر کے گرد بندھا تھا، سرخ اطلس کی ایک پیٹی کاندھوں پر پڑی تھی۔

سلطان کا سر ننگا تھا، شاید گھوڑے سے اترتے وقت اس کا عمامہ کہیں گر گیا تھا، اس کے سیدھے بازو پر ایک تعویذ بندھا تھا۔

سلطان شہید کو پالکی میں ڈال کر محل میں لایا گیا۔

سلطان کا لاشہ دیکھتے ہی محل میں کہرام مچ گیا۔ سوگواروں نے چیخیں مار مار کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ خواتین نے اپنے بال نوچ ڈالے اور در و دیوار سے ٹکریں مارنے لگیں۔ تمام رات محل میں قیامت صغریٰ برپا رہی۔

اسی رات انگریزی فوج صبح تک عوام و خواص کو لوٹتی رہی اور اپنی شرافت و تہذیب کا ثبوت دیتی رہی۔

O

سلطان کی تجہیز و تکفین کا کام قاضی شہر کے سپرد کیا گیا۔

دوسرے دن سلطان شہید کو غسل دے کر مکہ معظمہ سے لایا ہوا کفن پہنایا گیا۔ شام چار بجے جنازہ تیار ہوا۔

محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ تھے۔ جنازہ محل سے برآمد ہوا، راستے کے دونوں

Marfat.com

طرف انگریزی فوج صف بستہ تھی۔

یہ وہی فوج تھی جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی اور گزشتہ تمام رات عوام اور خواص کو بے تحاشہ لوٹتی رہی تھی۔

جنازے کے آگے چار کمپنیاں چل رہی تھیں۔ جنازے کے ہمراہ ''اعیان سلطنت، امرا، وازرا، اور معززین شہر کے علاوہ عوام کی کثیر تعداد دھاڑیں مارتی چل رہی تھی۔

سب سے پیچھے گھوڑے پر سوار شہزادہ عبدالخالق تھا، وہ سر برہنہ تھا۔

جنازے کا جلوس آہستہ آہستہ قلعہ سے نکل کر شہر کی سڑک پر آ گیا، سوگواروں کی تعداد دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔ ان میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ خواتین سروں پر مٹی ڈال کر دھاڑیں مار رہی تھیں۔ عوام کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا، ہر ایک اپنے محبوب سلطان کے غم میں ماتم کناں تھا۔

جنازہ جس وقت مقبرے تک پہنچا تو سوگواروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔

اس دن سرنگا پٹم کی فضا بھی سوگوار تھی، آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے، مگر ہوا نام کو بھی نہیں تھی۔ ایک پتہ بھی نہ ہل رہا تھا، ایک عجیب سا حبس تھا۔

ہر شخص سہما ہوا تھا، جیسے ہر ایک کو کسی نامعلوم خوف نے گھیر لیا ہو۔ لوگ آسمان کی طرف دیکھتے اور گھبرا کر سر جھکا لیتے تھے، نامعلوم آسمانوں میں کیا ہو رہا تھا، شاید اہل آسمان بھی گریہ کناں تھے اور اپنے مغموم چہروں کے ساتھ جھک جھک کر سلطان کی میت کو دیکھ رہے تھے۔

سلطان کا جنازہ لال باغ پہنچا تو یکا یک قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹنا شروع ہوئیں اور ادھر جنازے میں شریک لوگوں نے غم آلود دھاڑیں مارنا شروع کیں۔

کئی لاکھ سوگواروں کے رونے، ماتم کرنے اور دھاڑیں مارنے سے اس قدر شور بلند ہوا کہ اس میں توپوں کی آواز دب کر رہ گئی۔

پھر ایسا ہوا کہ آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ایک ساتھ گرجنا شروع کیا۔

فضا کی عبرت ناک سنجیدگی میں دہشت پیدا ہو گئی اور ہر شخص کا چہرہ یوں دھواں دھواں ہو گیا جیسے وہ سب اپنے اپنے گھر سے اپنے کسی عزیز کے جنازے کو کاندھا دیتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہوں۔

بادلوں کی گرج ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر بجلی بھی تڑپنے لگی، جیسے وہ بھی سلطان کے غم میں شامل ہو گئی ہو۔

Marfat.com

بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک نے فضا کو بڑا خوفناک بنا دیا تھا۔ جنازے میں شریک انگریز افسر اور سپاہی گھبرا گئے، ان کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔

صاحب تاریخ خداداد (میسور) سلطان کی تدفین کے بیان میں اس طرح رقم طراز ہے:

''جنرل ہارس کے حکم سے صبح کو تمام شہزادوں اور ندیموں کو سلطان کا دیدار کرا کے ان کی تجہیز اور تدفین کا حکم دیا گیا۔

جنازہ نہایت احترام اور وقار کے ساتھ 28 ذیقعد 1213 ہجری بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا، تمام شہزادے، سردار اور عہدیدار شریک تھے۔

نواب حیدر علی خان کے مقبرہ پر جسے گنبد کہتے ہیں، جنازہ ٹھہرایا گیا، قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بارہ ہزار روپے فقراء کو دیئے گئے اور اس پیکر جلال کو اس کے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر رہا کہ جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ لاش پر آیا اور فرط خوشی سے پکار اٹھا:

''آج ہندوستان ہمارا ہے''

سلطان کی موت دراصل اسلامی جاہ و جلال اور اسلامی شان و شوکت کی موت تھی۔ ہندوستان کی آزادی کی موت تھی۔ ہندوستان کی غیرت و خودداری کی موت تھی۔

سلطان ایک پڑھا لکھا انسان تھا۔ اس کی نظروں میں بڑے بڑے مجاہد مسلمان سرداروں علماء، فضلا، محدثوں، مفسروں اور اماموں کی سرفروشانہ موت تھی، ان لوگوں کی موت تھی جو باطل کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑے ہوئے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک جبروت کے تیشوں نے ان کے سر پاش پاش نہ کیے۔ ان کی گردنیں قلم نہ کیں۔

یہ ہندوستان کے اس سپوت کی موت تھی جس پر دنیا والے تو الگ رہے، آسمان بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکا۔

روایت ہے کہ دفعتاً ایک طوفان اٹھا۔ بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو ہلا کر رکھ دیا، تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری، خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ، محلسرا اور مسجد اعلیٰ بجلی کی لپیٹ میں آئے۔

دریائے کاویری پایاب تھا، اس میں یکایک بڑے زوروں کی طغیانی آ گئی۔

ایک ایسا ہیبت ناک اور عبرتناک سماں چھا گیا کہ جیسے زمین پر زبردست مصیبت آ گئی ہو اور جس پر آسمان بھی غم کر رہا ہو اور برق و باراس کے شریک غم ہوں۔''

Marfat.com

اس زمانہ میں ایسی باتوں پر کچھ زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی بلکہ بے اعتنائی برتی جاتی تھی مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ہر تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور اس کا بین ثبوت دیتی ہے یہ بات نہیں کہ اس طرح کے واقعات صرف اسلامی تاریخوں میں لکھے گئے ہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس کا ثبوت دے رہی ہیں۔

لوئیس رئیس اپنی کتاب میں اور بورنگ، حیاتِ ٹیپو میں لکھتا ہے:

''اس وقت ایک طرف تو قلعہ سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی گرج نہایت خوفناک تھی جس سے اس واقعہ کی سنجیدگی اور دوبالا ہو گئی تھی۔''

سرنگا پٹم کے بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ ان کی زندگی میں اتنا زبردست طوفان پہلے نہ آیا تھا جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا، اتنی بجلیاں گریں جن کا حساب نہیں، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شہر پر کوئی خوفناک مصیبت آ گئی ہے اور در و بام لرزہ براندام تھے۔ دریا کی طغیانی اس جوش و خروش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور سب کو اس بات کی حسرت تھی کہ یہ طوفان ایک دن پہلے کیوں نہ آیا کہ حملہ نہ ہو سکتا۔

جنرل میڈوز ٹیلر اپنی کتاب میں بیان کرتا ہے:

''رات ختم ہو گئی، صبح ہوئی۔ تمام رات شہر پر خوف و ہراس چھایا رہا، ہر جگہ بندوقوں کی آوازیں، مجروحین کی چیخیں اور ستم رسیدوں کی آہ و فغاں کی آوازیں آتی رہیں، رات بھر شہر میں لوٹ مار اور غارت گری ہوتی رہی، دن گرم تھا، ہوا بند تھی، کہیں ایک پتہ نہ ہلتا تھا۔

تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکل کر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں۔

خطیب کی آواز بہت زوردار تھی، جیسے ہی اس کی زبان سے تکبیر کہنے کے لیے لفظ ''اللہ'' نکلا تو یوں معلوم ہو جیسے آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے۔

ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی اور ایک روشنی کے زوردار جھماکے سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا اور یہ معلوم ہوا جیسے خطیب کی زبان سے ''اللہ'' کے بعد کوئی لفظ نکلا ہی نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔

لاش کو اس کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا، جونہی لاش رکھ کے۔ ''السلام علیکم و

Marfat.com

رحمتہ اللہ'' کہا گیا تو پھر ایک بار بجلی کڑکی، ایسی زبردست روشنی ہوئی کہ آنکھیں خیزہ ہوگئیں اور جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ لوگ کیا کہہ رہے تھے اور کیا ہو رہا تھا! اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہوگیا، ابھی تک بارش کا ایک قطرہ زمین پر نہ گرا تھا۔ کالی گھٹائیں لہرا رہی تھی جیسے ابھی زمین پر اتر آئے گی۔

اس وقت یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ انسانی طاقت قدرت کے آگے کتنی حقیر ہے۔

دراصل آفرینندہ خلق (خلاقِ عالم) کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔

ادھر بندوقیں چھوٹیں، ادھر آسمان سے ہزارہا توپیں چھوٹنا شروع ہوگئیں جن کی آواز میں بندوقوں کی آواز دب کر رہ گئی۔

فائر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا، معلوم نہیں وہ کیسا تھا اور کس قسم کا تھا، آسمانی گرج، زمین کے بینڈ کا منہ چڑا رہی تھی۔

میر عالم چند حیدرآبادی افسروں کے ساتھ مقبرے کے پاس آ کر ملا، گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی کیمپ پر بجلی گری جس سے دو افسر اور کچھ سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے۔''

O

سلطان کے شہید ہوتے ہی ایک قہر تھا جو سرنگا پٹم پر ٹوٹ پڑا، تقریباً بارہ ہزار شہیدان وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کر چکے تھے۔

ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی۔ ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا۔

قمری ماہ کی آخری تاریخ تھی، گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس اندھیرے کو جلتے مکانات کے شعلے زخمیوں کی چیخ و پکار اور بے بس عورتوں کے نالہ و فریاد نے اور بھیانک بنا دیا تھا۔

ان شعلوں میں جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے انسانیت کی روح بھی کانپ رہی تھی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے قتل عام سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا بھر کی بلائیں سرنگا پٹم پر ٹوٹ پڑی ہیں۔

میجر آلن اپنی یادداشتوں میں اس رات کا حال اس طرح لکھتا ہے:

''جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا، وہ ذرا آرام کرنے کے لیے محل کے

Marfat.com

برآمدے میں لیٹ گیا۔

ابھی اس کی آنکھ بھی نہ لگی تھی کہ لوگوں نے اسے جگا دیا اور بتایا کہ شہر میں کئی مقامات پر آگ لگی ہوئی ہے اور ہر جگہ لوٹ مار ہو رہی ہے، اس نے دو ایک جگہ سپاہیوں کو لوٹ مار سے روکنا چاہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔

قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنی پلٹنوں میں واپس نہیں گئے بلکہ شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کرنے لگے۔

فوج کے وہ سپاہی جو بار برداری کے کاموں پر مامور تھے، وہ کیمپوں سے نکل کر شہر میں آ گئے اور لوٹ مار میں شامل ہو گئے۔

جگہ جگہ لوگوں کو پکڑ کے پیٹا جا رہا تھا کہ وہ اپنی پوشیدہ دولت کا پتہ بتائیں۔

عورتیں مکانات چھوڑ کر گلیوں میں آ کر کھڑی ہو گئی تھیں تا کہ اپنی عصمت کی حفاظت کر سکیں۔

چند ہی گھنٹوں میں سونے اور جواہرات کے ڈھیر لوٹنے والوں کے ہاتھوں میں تھے۔ بڑے بڑے سرداروں اور اشراف کے مکانوں کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

سلطانی خزانہ جہاں بے حساب دولت تھی وہاں پہرہ لگا تھا لیکن کچھ لوگ خفیہ راستوں سے خزانے تک پہنچ گئے اور انہوں نے جواہرات سے اپنی جیبیں بھر لی تھیں۔

عجیب بات یہ تھی کہ لوگ مال لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں بھر رہے تھے اور چیخ چیخ کے لوگوں کو منع کرتے جاتے تھے۔"

(ماڈرن میسور)

یہ واقعات تو انگریزوں کے چشم دید ہیں۔ ان سے قطع نظر اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ان واقعات کو لکھ سکے۔

کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی، اس کا نتیجہ انہوں نے سلطان کی شہادت کے چند ہی گھنٹوں بعد دیکھ لیا۔

یہ ایک فوری خدائی انتقام تھا جو غداروں سے لیا گیا، ان کا مال، گھر بار، ذات و وقار یہاں تک کہ ان کی عورتوں کی ناموس بھی غداری کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔

صبح کو جب جنرل ہارس کو رات کے واقعات کا علم ہوا تو اس نے جنرل بیرڈ کی جگہ کرنل ولز

Marfat.com

لی کو مامور کیا اور بڑے بڑے لوگوں کے گھروں پہ پہرہ لگا دیا لیکن شہر میں قتل و غارت کا بازار پھر بھی گرم رہا، کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہ رہا۔

آخر تنگ آ کر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا:

''سرنگا پٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم و ستم کیا گیا ہے کہ اس کے آگے سلطان کے مفروضہ مظالم کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور یہ مظالم کرنے والے سب انگریز سپاہی تھے۔''

اس نے مزید لکھا:

''انگریز حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیجا جائے اور اسے میرے حکم کے تابع رکھا جائے۔

جب تک لوٹ مار کرنے والوں میں سے چند لوگوں کو پھانسی نہیں دی جائے گی، اس وقت تک لوٹ مار روکنا محال ہے۔

اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور جنرل اسٹوارٹ شہر میں ہیں، اس لیے زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے۔

جب تک ہم مؤثر ذرائع اختیار نہ کریں گے، لوگ اپنے گھروں کو واپس نہ جائیں گے۔''

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی لارڈ ولزلی، گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی کو سرنگا پٹم کے عوام پہ انگریزوں کے ہاتھوں ہونے والے ظلم کی داستان ان الفاظ میں لکھی تھی:

''4 مئی 1799ء کی شب سرنگا پٹم پر جو مصیبت آئی، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل ہی سے کوئی ایسا گھر ہوگا جو لوٹ سے بچا ہوگا۔ ہمارے کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیاء بہت سستے داموں بیچ رہے ہیں یا انہیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں، ایک ایک بیش قیمت موتی ایک پیالہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے۔

ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خریدے جن میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک جو دوسرے سے کم قیمت کا بتایا جاتا ہے، اس کو حیدر آباد کے ایک جوہری نے تیس ہزار پونڈ کا بتلایا ہے اور دوسرے کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس قدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود ہمارے افسر اور سپاہی ان املاک اور

Marfat.com

خزانے کو بھی لوٹنا چاہتے ہیں جو محل سے دستیاب ہوا ہے۔ فوج کا ہر شخص حتیٰ کہ جنرل ہارس تک اس کے لیے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جسے اب اور کوئی کام نہیں ہے، قابو سے بالکل باہر ہو رہی ہے۔"

کرنل ولزلی مال غنیمت کے بارے میں اپنے بھائی کو اس طرح لکھتا ہے:

"مال غنیمت کی تقسیم کے لیے جو ایجنٹ مقرر ہوئے ہیں وہ جونکوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ انہوں نے محل کے دروازے، سلطان کے لباس اور دوسرے کپڑوں تک کو فروخت کر دیا ہے اور ابھی ان کے پاس سلطان کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔"

یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے اور وہ انہیں پہنا کرتا تھا، اگر ان کپڑوں کی فروخت کو نہ رکا گیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ یہاں کے لوگ جو ہمارے قبضہ سے بیزار ہیں، سلطان کے ان کپڑوں کو بطور نشانی اور تبرک خرید لیں گے اور یہ بات ہمارے لیے بڑی شرمناک ہے۔

اس لیے میری رائے ہے کہ ان کپڑوں کو خود گورنمنٹ خرید لے اور انہیں شہزادوں کے حوالے کر دے یا جس طرح مناسب سمجھے وہ کرے۔"

پرائز کمیٹی یعنی وہ لوگ جو مال غنیمت کی تقسیم پر مامور تھے، انہوں نے یہاں تک چیرہ دستی کی کہ محل کے زنان خانے کی بھی تلاشی لی کہ کہیں وہاں مال و زر چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔

اس کی خبر جب گورنر جنرل لارڈ ولزلی تک پہنچی تو اس نے پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا اور انہیں ایک سخت خط بھیجا۔

"زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں انہیں تلاشی سے پہلے محل کے دوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔"

گورنر جنرل کو دیئے جانے والے اس جواب سے پرائز کمیٹی کی خودسری کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

OOO

Marfat.com

●

جس وقت جنرل ہارس کو سلطان ٹیپو کی شہادت کی خبر ملی تو وہ فرط مسرت سے چیخ اٹھا:

''آج ہندوستان ہمارا ہے۔''

کلکتہ کے چیف جسٹس سر جان تھروٹر نے اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''سلطان ٹیپو کی طاقت ہی ہمارے راستے کی سد راہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان پر ہمارا قبضہ ہمیشہ کے لیے ہو گیا۔''

لارڈ ولزلی، گورنر جنرل ہندوستان کو سلطان کی شہادت کا مژدہ سنایا گیا تو اس نے ایک عظیم الشان جشن منعقد کرنے کا اعلان کیا۔

لارڈ ولزلی 6 فروری 1800ء کو کلکتہ واپس گیا تو وہاں اس کا شاندار جلوس نکالا گیا۔ اس جلوس میں چیف جسٹس، کمانڈر انچیف، ممبران کونسل اور دیگر افسران بالا شریک ہوئے اور گرجا گھر تک پا پیادہ گئے۔

راستے کے دونوں طرف، انگریز فوج صف باندھے کھڑی تھی اور ہندوستان میں یہ پہلا موقع تھا کہ انگریزوں نے اتنا بڑا جلوس نکالا اور اسے مذہبی رنگ دیا ہو۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ صرف سلطان کی ذات نے انگریزوں کو اب تک ہندوستان پر قبضہ سے باز رکھا تھا اور اس کی شہادت کے بعد تو ہندوستان کے مختلف علاقے پکے ہوئے آم کی طرح انگریزوں کی جھولی میں گرنا شروع ہو گئے۔

لارڈ ولزلی کے ہندوستان کے بارے میں کیا خیالات تھے، ان کا پتہ اس کے ایک خط سے چلتا ہے جو اس نے ایک دوست کو لکھا تھا۔

وہ لکھتا ہے:

''میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کر دوں گا کہ کمپنی کے ڈائریکٹران مجھ سے ہندوستان پر رحم کرنے کی درخواست کریں گے۔''

چیف جسٹس سر جان تھروز نے لارڈ ولزلی کو 17 مئی 1799ء کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مبارکباد پیش کی تھی:

Marfat.com

''ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے شاندار اور عظیم کارنامہ آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔''

O

1784ء کے صلح نامہ بنگلور کے وقت سلطان کی حیثیت ایک فاتح کی تھی مگر اس کے چند ہی سال کے اندر اس کی تمام قوت خاک میں مل گئی۔ اس کے خاندان کو حکومت سے برطرف کر دیا گیا اور انگریزوں کو اس قدر دولت حاصل ہوئی جو ان کے تصور سے بھی زیادہ تھی۔

انگلستان کے لوگ جب کبھی اس فتح کا ذکر کرتے تو لارڈ مارننگٹن ولزلی کو ضرور خراج تحسین پیش کرتے تھے۔

اس مکارانہ کامیابی پر ولزلی کو ''مارکوئیس'' کا خطاب دیا گیا۔

جنرل ہارس کو لارڈ ہارس آف سرنگا پٹم بنا دیا گیا۔

سپاہیوں کو تمغے دیئے گئے، ان تمغوں کے ایک طرف فتح سرنگا پٹم کی تاریخ درج تھی اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شکست خوردہ شیر کی تصویر بنائی گئی تھی جسے بنٹ جارج ایک گھوڑے پر سوار ہو کے نیزہ مار رہا تھا۔

تمغہ پر یہ تصویر بنا کر انگریزوں نے یہ بات تو تسلیم کر لی کہ سلطان ٹیپو صرف سرنگا پٹم ہی کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کا شیر تھا جس نے تخت و تاج کو ٹھکرایا اور میدان جنگ میں کود پڑا، پھر اس نے ایک سپاہی کی طرح لڑتے ہوئے جان دی۔

مال غنیمت کی تقسیم کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی۔

جب یہ کمیٹی قلعہ میں داخل ہوئی تو یہ لوگ محل کی دولت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونے چاندی کی سلاخیں، زیورات اور بیش قیمت اشیا محل میں موجود تھیں، بہت سی اشیاء برآمدوں اور صحن میں بکھری پڑی تھیں۔

پتہ چلا کہ بیرونی دروازے سے بعض سپاہی اور کچھ توپ خانہ والے اندر داخل ہوئے اور بہت سا سامان لوٹ لے گئے تھے۔

جواہرات کو مقفل صندوقوں میں رکھا گیا تھا، صندوقوں پر حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی مہریں لگی تھیں، سونے کی سلاخیں اور زیورات دوسری جگہ صندوقوں میں تھے۔ زیورات میں بازو بند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی چیزیں تھیں۔

اوپر کے کمروں میں چاندی کی سلاخیں تھیں۔

ایک جگہ دو ہودے تھے جو پورے کے پورے چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ چاندی کے بہت

Marfat.com

سے طباق تھے جن پر ہیرے جواہرات لگے تھے۔

ان کے علاوہ قیمتی فرنیچر، دوربینیں، شیشے کا سامان، چاندی کے ظروف اور قیمتی کپڑوں کے سینکڑوں تھان تھے، تھیلوں میں بیس لاکھ پگوڈے تھے، ان کی قیمت اس وقت 5 لاکھ پونڈ تھی۔

جواہرات کا اندازہ بیس لاکھ پونڈ لگایا گیا تھا۔ اس میں سے جنرل ہارس کو سولھواں حصہ دیا گیا۔ اس طرح اس کے حصے میں ایک لاکھ 42 ہزار نو سو پونڈ کے جواہرات آئے۔ اس کے علاوہ دس لاکھ پونڈ کا حصہ دوسروں کو دیا گیا۔

سلطان کے محل کی اشیاء میں اس کے ذاتی استعمال کے 84 عمامے، 50 رومال، 26 ٹوپیاں اور آب زمزم میں بھگوئے گئے دوخود تھے، ان کو یادگار کے طور پر محفوظ کرلیا گیا۔

سلطان کا تخت ہما جو سونے کے 8 شیروں کی پشت پر قائم تھا، ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ہر ٹکڑا کسی نہ کسی کے حصہ میں آیا، ان میں سے ہر ایک 180 پونڈ مالیت کا تھا۔

تخت کی چھت ایک انجینئر کرنل گینٹ کو دی گئی، اس نے یہ چھت ایک ہزار سات سو ساٹھ (1760) پونڈ میں فروخت کی۔

بعد میں گورنر جنرل کی خواہش پر تخت کے تمام ٹکڑے خرید لیے گئے تاکہ بادشاہ کو بھجوائے جا سکیں، آج بھی یہ تخت قلعہ ڈنڈسر میں موجود ہے۔

(نوٹ): اگر خدا نے ہم پر کرم کیا تو ہم اس تخت کو انگلستان سے واپس لائیں گے۔

سلطان کے جنگلی جانوروں میں سے تین چیتے شاہ انگلستان جارج سوم کو بھیجے گئے تھے۔ چیتوں کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کرنے والے چھ ملازم بھی بھیجے گئے تھے۔ ایک عدد بیل گاڑی اور دو بیل بھی شاہ کو تحفۃً بھیجے گئے تھے۔

سلطان ٹیپو کی خوابگاہ جنرل بیرڈ کو بطور تحفہ دی گئی، ایڈنبرا میں یہ آج بھی موجود ہے۔

گورنر جنرل ولزلی کو ایک تلوار اور لارڈ کارنوالس کو ایک تلوار اور ایک خنجر دیا گیا۔

سلطان کے پاس ایک نہایت نادر کتب خانہ تھا، جس میں اسلامیات، فلسفہ، تاریخ، شاعری، ادب اور قانون وغیرہ کی کتابیں اردو، فارسی اور مقامی زبانوں میں موجود تھیں۔ ان کتابوں کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا گیا جسے دیکھ دیکھ کر شہزادے دل مسوستے تھے۔

محل کے ساتھ اناج کے سات اور دوسری چیزوں کے 20 گودام تھے، جن میں چاول، گھی اور گرم مصالحہ وغیرہ بھرا تھا۔

ایک گودام میں چاول نکالنے کے لیے گیارہ سال پرانا دھان بھرا ہوا تھا جو نہایت اچھی حالت میں تھا۔

Marfat.com

قلعہ میں ایک ہزار توپیں، پانچ لاکھ گولیاں، بارہ ہزار گولے اور ساٹھ ہزار بندوقیں رکھی تھیں۔توپوں میں 51 انگریزی ساخت کی اور باقی سلطان کے کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔

مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حیدرآباد دکن کا سپہ سالار میر عالم سرنگاپٹم میں موجود تھا، اس نے اس مال غنیمت میں حیدرآباد کا حصہ مانگا۔

جنرل ہارس نے اسے جواب دیا:

''سرنگاپٹم کو ہم انگریزوں نے فتح کیا ہے، اس لیے کسی اور کو اس کا حصہ نہیں دیا جاسکتا۔''

اس سلسلہ میں تاریخ ''نظام علی خاں'' میں تحریر ہے:

''وزیراعظم ارسطو جاہ اور میر عالم نے جنرل ہارس کی شکایت لارڈ ولزلی سے کی تھی۔''

مگر ''ماڈرن میسور'' کا مصنف اس بارے میں ایک اور ہی حکایت بیان کرتا ہے، اس کے صفحہ 238 پر لکھا ہے:

''جب محل کی تمام دولت تقسیم ہو چکی اور کوئی چیز باقی نہ رہی تو آخر میں محل میں سلطان کے کثیر التعداد جانوروں کو ٹھکانے لگانے کا سوال پیش آیا، ان میں کثرت سے شیر اور چیتے تھے۔

جنگ کی ہولناکیوں میں ان جانوروں کی دیکھ بھال کرنیوالے بھی مارے گئے تھے، اس لیے جانور کئی دن سے بھوک و پیاس سے بلبلا رہے تھے، لارڈ ولزلی کے بھائی کرنل آرتھر ولزلی نے میر عالم سپہ سالار لشکر حیدرآباد سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو ان جانوروں کو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔

میر عالم نے اس پیشکش کو رد کر دیا۔آخر سلطان کے ان محبوب جانوروں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔''

○

سرنگاپٹم پر قبضہ کے وقت سلطان کا بڑا بیٹا شہزادہ فتح حیدر قلعہ میں موجود نہ تھا، اس کے سلسلے میں بہت سی روایتیں مشہور ہیں:

کرمانی لکھتا ہے:

''سلطان کی شہادت کے دن شہزادہ فتح حیدر اپنی فوج کے ساتھ کری گٹہ کی پہاڑی کے اس پار تھا، جب اسے سلطان کی شہادت کی اور سرنگاپٹم پر انگریزوں کے قبضہ کی خبر ملی تو وہ پریاپٹم چلا گیا۔

سلطان کے غدار امراء اور وزراء جنگ کی صحیح خبریں شہزادے تک نہیں پہنچنے

Marfat.com

دیتے تھے۔

ایک انگریز مؤرخ نے شہزادے کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اس المناک دن شہزادہ فرانسیسیوں کی چھاؤنی میں تھا۔''

مگر۔۔۔ یہ خیال غلط ہے۔ شہزادے کے اپنے ہی آدمیوں کا ایک چھوٹا سا لشکر تھا جس میں کچھ فرانسیسی بھی شامل تھے۔

انگریزوں نے شہزادے کو رام کرنے کے لیے قمر الدین اور پورنیا کو بھیجا، اس وقت تک انگریزوں کا یہی خیال تھا کہ وہ سرنگا پٹم کا تخت و تاج شہزادہ فتح حیدر کو دیں گے بشرطیکہ وہ بغیر جنگ کے خود کو ان کے حوالے کر دے چنانچہ قمر الدین اور پورنیا نے اس سے انہی خطوط پر گفتگو کی۔

شہزادے نے ان غداروں سے دریافت کیا:

''اب تم لوگ میرے پاس کیوں آئے ہو؟''

نمک حرام پورنیا نے سر جھکا کر بڑے عجز سے عرض کیا:

''صاحب عالم، جو ہونا تھا ہو چکا، اب جنگ فضول ہے، اگر آپ انگریزوں کی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں تو آپ کو حکومت مل سکتی ہے۔''

شہزادے نے قمر الدین نے پوچھا:

''تم کیا کہتے ہو اس سلسلے میں؟''

قمر الدین نے بھی سوکھا منہ بنا کر کہا:

''صاحب عالم، مجھ سے انگریزوں نے وعدہ کیا ہے کہ اگر شہزادے نے جنگ ۔ بغیر خود کو حوالے کر دیا تو سلطان شہید کی حکومت انہیں دیدی جائے گی۔''

''ملک جہاں خاں، تمہارا کیا خیال ہے؟''

ملک نے دست بستہ عرض کیا:

''صاحب عالم۔ آپ پورنیا اور قمر الدین کی باتوں کا اعتبار نہ کیجیے، یہ دونوں احسان فراموش اور غدار ہیں، صرف ایک سرنگا پٹم کا قلعہ ہی تو ہاتھ سے گیا ہے، ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے موجود ہیں اور ہم وفادار آپ کے ساتھ ہیں۔''

سپہ سالار ملک جہاں خاں اور دوسرے سردار میر میراں ناصر علی نے شہزادے کو بہت سمجھایا بجھایا مگر شہزادہ دیر تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

پھر اس نے آخری فیصلے سے پہلے اپنے سرداروں کے چہرے ایک ایک کر کے پڑھنا شروع کیے۔

Marfat.com

اس وقت اس کی چھٹی حس بڑی تیزی سے پھڑکنا شروع ہو گئی اور اس نے محسوس کیا کہ ملک جہان خاں اور میر میراں ناصر علی کے علاوہ سوائے ایک دو سرداروں کے باقی تمام سردار ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔

آخر شہزادے نے بڑے دکھ سے فیصلہ کیا:

''جہاں خان اور ناصر علی! ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم جیسے وفادار اب بھی موجود ہیں مگر جس طرح بابا سلطان کو شہید کرانے میں ان کے اپنے امیر و وزیر پیش پیش تھے اسی طرح اگر ہم نے جنگ جاری رکھی تو ہمارے لشکر کے غدار بھی ہمیں اور تمہیں دشمن کے حوالے کر دیں گے۔

ہم سرنگا پٹم جا رہے ہیں اور تمہیں اپنی وفاداری سے آزاد کرتے ہیں، ہم اطاعت کے لیے جا رہے ہیں اس لیے ہمیں کسی فوج کی ضرورت نہیں، چاہو تو لشکر تم لے جا سکتے ہو، ہم تمہارے لیے دعا گو رہیں گے۔''

ملک جہان خاں نے بھی اتنے ہی دکھ سے جواب دیا:

''شہزادہ عالم۔ ہم نے سلطان اور سلطنت خداداد سے وفاداری کی قسم کھائی تھی، سلطان شہید ہو گئے لیکن سلطنت خداداد ابھی باقی ہے، ہم سلطنت خداداد سے بے وفائی نہیں کر سکتے اور انگریزوں سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک ہماری روح اور جسم کا رشتہ باقی ہے، آپ سرنگا پٹم تشریف لے جائیے خدا آپ کو محفوظ رکھے۔''

تاریخ بتاتی ہے اس وقت شہزادے کی فوج میں صرف ایک سو بیس فرانسیسی سپاہی تھے اور سلطنت خداداد میں موجود فرانسیسیوں کی یہی تعداد تھی۔

ان سپاہیوں کے سردار نے شہزادے سے عرض کیا:

''صاحب عالم۔ ہم نے سلطان سے عہد کیا تھا کہ ہم شہزادے کو اپنی زندگی میں تنہا نہیں چھوڑیں گے، اس لیے آپ ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں۔

ہم جانتے ہیں کہ انگریز ہمارے شدید دشمن ہیں مگر ہم آپ کو تنہا نہیں جانے دیں گے اور آخری وقت تک آپ کے ساتھ رہیں گے۔''

شہزادہ فتح حیدر کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

قدرت کی یہ کتنی بڑی ستم ظریفی تھی کہ سلطنت خداداد میں ایک طرف تو پورنیا، میر صادق اور میر معین الدین اور میر قمر الدین جیسے غدار تھے اور دوسری طرف جہاں خاں، ناصر علی اور فرانسیسیوں کی وفاداری بھی موجود تھی جو ہر حالت میں شہزادے پر جاں نثار کرنے پر آمادہ تھے۔

O

Marfat.com

شہزادہ فتح حیدر اپنے ایک سو بیس فرانسیسی سپاہیوں کے ساتھ انگریزوں کی اطاعت کے لیے سرنگاپٹم روانہ ہو گیا۔

پورنیا اور قمرالدین کی یہ ایک اور کامیابی تھی، وہ دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔

دوسری طرف وفادار سپہ سالار ملک جہاں خان آنسو بہاتا ہوا اپنے مختصر لشکر کے ساتھ دوسری جانب جا رہا تھا۔

ملک جہاں خان کو اپنی منزل کا کوئی پتہ نہ تھا، ہاں اس کے پیش نظر ایک مقصد ضرور تھا اور یہ مقصد تھا:

''انگریزوں سے جنگ، آخری سانس تک جنگ۔''

میر میراں ناصر علی نے سلطنت خداداد کے تمام امیروں سے باغی ہو کر سلطان اور اس کے بیٹے کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا اور وہ اپنے عہد پر تمام عمر قائم رہا حالانکہ باقی تمام امیروں اور میر میرانوں نے اپنی غداری کے عوض انگریزوں سے بڑے بڑے وظیفے حاصل کیے تھے مگر میر میراں ناصر علی، شہزادے کے سپہ سالار ملک جہاں خان کے ساتھ چلا گیا تھا اور اپنی آخری سانس تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔

سلطنت خداداد کے ان دونوں وفاداروں نے انگریزوں کے خلاف اپنی جنگ کو کس طرح جاری رکھا اس کے ذکر سے پہلے ملک جہاں خاں کے بارے میں کچھ بتانا ضروری ہے۔

مؤرخ ملس لکھتا ہے:

''کتاب ''تذکرۃ البلاد والا حکام'' کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں:

ملک جہاں خاں بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا، اس کا پہلا نام ڈونڈیاں داغ تھا، بعض تاریخوں میں اس کا نام دھوندیا واگیہ لکھا گیا ہے۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع اور جری مرد میدان تھا، سلطان کی ملازمت میں آنے سے پہلے اس کے پاس تین چار سو سوار تھے، وہ ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر چھاپے مار کر لوٹ مار کیا کرتا تھا اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آیا، سلطانی فوج بھی اس کی گرفتاری سے عاجز آ گئی تھی۔

اس وقت سلطان نے اسے ایک اقرار نامہ بھیجا کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آ جائے تو اس کے جان و مال کے علاوہ اس کے مراتب بھی بڑھا دیے جائیں گے۔

Marfat.com

چنانچہ سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دارالسلطنت آیا، یہاں سلطان نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔
ڈونڈیا داغ کی اس آؤ بھگت سے نمک حرام میر صادق کو حسد پیدا ہوا اور وہ موقع کی تلاش میں رہا۔
ایک طرف تو وہ دن رات سلطان سے اس کی شکایتیں کرتا اور دوسری طرف اس کی تباہی کی سازشیں کرتا رہتا تھا۔
آخر ایک دن اس کو موقع مل گیا چنانچہ اس نے سلطان سے اس قدر جھوٹی شکایتیں کیں کہ خان موصوف کی طلبی ہوگئی۔
جب جہاں خاں محل کے دروازے پر پہنچا تو اسے گرفتار کر کے حراست میں رکھا گیا اور اس کی فوج سلطانی فوج میں داخل کر لی گئی مگر سلطان کے دل میں جہاں خاں کے لیے جگہ تھی۔
اگرچہ جہاں خاں کا خرچہ صرف تین روپے روزانہ مقرر کیا گیا تھا لیکن جہاں خان نے اس کا کوئی گلہ نہ کیا، یہاں تک کہ کچھ دنوں بعد سلطان نے ایک پلٹن جہاں خاں کے نام سے تیار کی اور خان موصوف کی رہائی کا حکم دیا۔
نمک حرام میر صادق نے عین وقت پر پھر جہاں خاں کی شکایت کرتے ہوئے دل کا غبار نکالا اور کہا:
''جہاں پناہ۔ ڈونڈیا جیسا مکار اور بدطینت انسان دنیا کے پردے پر نہ ہوگا جب تک وہ آزاد رہا، اپنے چند سو سواروں کے ساتھ سلطنت خداداد مرہٹوں اور نظام کے علاقوں کو جس طرح تاخت و تاراج کرتا رہا، وہ ذات شاہانہ سے مخفی نہیں، اگر اس کو اتنا بڑا عہدہ اور کثیر فوج دے دی گئی تو سلطنت کی خیر نہیں۔''
سلطان پھر نمک حرام میر صادق کے بہکاوے میں آ گیا اس نے جہاں خاں کی رہائی کا حکم موقوف کر دیا۔
ڈونڈیا داغ کو بھی خبر تھی کہ سلطان کے دل میں اس کی کس قدر عزت ہے، چند ہی دن اس طرح گزرے تھے کہ سلطان نے اسے رہا کر دیا۔
اس رہائی کے بعد ڈونڈیا داغ مسلمان ہوگیا، اس کا اسلامی نام شیخ احمد رکھا گیا مگر اس نے اپنے لیے جہان خاں کا نام پسند کیا۔
''میر صادق کے شر سے بچنے کے لیے جہاں خاں شہزادہ فتح حیدر کے پاس

Marfat.com

چلا گیا۔"

جب شہزادے نے انگریزوں کی اطاعت کا اعلان کیا تو جہاں خاں نے صاف الفاظ میں شہزادے سے کہا:

"صاحب عالم، میں اس کام میں آپ کی اطاعت کرنے سے معذور ہوں۔"

یہ کہہ کے اس نے اپنا گھوڑا موڑا اور شہزادے کے کیمپ سے نکل گیا۔

یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتا ہے:

"جب شہزادہ حیدر پر اس کی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو جہاں خاں شہزادے سے الگ ہو کر مغرب کی طرف چلا گیا، بہت جلد اس کے پاس چند سوار جمع ہو گئے۔

پھر ادھر ادھر تاخت و تاراج کر کے جہان خاں نے اس قدر طاقت پکڑ لی کہ اس کے پاس بیس سے 25 ہزار کے درمیان فوج اکٹھا ہو گئی۔

پھر تو یہ عالم ہوا کہ دوآبہ دریائے تنگ بھدر اور دریائے کرشنا میں اس کے نام سے دلوں میں دہشت پیدا ہو جاتی تھی۔

جہاں خان نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ مرہٹہ سردار گو کھلے اور پرسورام جو سلطان کے مقابلہ پر کئی مرتبہ آئے تھے جہاں خاں نے ان کے سر نیزوں پر چڑھا کے تشہیر کی۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اس کے مقابلے پر آئے اور انہیں سخت ناکامی ہوئی۔

آخر کرنل آرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ جہاں خاں کے مقابلہ پر آیا اور اس نے آتے ہی جنگ کی بجائے جہاں خاں کی فوج میں سازش کے دروازے کھولنا شروع کر دیئے، پھر بھی جہاں خان نے دو سال تک انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے۔

جہاں خاں کے پاس چونکہ کوئی قلعہ نہ تھا اس لیے اس نے کرنال اور کڑپہ کے پٹھانوں کا سہارا لیا مگر پٹھانوں نے غداری کی اور ان کی غداری کی وجہ سے یہ وفادار کوناٹل بھنورا کے قریب شہید کر دیا گیا۔

سلطان ٹیپو کے بعد یہ دوسرا محب وطن تھا جو اس طرح ناموری کے ساتھ شہید ہوا۔"

تاریخ کے اس بیان میں تھوڑا سا سہو پایا جاتا ہے کیونکہ جنگ آزادی یعنی سرنگا پٹم کی چوتھی جنگ کا پہلا نامور شہید سید غفار تھا، سید غفار کے سر پر سبز چھتری تان کر انگریزوں کو اس کی نشاندہی کی گئی تھی، اس کے ساتھ ہی سید غفار کو توپ کے گولے سے نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا تھا۔

Marfat.com

دوسرا نامور شہید خود سلطان ٹیپو تھا۔

اور اب تیسرا نامور شہید جہاں خان تھا جسے کرنال اور کڑپہ کے پٹھانوں کی غداری سے انگریزوں نے شہید کیا۔

ایک اور مؤرخ رئیس نے ملک جہاں خاں کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

''ملک جہاں خان مرہٹہ تھا جو حیدر علی کے سواروں میں 1760ء میں بھرتی ہوا۔ 1792ء میں جب کارنوالس نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کیا تو یہ فرار ہو کر دھاڑ واڑ پہنچا اور وہاں ادھر ادھر قزاقی کرتا پھرا۔ 1794ء میں اسے سلطان نے طلب کیا۔ اس کے ساتھ 200 سوار تھے، جب وہ سلطان کے حضور پہنچا تو سلطان نے اسے اسلام قبول کرنے کو کہا، انکار پر اسے قید کر دیا گیا۔

جب 1799ء میں انگریزوں نے قبضہ کیا تو اسے اس حال میں پایا کہ ایک دیوار سے وحشی جانوروں کی طرح جکڑا ہوا تھا۔

اسے رہا کیا گیا تو یہاں سے فرار ہو کر وہ مرہٹہ سرحد پر پہنچا اور وہاں ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملے کرنے لگا، آخر کرنل ولزلی کو اس کے مقابل بھیجا گیا۔ مہینوں کی مسلسل کوششوں اور جنگ کے بعد ایک جگہ جہاں خاں اور اس کی فوج انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی اور ملک جہاں خاں اس معرکہ میں مارا گیا۔''

اس مؤرخ کا قلم اس قدر زہر آلود ہے جس کی مثال نہیں ملتی، اس نے نہ صرف ملک جہاں خاں کی وفاداری، حب الوطنی اور وطن دوستی کی توہین کی ہے بلکہ سلطان کو بھی ایک ظالم اور احسان فراموش انسان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

OOO

Marfat.com

●

سرنگا پٹم پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور سلطنت خداداد کے بڑے بڑے سردار جو سلطنت اور سلطان کے بہی خواہ اور وفادار تھے، وہ تمام کے تمام شہید ہو چکے تھے، اس لیے انگریزوں نے اپنی مرضی کے مطابق سلطنت خداداد کے حصے بخرے کرنا شروع کر دیے، حالانکہ شہزادہ فتح حیدر نے بغیر جنگ کے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور قمر الدین اور پورنیا نے شہزادے کو یہ ضمانت دی تھی کہ وہ انگریزوں سے اسے سلطنت دلا دیں گے۔

مگر۔۔۔ انگریزوں کو اب کس کا خوف تھا کہ وہ اس طرح کی باتوں، وعدوں اور اصولوں کی پابندی کرتے؟ دوسری بات یہ کہ لارڈ ولزلی اور کرنل ولزلی دونوں نے یہ بات پہلے ہی طے کر لی تھی کہ سلطنت خداداد سلطان کی اولاد کو واپس نہیں کی جائے گی۔

پس۔۔۔

دکھاوے کے لیے اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے لیے جنرل ہارس نے ایک کمیشن بٹھایا جس کا صدر وہ خود بنا اور کرنل ولزلی، سر باری کلوزا اور کرنل کرک پیٹرک اس کے ممبر مقرر کیے گئے۔

ان کے علاوہ حیدر آباد کے سپہ سالار میر عالم اور سلطان شہید کے چند وزراء کو صرف مشاورت کے لیے منتخب کیا گیا۔

کمیشن کے سامنے سلطنت کے دو دعویدار تھے:

1- سلطان شہید کے صاحبزادے۔

2- میسور کا قدیم ہندو خاندان۔

معاملات کی چھان بین کے بعد کمیشن کے آگے مندرجہ ذیل دلائل رکھے گئے۔

شہزادوں کی طرف سے دلائل:۔

1- حیدر علی خان کو اگر غاصب سلطنت تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس بات کو اتنا عرصہ گزر چکا ہے کہ سلطنت پر اس کا حق مسلم ہو چکا ہے۔

2- حیدر علی خان اگر غاصب سلطنت تھے تو ان کے فرزند سلطان ٹیپو اور ان کے

Marfat.com

شہزادے اس الزام سے بالکل بری اور جائز وارث سلطنت ہیں۔
3- سلطان ٹیپو نے اپنے بیٹوں کی تعلیم وتربیت اس طرح کی ہے کہ وہ حکومت کرنے کے اہل ہیں اور ان کے دل امیدوں سے بھرے ہوئے ہیں۔
4- سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ میسور کی سلطنت نے کبھی اتنی وسعت نہ دیکھی تھی۔

ہندو خاندان کی طرف سے دلائل:۔

1- سلطنت میسور نے اپنے حق سے کبھی دست برداری نہیں کی اور ہمیشہ اپنی سلطنت کو حاصل کرنا چاہا۔
2- حیدر علی یا سلطان ٹیپو نے اسے اعلانیہ کبھی اس حق سے محروم نہیں کیا۔
3- دسہرا کا تہوار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے، اسے روکنے کی بھی حیدر علی یا سلطان ٹیپو نے کبھی کوشش نہیں کی جس کی وجہ سے ہندو رعایا کے دل میں قدیم خاندان کا وقار بجنسہٖ باقی ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمیشن نے مندرجہ ذیل نتائج مرتب کیے ہیں:

1- اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو تفویض کی جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ ان کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہے گا۔
2- سلطان کے شہزادے دربار کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں، وہ اس کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔
3- سلطان کے شہزادوں کو معلوم ہے کہ سلطان نے کس طرح فرانسیسیوں اور دیگر اقوام سے معاہدے کیے تھے اور ابھی جبکہ فرانسیسی خطرہ موجود ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ پھر سے ساز باز شروع کر دیں۔
4- اگر سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو وہ یقیناً ان لوگوں کو معاف نہیں کرے گا جو سلطنت کی تباہی اور شاہی خاندان کی محکومانہ موجودہ حالت کے ذمہ دار ہیں۔

(یہ اشارہ میر قمر الدین، پورنیا اور میر قاسم جیسے غداروں کی طرف ہے)

5- نظام علی خان ولی حیدر آباد دکن جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے، سلطان

Marfat.com

کے شہزادوں کو تخت دینے کا مخالف ہے، اس کے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدر آباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ کا ایک خط ہے، جس میں اس نے اپنے سپہ سالار میر عالم کو لکھا ہے:

''سلطان ٹیپو کے فرزندوں اور پسماندگان نے انگریزی کمپنی کے ذریعے جو استدعا کی تھی کہ انہیں بغرض پرورش نصف سلطنت اور نصف خزانہ دیا جائے تو (انہیں) تم کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے حملہ کر کے فتح کیا ہے اور وہ اسیرانِ جنگ میں سے ہیں۔ ان کے لیے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہیے۔''

پھر اس کمیشن کو مخاطب کرتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:

''ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ سلطان کے لڑکوں اور پسماندگان کو منشائے سرکار اور اظہار میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائے گا اور نصف ملک ان کو ہرگز نہ دیا جائے گا۔''

کمیشن نے اپنے خاص دلائل اور حیدر آباد دکن کی رائے ظاہر کرنے کے بعد سلطان کے امراء و وزراء سے بھی رائے طلب کی۔ اس وقت غلام علی خان لنگڑے نے جواب دیا تھا:

''افعی کشتن و بچہ اش نگہداشتن کارِ خردمنداں نیست۔''

''(سانپ مارنا اور اس کے بچے کو پالنا عقلمندوں کا کام نہیں'')

سلطنت خداداد کی تقسیم کے بارے میں کمیشن نے جو فیصلہ کیا، اس کے بارے میں یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ فیصلہ نہ تو کمیشن نے کیا اور نہ فیصلہ کرنے کے لیے یہ کمیشن بٹھایا گیا تھا بلکہ کمیشن صرف اس لیے بٹھایا گیا تھا کہ وہ انگریزوں کے اس طے شدہ فیصلہ کو اس انداز سے ترتیب دے کر پیش کرے کہ عوام کو اس سے بے وقوف بنایا جا سکے اور انگریز قوم تاریخ میں خود کو اس فریب دہی کے باوجود انصاف پسند کہلوا سکے۔

دراصل کمیشن کا یہ فیصلہ وہی فیصلہ ہے جس کی تفصیل گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے اپنے دو خطوط میں انگلستان کو لکھ کر بھیجی تھی۔

اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ولزلی کے ان دونوں خطوط کو لفظ بہ لفظ اس کمیشن کے فیصلہ میں بالکل اسی طرح سمو دیا گیا ہے جس طرح ولزلی نے لکھے تھے۔

ان خطوط کا پیش کرنا ایک طرف سے فیصلہ کا توارد ہو گا مگر صرف چند جملوں سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ سب ولزلی کا کیا دھرا تھا۔

''سلطان ٹیپو کے ولی عہد کو انہی اصولوں کی تعلیم دی گئی ہو گی، وہی جذبات

Marfat.com

اور تعصبات اس میں بھرے ہوں گے۔۔۔ اب ہمارے لطف و کرم اور نگرانی میں اس کا تخت نشین ہونا، اس کے لیے اس قدر سخت کمزوری اور ذلت کا باعث ہو گا کہ کوئی غیرت مند تاجدار اسے گوارا نہیں کر سکتا۔۔۔ اگر محدود نقطہ نظر سے بھی اس پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ سلطان ٹیپو کا بیٹا اس انتظام کو (جس سے اس کی سلطنت کے ٹکڑے اور اس کی آزادی مفقود ہو گئی ہو) درہم برہم کرنا اپنا فرض سمجھے گا۔۔۔ خود اس کی خوبیاں اسے اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ ہماری قوت اور ہمارے نام سے ہمیشہ دلی نفرت رکھے۔۔ لہٰذا اس خاندان کے شہزادے کو تخت نشین کرانے سے ہمارے جدید نظام کے خاتمے کی ابتدا ہو جاتی۔''

اب ملاحظہ ہو کہ سلطان کے کسی شہزادے کے بجائے ''ہندو خاندان کو تخت نشین کرانے میں ولزلی کی کیا مصلحت پوشیدہ تھی۔

ولزلی اپنے ایک مراسلہ میں لکھتا ہے:

''میسور کے خاندان نے انتہائی ذلتیں برداشت کی ہیں لہٰذا یہ خاندان ہمارا احسان مند ہو گا اور ہمارے ساتھ خلوص کا اظہار کرے گا کیونکہ ہم نے اسے قعر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچایا ہے، اس خاندان کے ہمیشہ برطانوی حکومت سے دوستانہ تعلقات رہے ہیں، اپنے برے دنوں میں بھی اس خاندان نے ہمارے دشمنوں سے کسی طرح کے تعلقات نہیں رکھے، لہٰذا انہیں برسر اقتدار لانا ہماری فیاضی کا کام ہو گا اور وہ محض ہماری اعانت سے ہی سلطان ٹیپو کے خاندان والوں اور دیگر دعویداروں سے اپنے تخت و تاج کو برقرار رکھنے کی توقع کر سکتے ہیں۔''

۔۔۔ وہ فرانسیسیوں اور دوسری طاقتوں کے خلاف ہوں گے۔۔۔ میسور کے معاملات کا اس طرح سے انتظام ہو جانے سے اس مخالف طاقت کا محض خاتمہ ہی نہ ہو گا بلکہ میسور کی سلطنت جس کے نام سے پورا کرناٹک تھراتا تھا اب ہماری پشت پناہ ہو گی اور کمپنی اس کی رعایا اور اس کے حلیفوں کے لیے دولت اور قوت کا سرچشمہ ہو گی۔''

پس ۔۔۔ لارڈ ولزلی کے منصوبے کے مطابق سلطان کے خاندان کو سلطنت سے محروم کر کے سلطنت خداداد کی مندرجہ ذیل بندر بنٹ کی گئی:

1- انگریزوں نے کنارا کا صوبہ، کوئمبتور، دارا پورم اور دیناڈ کے اضلاع اور وہ تمام

Marfat.com

علاقہ لے لیا جو مالا بار اور کرناٹک کے درمیان زیریں گھاٹ پر واقع ہے۔
اس کے علاوہ قلعہ سرنگاپٹم اور وہ تمام قلعے جو گھاٹ کے دروں کے ناکوں پر چھائے ہوئے تھے، انگریزوں نے قبضے میں لے لیے۔
2- نواب نظام الملک کو گتی اور گرم کنڈا کے علاقے، چیتل درگ کے تمام علاقے اور میسور کے سرحدی علاقے دیئے گئے۔
3- مرہٹوں کو دونوں طاقتوں کے نصف سے زیادہ حصہ دیا گیا مگر یہ شرط لگائی گئی کہ وہ فرانسیسیوں کے خلاف صاف اور واضح معاہدہ کریں اور کمپنی کی مرضی کے بغیر کسی یورپین کو ملازم نہ رکھیں۔
نیز یہ کہ میسور میں جو ریاست قائم کی جا رہی ہے، اس کے استحکام کی ضمانت دیں۔
مرہٹہ پیشوا نے اس شرط سے انکار کر دیا چنانچہ اس کے حصہ کو بھی کمپنی اور نظام نے آپس میں بانٹ لیا۔
4- بقیہ سلطنت ہندو راجہ کو دیدی گئی، اسے گدی پر بٹھانے میں یہ بھی مصلحت تھی کہ ہندوؤں کی تالیف قلب کی جائے، بعدازاں 22 جون 1799ء کے معاہدے کے تحت یہ علاقہ بھی انگریزوں کے ماتحت چلا گیا۔

O

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے 24 جون 1799ء کو شکریے کا مندرجہ ذیل خط لکھ کر قبول کیا:

''آپ نے ہمارے بچے کے لیے میسور نگر کی حکومت معہ متعلقات کے بحال کر دی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے، اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں، ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے چالیس برس ہو چکے تھے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے، جب تک چاند سورج تاباں ہیں ہم آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے۔

آپ نے ہمارا نام قائم کیا۔ یہ بات ہمارے خاندان میں پشت ہا پشت تک یادگار رہے گی، ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ سے اس اظہار حسن عقیدت کو بھی

Marfat.com

فراموش نہ کرے گی، اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔

دستخط:

1- دیواجی منی ....

2- کچھی منی ......

اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیج دیا جائے۔

اس سے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:

''جب یہ طے ہو گیا کہ ہندو راج قائم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی:

''گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں کے اتحادیوں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے۔ اس لیے سات لاکھ سالانہ کی پنشن گزارے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ اس لیے اب یہ طے شدہ ہے کہ آپ (شہزادہ فتح حیدر) اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کی حدود سے باہر بھیج دیا جائے۔''

اس کارروائی کے لیے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔ شہزادہ فتح حیدر نے اس عجلت اور حکم پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا:

''میں نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا۔ اگر کمپنی تخت و تاج نہ بھی دے تو اپنے باپ دادا کے مزاروں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

کرنل ولزلی نے اس کے جواب میں کہا:

''قول جو دیا گیا تھا اس کے کوئی اور معنی نہیں لیے جا سکتے، یہ یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت و تاج دیئے جائیں گے۔''

اس کے علاوہ یہ انگریزی قانون ہے کہ حکومت اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے کسی شخص کو بھی اپنی جائے رہائش چھوڑ کے کسی اور جگہ رہنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ انگریز حکومت نے تخت و تاج کے معاملے میں انصاف اور رحم دلی سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب موجودہ وقت میں وہ اس کے مفاد کے خلاف ہے، خصوصاً جب اسے معلوم ہوا کہ سلطان ٹیپو اور اس کے اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔''

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی شہزادہ فتح حیدر کو دھمکی بھی دی گئی کہ اگر اس نے گورنر جنرل کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا، یہی دھمکی شہزادہ عبدالخالق، شہزادہ معز الدین اور شہزادہ محی الدین کو بھی دی گئی۔

پھر شہزادگان کو 18 جون 1799ء کو ویلور بھیج دیا گیا اور 1806ء میں سلطان کے پورے خاندان کو کلکتہ بھیج دیا گیا۔

O

سلطان ٹیپو نے میسور کے ہندو راجہ کے خاندان کے جس لڑکے کو راجہ بنایا تھا اس کا نام خاصہ چامراج تھا۔ وہ 1796 میں مر گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا کرشن راج تھا۔

ولزلی نے اسے مسند نشینی کے لیے چنا اور سرنگا پٹم کے بجائے شہر میسور کو اس کا دارالسلطنت قرار دیا۔

پورنیا کو اس کی خدمات یعنی غداریوں کے صلہ میں ریاست کا دیوان (وزیراعظم) مقرر کیا گیا اور تخت نشینی کی تاریخ 30 جون 1799ء طے پائی۔

چنانچہ 30 جون کو رسم تاجپوشی ادا کی گئی

یہ رسم دوپہر کے وقت منعقد ہوئی، اس کے لیے راجاؤں کا پرانا تخت لایا گیا اور ایک شاندار جشن منایا گیا۔

انگریزی کمیشن کے ارکان اور میر عالم میسور آ گئے۔ پورنیا نے بہت سے ہندوؤں کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ جنرل ہارس اور میر عالم نے کرشن راج کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا، اسے توپوں اور بندوقوں کی سلامی دی گئی۔

تیس روز بعد کمیشن واپس چلا گیا، پورنیا کو دیوان اور کرنل باری کلوز کو ریذیڈنٹ مقرر کیا گیا، پھر 8 جولائی 1799ء کو ایک نئے معاہدے کے تحت میسور کا نیا راجہ سیاسی معاملات میں کمپنی کا ماتحت ہو گیا۔

معاہدے کی رُو سے یہ قرار پایا کہ:

1- ریاست کی حفاظت کے لیے کمپنی ایک فوج رکھے گی جس کے مصارف کے لیے راجہ سالانہ سات لاکھ پگوڈے ادا کرے گا۔

2- راجہ کسی غیر سلطنت سے کسی قسم کے تعلقات پیدا نہیں کرے گا، نہ ہی کسی یورپین کو ملازمت میں رکھے گا۔

3- حکومت برطانیہ کو اختیار ہوگا کہ وہ ریاست کی حفاظت کے لیے جس قلعہ میں چاہے اپنی

Marfat.com

فوج رکھے۔

سلطنت خداداد کی چوتھی جنگ 1799ء کے خاتمہ پر سلطان شہید کی جمع بندی کے حساب سے بقیہ سلطنت خداداد کی آمدنی کا اندازہ 8367549 پگوڈے تھا جبکہ 1792ء میں کل ریاست کی آمدنی کا اندازہ 12735098 پگوڈے تھا۔

انتظامی اخراجات وضع کرنے کے بعد انگریزوں نے آمدنی کا حساب تقریباً 30222435 پگوڈے لگایا اور ولزلی نے اس کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے پر کی:

1- میسور کی نئی ریاست 29433 مربع میل	1374076 پگوڈے
2- انگریزوں کا حصہ	777070 پگوڈے
3- نظام کا حصہ	207332 پگوڈے
4- مرہٹوں کا حصہ (جوانہوں نے نہیں لیا)	263957 پگوڈے
میزانکل:	30222435

انگریزوں نے اپنے حصہ میں سے 2 لاکھ 40 ہزار پگوڈے سالانہ وظیفہ سلطان کے مندرجہ ذیل شہزادوں کو دینا منظور کیے:

1- شہزادہ فتح حیدر سلطان
2- شہزادہ معین الدین سلطان
3- شہزادہ عبدالخالق سلطان
4- شہزادہ معزالدین سلطان
5- شہزادہ محمد سبحان سلطان
6- شہزادہ شکراللہ سلطان
7- شہزادہ غلام احمد سلطان
8- شہزادہ غلام محمد سلطان
9- شہزادہ سرورالدین سلطان
10- شہزادہ محمد یاسین سلطان
11- شہزادہ جامع الدین سلطان
12- شہزادہ منیرالدین سلطان

سلطان کے بارہ وارثوں کے ساتھ ولزلی نے یہ انصاف کیا۔ اس طرح بندر بانٹ میں ہر جائز وارث کو صرف 12 ہزار سالانہ یعنی ایک ہزار ماہوار پگوڈے کا وظیفہ مقرر کیا تا کہ چند دنوں

Marfat.com

کے بعد فاقوں سے دو چار ہو جائیں۔

برخلاف اس کے ایک غدار میر قمر الدین کو اس کی غداری کے صلہ میں ستر ہزار پگوڈے سالانہ وظیفہ منظور ہوا اور پورنیا کو میسور کا وزیر اعظم یعنی وہاں کے سیہ وسفید کا مالک بنا دیا گیا۔

ان میں سے چار شہزادوں کو کیپٹن میرٹ کے ساتھ 12 جون 1799ء کو ویلور بھیجا گیا، ان کے نام یہ تھے:

1- شہزادہ فتح حیدر

2- شہزادہ عبدالخالق

3- شہزادہ معز الدین

4- شہزادہ معین الدین

وہاں میجر ڈیوٹن کو ان کی میزبانی یعنی چوکیداری پر لگایا گیا۔

باقی شہزادوں کو نواب حیدر حسین، غلام علی اور امام بخش کے ساتھ، بعد میں ویلور روانہ کیا گیا۔

جس وقت یہ قافلہ سرنگا پٹم سے نکلا تو نوکر چاکر سمیت اس کی مجموعی تعداد 700 افراد پر مشتمل تھی۔ ولزلی نے یہ کوشش بھی کی کہ سلطان کے اہل خاندان اور ان کے ملازموں کے علاوہ خاندان بھر کے دور دراز کے تمام رشتہ داروں کو بھی سرنگا پٹم سے نکال دے۔

اس کے برعکس غداروں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ میر قمر الدین کو ستر ہزار پگوڈے سالانہ پورنیا کو چھ ہزار پگوڈے سالانہ جمع ایک فیصد محاصل سالانہ جو تقریباً 19 ہزار پگوڈے بنتا تھا، اس کے علاوہ سرنگا پٹم کے جنوب میں بطور جاگیر دیا گیا جو 1965ء تک اس کے خاندان کے پاس رہی۔

میر غلام علی لنگڑا، علی رضا اور دوسرے میر میراں کو تین تین ہزار پگوڈے سالانہ تا حیات دیئے گئے۔

ایک اور میراں کو 2400 پگوڈے سالانہ ایک دوسرے میر میراں کو 500 پگوڈے سالانہ وظیفہ دیا گیا۔

یہ وظیفے اور پنشن ان لوگوں کو ملک وملت سے غداری اور ایمان فروشی کے صلے میں عطا ہوئے، نچلے درجہ کے تمام غدار افسروں کو تنخواہ کا نصف پنشن کے طور پر دے کر انہیں ملازمتوں سے ہمیشہ کے لیے سبکدوش کر دیا گیا۔

قتل ہو جانے والے غداروں کے اہل وعیال کو بھی وظیفے دیے گئے۔

سید صاحب یعنی میر معین الدین کے خاندان کو جسے لوگوں نے اسی رات بے گھر کر دیا تھا

Marfat.com

اور اس کے تمام اموال و جائیداد کو جلا کر راکھ کر دیا تھا، دو سو پگوڈے ماہوار تنخواہ مقرر کی گئی۔

ولز لی نے سرنگا پٹم سے صرف سلطان کے خاندان کو ہی نہیں نکالا بلکہ اس نے وہاں کے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں بھی شہر بدر کرنے کی حکمت عملی اختیار کر لی۔

اس نے ایک خط جنرل ہارس کو لکھا جس میں تحریر تھا:

''میری آرزو ہے کہ آپ اپنا دفتر سرنگا پٹم سے منگلور منتقل کر لیں جس سے سردست یہ فائدہ ہوگا کہ (آپ کے دفتر میں کام کرنے والے) کثیر تعداد میں مسلمان سرنگا پٹم سے دفتر کے ساتھ منگلور چلے جائیں گے، اس کام میں جلدی کیجیے کیونکہ یہ امر میسور میں ہمارے اطمینان کے لیے بہت ضروری ہے۔''

منگلور دفتر منتقل ہونے سے کثیر تعداد میں مسلمانوں کو سرنگا پٹم چھوڑ کو منگلور جانا پڑا۔

''سلطنت خداداد میسور'' کے مصنف محمد بنگلوری نے یہ بات بالکل ٹھیک کہی ہے کہ:

''زوال سلطنت خداداد میسور، ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم اور انتہائی عظیم المیہ ہے۔''

مگر اس زوال کے اسباب پر تواریخ میں مفصل طور پر نہیں لکھا گیا اور صرف یہ بات کہنے پر اکتفا کی گئی کہ سلطان کے امراء اور وزراء نے آخری وقت میں سلطان سے غداری کی، اس وجہ سے سلطنت پر زوال آ گیا۔

تاریخ حیدری اور تاریخ محلات حیدری میں بھی صرف یہی لکھا گیا ہے، بلاشبہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن۔۔۔۔

صرف یہ کہنے سے کہ امراء اور وزراء کی غداری اس زوال کی وجہ ہے، قاری کا ذہن صاف نہیں ہوتا کیونکہ تاریخ اور تاریخی ناول کا قاری یہ ضرور معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آخر امراء اور وزراء نے سلطان سے غداری کیوں کی؟

اس غداری کی بہت سطحی سی وجوہات بیان کی گئی ہیں، اس لیے ہم ذیل میں اس کی مفصل اور مدلل تاریخی وجوہات بیان کرتے ہیں تا کہ تاریخ کا طالب علم پوری طرح مطمئن ہو سکے۔

اس بیان میں ہمیں بعض ایسی باتوں کو دہرانا پڑے گا جو پہلے کہی جا چکی ہیں لیکن بغیر انہیں دہرائے تاریخی افسانہ نویسی کا حق ادا نہیں ہوتا۔

آیئے، اب ہم حالات و واقعات پر آغاز سے ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

O

Marfat.com

سلطان شہید کے والد نواب حیدر علی خان نے جس زمانے میں سلطنت کی داغ بیل ڈالی، اس وقت جنوبی ہند میں ان کے مندرجہ ذیل حریف موجود تھے:

اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام نواب محمد علی والا جاہ کا آتا ہے۔

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان (جنوبی ہند) میں انگریزوں کے قدم جمانے والا سب سے پہلا حکمران بھی نواب والا جاہ تھا۔ والا جاہ انگریزوں کی تائید اور مدد سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا، اس کی یہ آرزو تھی کہ کسی طرح حیدر آباد کا بھی حکمران بن جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے والا جاہ محمد علی نے انگریزوں اور حیدر آباد کے بعض امراء کی مدد سے نظام حیدر آباد کے خلاف سازشیں تیار کرنا شروع کیں۔

والا جاہ ابھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پایا تھا کہ اسے میسور میں حیدر علی خان کے عروج نے بدحواس کر دیا اور وہ حیدر آباد کو چھوڑ کر میسور کو ختم کرنے کے درپے ہو گیا۔

میسور اس وقت تک صوبہ سرا کے ماتحت تھا اور نظام الملک اوّل کے زمانے سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں ضم ہو چکا تھا۔

والا جاہ اپنے آپ کو پورے جنوبی ہند کا بلا شرکت غیرے مالک سمجھتا تھا، اس لیے جب حیدر آباد کے بسالت جنگ نے صوبہ سرا کی صوبیداری حیدر علی کو دیدی تو والا جاہ، حیدر علی کے خلاف ہو گیا اور اس کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا۔

نواب بسالت صوبہ سرا کا صوبیدار حیدر علی کو بنانے کے بعد زیادہ عرصہ حیدر آباد کا نواب نہ رہ سکا، اور اس کے بھائی نظام الملک دوم نے اسے معزول کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا، اس لیے اسے یہ پسند نہ تھا کہ اس کے معزول شدہ بھائی کا بنایا ہوا گورنر حیدر علی صوبہ سرا کا گورنر باقی رہے۔ اس کے علاوہ حیدر علی خان کی طاقت اس قدر تیزی سے بڑھ رہی تھی کہ اسے یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں حیدر علی تمام جنوبی و شمالی ہند پر قبضہ کر کے پورے ہندوستان کا بادشاہ نہ بن جائے، جبکہ خود نظام دوم بھی شہنشاہ ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

جنوبی ہند کی تیسری طاقت یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ہوس ملک گیری کے تحت پورے ہندوستان پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی تھی، اس نے ارکاٹ اور حیدر آباد میں اپنی سازشوں اور مکاریوں کا جال پھیلا دیا تھا۔

نواب ارکاٹ والا جاہ نے اسے کورومنڈل کا علاقہ دیدیا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنی باقی ریاست کا ایجنٹ بھی بنا دیا تھا۔

اس طرح کمپنی یعنی انگریز، ریاست ارکاٹ کے ایک طرح حاکم بن گئے تھے اور نواب والا

Marfat.com

جاہ محض دکھاوے کا حکمران رہ گیا تھا۔

انگریزوں کو بھی حیدر علی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی طاقت پسند نہ تھی اور انہوں نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر جنوبی ہند میں حیدر علی خان کی حکومت باقی رہی تو ان کے قدم ہندوستان میں نہ جم سکیں گے۔

جنوبی ہند کی چوتھی طاقت مرہٹے تھے۔

مرہٹوں کو بھی ایک نئی اسلامی سلطنت کا جنوبی ہند میں تیزی سے اقتدار حاصل کرنا ناگوار گزر رہا تھا۔

جنوبی ہند کی آخری اور سب سے کمزور طاقت ریاست میسور کا ہندو خاندان تھا جسے حیدر علی نے معزول کر کے ایک رسمی سا راجہ بنا دیا تھا۔

یہ خاندان حیدر علی سے اپنا اقتدار واپس لینے کی کوشش میں تھا، خصوصاً میسور کی رانیاں دن رات اسی تگ و دو میں لگی رہتی تھیں۔

میسور کے پچھلے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس وقت حیدر علی، میسور کے سپہ سالار تھے، اس وقت راجہ میسور نے اپنے ہندو سردار کھانڈے راؤ کے ذریعے مرہٹوں کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تا کہ حیدر علی کا خاتمہ کیا جا سکے مگر یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔

اس سازش کے نتیجے میں حیدر علی کو راجہ، کھانڈے راؤ اور مرہٹہ لشکر کا میدان جنگ میں مقابلہ کرنا پڑا، حیدر علی کامیاب ہوئے اور انہوں نے راجہ کو اقتدار سے محروم کر کے اس کے لیے تین لاکھ کی جاگیر مقرر کر کے اسے سرنگا پٹم ہی میں رہنے کی اجازت دیدی۔

یہ شاید نہیں، یقیناً بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ راجہ کا خاندان اپنی سابقہ شان و شوکت کی واپسی کی سازشوں میں مشغول رہنے لگا تھا۔

نواب حیدر علی خان کی اس غلطی کے نتیجے میں ان کے خلاف پہلی سازش ہوئی۔

اس سازش کے بعد مزید سازشوں کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ میسور کی رانیوں نے اپنے ایک معتمد رائے درگ سری نواس راؤ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس بھیجا تا کہ کمپنی حیدر علی کے خلاف انہیں مدد دے۔

اس وقت کمپنی کا گورنر لارڈ پیکاٹ تھا۔ اس نے اس سفارت کا جواب مثبت انداز میں دیا اور رانیوں کو مدد کا یقین دلایا۔

لیکن۔۔۔ تب تک انگریزوں کی صرف یہ زبانی یقین دہانی تھی۔ انہوں نے رانیوں سے وعدے کے باوجود حیدر علی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ دراصل وہ اس وقت حیدر علی کے

Marfat.com

خلاف کارروائی کرنے کے قابل ہی نہ تھے۔

ادھر سے مایوس ہو کر رانیوں نے 1765ء میں اپنا ایک ایلچی مرہٹوں کے پیشوا مادھوراؤ کے پاس بھیجا، وہ پونا میں تھا۔

رانیوں نے اس سے درخواست کی کہ ہندو ہونے کے ناطے وہ میسور کو حیدر علی کے ہاتھوں سے نجات دلائے۔

یہ حیدر علی کے خلاف دوسری سازش تھی۔

اس سازش کے نتیجے میں مادھوراؤ پیشوا ایک بڑے مرہٹہ لشکر کے ساتھ حیدر علی پر حملہ آور ہوا لیکن اس نے حیدر علی خان کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھائیں اور اسے بالآخر صلح کر کے اپنے مرکز پونا واپس جانا پڑا۔

اس کے دو سال بعد یعنی 1767ء میں حیدر علی کے خلاف تیسری سازش ہوئی۔

اس سازش میں محمد علی والا جاہ، نظام الملک دوم اور انگریز یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی شامل تھے۔

والا جاہ محمد علی ارکاٹ کا خود مختار حکمران ہونا چاہتا تھا اور انگریز اس کے ایجنٹ تھے۔

حیدر آباد کے میر عالم اور وزیر اعظم رکن الدولہ انگریزوں کے جال میں پھنس گئے تھے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے حیدر آباد سے ایک معاہدہ کیا۔

اس معاہدے میں مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں:

1- والا جاہ کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کیا گیا اور اسے نذرانہ پیش کرنے سے معاف کر دیا گیا۔

2- نظام دکن نے دریائے کرشنا کے جنوبی علاقے سے دستبرداری لکھ دی۔

3- ایسٹ انڈیا کمپنی کو نواب والا جاہ کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کر لیا گیا۔

اس معاہدے میں اور بھی بہت سی شرطیں تھیں لیکن شرط نمبر دس بہت دلچسپ تھی اس کی رُو سے نظام دکن نے صوبہ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپے سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دیا۔

لیکن۔۔۔ صوبہ سرا پر نواب حیدر علی خاں کا قبضہ تھا اس لیے اس معاہدے کی شق نمبر 9 کے تحت نواب حیدر علی کو غاصب قرار دیا گیا۔

اس سازش کو اپنے طور پر مکمل کرنے کے بعد انگریزوں، والا جاہ اور نظام کی فوجوں نے مل کر حیدر علی پر حملہ کر دیا۔

یہ لڑائی میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔

Marfat.com

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کے لیے بہت مایوس نکلا، یہ جنگ 1769ء میں انگریزوں کی شکست پر ختم ہوئی اور صلح نامہ مدراس ہوا۔

میسور کی اس پہلی جنگ میں میسور کی رانیوں نے کس حد تک حصہ لیا، اس کا تو علم نہیں لیکن اگلے ہی سال یعنی 1770ء میں میسور کی رانیوں نے اپنے دیوان ترمل راؤ کو مرہٹہ پیشوا، مادھو راؤ کے پاس بھیجا، مادھو راؤ رانیوں کے اس سفیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ حیدر علی سے اپنی شکست کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا اور میسور پر قبضہ کرنا اپنا حق بھی سمجھتا تھا:

پس۔۔۔

مادھو راؤ نے ترمل راؤ کو یقین دلایا کہ وہ رانیوں کی مدد ضرور کرے گا۔

پیشوا چونکہ خود میسور پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس نے 1774ء میں حیدر علی پر فوج کشی کر دی، حیدر علی بھی خم ٹھونک کر مقابلہ پر نکلے۔

یہ جنگ چار سال تک جاری رہی مگر مادھو راؤ فتح حاصل نہ کر سکا اور مرہٹوں کو بے نیل و مرام واپس جانا پڑا۔

اس طرح میسور میں ہندو راج قائم کرنے والوں اور رانیوں کے خواب ایک مرتبہ پھر بکھر کر رہ گئے۔

اس طویل جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ:

''حیدر علی خان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہندو راجہ اور رانیوں کا دیوان ترمل راؤ اور پیشوا مادھو راؤ کے درمیان جو سازش تیار ہوئی تھی یہ جنگ اسی کے نتیجہ میں ہوئی تھی اور ان سب کی غدارانہ حرکتیں حیدر علی خان پر ظاہر ہو گئی تھیں۔

اس کے باوجود حیدر علی خان نے ترمل راؤ کو صرف گرفتار کیا اور کچھ دنوں کے بعد نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ ترمل راؤ کو کڑپہ کے نواب عبدالحکیم خان کے دربار میں اپنا وکیل بنا کے بھیج دیا۔''

مؤرخین کے خیال میں یہ حیدر علی خاں کی دوسری بڑی غلطی تھی، اس لیے کہ بعد میں یہی ترمل راؤ انگریزوں اور میسور کی رانیوں کے درمیان رابطے کا مسلسل ذریعہ بنا رہا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

''ترمل راؤ کو کڑپہ میں رہتے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ مدراس میں جنرل پیگاٹ دوبارہ گورنر ہو کر آ گیا ہے۔ ترمل راؤ نے اس سے تین سال پہلے ملاقات کی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ گورنر مدراس تنجاور کے اندرونی

Marfat.com

معاملات میں دخل دے رہا ہے۔
اس لیے ترمل راؤ اپنے بھائی نارائن راؤ کے ساتھ کڑپہ سے بھاگ کر مدراس پہنچا اور جنرل پیکاٹ سے ملاقات کی۔
گورنر مدراس نے اس پر معذرت کی کہ وہ اپنے وعدے کو پورا نہ کر سکا، لیکن اب وہ رانیوں کے حق میں حیدر علی سے ضرور جنگ کرے گا۔
چنانچہ۔۔۔ترمل راؤ نے میسور کی رانی کی طرف سے گورنر مدراس سے ایک معاہدہ کیا جس میں رانی کی طرف سے یہ عہد تھا کہ جس قدر انگریز حیدر علی کے خلاف جنگ کے لیے نقل و حرکت شروع کریں گے تو اس وقت انہیں تین لاکھ کنتی رایا پگوڈے دیئے جائیں گے، پھر جنگ کے دوران انہیں مختلف مراحل میں تیرہ لاکھ کے قریب مزید پگوڈے ادا کیے جائیں گے......اس طرح کی بعض اور شرائط بھی تھیں۔
یہ معاہدہ 1782ء میں ہوا۔
رانی کی طرف سے ترمل راؤ اور کمپنی کی طرف سے گورنر مدراس جان سلیوان نے دستخط کیے۔
یہ معاہدہ انگریزوں اور رانی میسور کے درمیان حیدر علی کے خلاف ہوا، لیکن اسی دوران نواب حیدر علی خان کا انتقال ہو گیا، اس لیے یہ سازش سلطان ٹیپو کے خلاف عمل میں لائی گئی۔
سازش پر عمل کرنے کے لیے 24 جولائی 1784ء کا دن مقرر ہوا۔۔۔لیکن 23 اور 24 جولائی کی درمیانی شب کو سازش کھل گئی۔
سب سے پہلے ایک باغی نرسنگھ راؤ کو گرفتار کیا گیا، اس نے پوری سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا۔
دوسرے سازشی انچے شامیا اور رنگیا وغیرہ کو گرفتار کر کے منگلور بھیج دیا گیا، ان سازشیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔
انگریزوں نے مجبور ہو کر سلطان ٹیپو سے سلطان کی شرائط پر معاہدہ کیا۔
میسور کی دوسری جنگ سے مرہٹوں اور نظام کو یہ امید ہوئی تھی کہ اس جنگ میں سلطان کا خاتمہ ہو جائے گا مگر ان کی امیدوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب سلطان نے اس جنگ میں فتح حاصل کی۔

Marfat.com

چنانچہ مرہٹوں اور نظام میں 1784ء میں ایک معاہدہ ہوا جس کا نام معاہدہ ایت گیر تھا۔

یہ دراصل سلطنت خداداد کے خلاف ساتویں سازش تھی۔

بہر حال نظام اور مرہٹوں کے مشترکہ لشکر نے سلطان کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ یہ جنگ تین سال جاری رہی اور اس کے نتیجے میں نظام دکن اور مرہٹوں کو شکست ہوئی اور انہیں اپنے کچھ علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

سلطنت خداداد کے خلاف ساتویں سازش میں رانی کے دیوان ترل راؤ اور اس کے بھائی نارائن راؤ کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا، ان دونوں نے انگریزوں سے مل کر پھر سازش کی اور انگریز جنرل میڈوز نے سلطان کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔

سلطان نے میڈوز کو پیہم شکستیں دے کر اس کے غرور کو توڑ دیا۔

اس کے بعد سلطان کے خلاف آٹھویں سازش ہوئی۔

اس موقع پر انگریز، مرہٹے اور نظام تینوں یکجا ہو گئے، انہوں نے مل کر سلطان کے خلاف کارروائی کی۔

یہ بڑی زبردست سازش تھی اور میسور کی رانیاں اور ان کے گرگے درپردہ اس میں شریک تھے۔

اتفاقاً میدان جنگ میں کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا جس کے پاس عباس کے نام خط تھا، جاسوس نے یہ خط ایک بانس کے اندر چھپا رکھا تھا جسے وہ عصا کے طور پر استعمال کرتا تھا، اس میں شیشہ گری راؤ اور کرشن راؤ کے نام تھے۔ یہ سازش بھی پکڑی گئی۔

سازش اس طرح پکڑی گئی کہ سرنگا پٹم کے قلعہ دار کرشن راؤ کی بیوی اپنے غدار شوہر سے باغی ہو گئی اور اس نے سلطان کی والدہ کے پاس پہنچ کے یہ راز افشا کر دیا کہ اس کا شوہر، سلطان کے خلاف ایک زبردست سازش میں ملوث ہے۔

چنانچہ۔۔۔اس کے شوہر کرشن راؤ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔"

○

میسور کی تیسری جنگ کے دوران یہ بات کھل کے سامنے آ گئی تھی اور سلطان کو بھی اس کا پتہ چل گیا تھا کہ اس کی شکست اس کے غدار امراء اور وزراء کی وجہ سے ہوئی ہے، مگر سلطان نے انہیں ختم کر کے اس مصیبت کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دینے کی بجائے انہیں معاف کر دیا اور ان

Marfat.com

سے مسجد اعلیٰ میں قسم لے کر اور حلف اٹھوا کر پھر سازشوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔

اس طرح اس نے خود کو امراء وزراء کی طرف سے مطمئن کر لیا اور پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی تا کہ رعایا خود اپنے ہاتھ میں ملکی انتظام لے لے اور خود وہ فوج کی بحری اور بری طاقت مضبوط کرنے میں لگ گیا۔

سلطان نے ایک بار پھر اندرون اور بیرون ہند کے مسلمان حکمرانوں کو اسلام کی سربلندی کے لیے متحد کرنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن نمک حرام امراء اور وزراء کے دل بدل چکے تھے اور انہوں نے بے غیرتی اور ملک و ملت دشمنی کا جیسے بیڑا اٹھا لیا تھا۔

وہ اپنی غداریوں سے باز نہیں آئے اور آخر میسور کی چوتھی جنگ میں اس قدر غداری ہوئی جس کے ذکر سے روح کانپ اٹھتی اور قلم تھرا جاتا ہے۔

سلطان نے میسور کی تیسری جنگ کے بعد، جس میں سلطان اور انگریز دونوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا، خود کو جلد ہی سنبھال لیا اور اب اس نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ انگریز بھی سلطان کی کوششوں سے واقف تھے چنانچہ انہوں نے جوابی کارروائی کے طور پر سلطان کے خلاف سازشوں کا زبردست جال پھیلایا۔

ان سازشوں کے نتیجے میں ہندو رانیوں اور سلطنت کے ہندو افسران کے علاوہ ہندو عوام بھی کھل کر سلطان کے خلاف ہو گئے۔

پھر میسور کی وہ چوتھی جنگ ہوئی جس میں ایمان فروش اور نمک حرام امرا و وزراء نے کھل کر سلطان کے خلاف کام کیا اور سلطان ایک بہادر سپاہی کی طرح لڑتا ہوا میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

سلطنت کے حصے بخرے کر کے انگریزوں اور نظام نے آپس میں تقسیم کر لیے۔

اور ۔۔۔

میسور کے معزول ہندو خاندان کو ایک بار پھر میسور کی گدی بخشی گئی۔

ان حالات کے بیان کے بعد قارئین یہ معلوم کرنے کے ضرور خواہشمند ہوں گے کہ:

سلطان کے خلاف جن لوگوں نے سازش کی ان کی اصلیت کیا تھی؟ اور انہوں نے اپنی غداری کا کیا صلہ پایا؟

یہ بات تو ہم آپ سبھی جانتے ہیں کہ سلطان کی شہادت اور انگریزوں کی فتح اور ان کے ہتھیاروں یا ان کے فوجیوں کی بہادری کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ یہ فتح انہیں سلطان کے گھر کے بھیدیوں کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، ان نمک حراموں کو انگریزوں کے محکمہ جاسوسی نے طرح

Marfat.com

طرح کے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

سلطان کے یہ نمک حرام، غدار اور ایمان فروش امراء اور وزراء یہ چاہتے تھے کہ سلطنت، سلطان کے ہاتھ سے نکل جائے اور انگریز فتح یاب ہو کر انہیں مال و دولت اور اعلیٰ عہدوں سے نوازے۔

پس۔۔۔

جب اتحادیوں کی فوجیں سلطنت کی حدود میں داخل ہوئیں تو انگریزوں کے جاسوس اور سپاہی بھیس بدل کے ان غداروں کے مکانوں میں آ مقیم ہوئے جو اس سازش میں شریک تھے۔

یہ تمام لوگ تقریباً مسلمان ہی تھے اور یہ تو ابھی تک مشہور ہے کہ شرجاپور (بالاپور) اور دیون ہلی والوں نے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھا تھا جس کا معاوضہ بعض خاندانوں کو ''چراغی'' کے نام سے ملتا تھا۔

انگریزوں کی پیش قدمی جاری رہی۔

نمک حرام میر صادق، سلطان کو یہی یقین دلاتا رہا کہ انگریزوں کی کیا مجال کہ وہ سلطنت کی حدود میں داخل ہونے کی جرأت کر سکیں۔

پھر جب سلطان خود تلوار سونت کر انگریزوں کے مقابلے پر آیا تو معین الدین اور پورنیا نے سلطانی فوجوں کو انگریزوں کے توپ خانہ کی زد پر لگا کر ہزاروں مسلمانوں شہید کرا دیا۔

میر قمر الدین جو سلطان کے بعد خود سلطان بننے کے خواب دیکھ رہا تھا وہ انگریز فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا جیسے دشمن کے بار بردار دستوں میں شامل ہو۔

میر قاسم نے جنرل ہارس کے دستوں کی قلعہ کے اندر تک رہنمائی کی تھی اور قلعہ کے غداروں کا یہ عالم تھا کہ ان کے حکم سے توپوں میں گولوں کے بجائے سن اور مٹی بھر کر انگریزوں پر پھینکی جاتی تھی۔

سید غفار کو انہی غداروں نے شہید کرایا۔

فوج کی تنخواہ کے بہانے فصیل سے ہٹا لیا گیا۔

سلطان کو قلعہ سے نکال کر دروازہ بند کر لیا گیا۔

حد تو یہ ہے کہ اس مجاہد بے مثل کو آخری وقت میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیا گیا اور اس کی شہادت کے بعد اس کے وارثوں کو سلطنت سے محروم کر دیا گیا۔

سلطان نے ان غداروں اور ایمان فروشوں کے ساتھ کیا حسن سلوک کیا اور انہوں نے اس کا کیا صلہ دیا؟ یہ سب باتیں تاریخ ہند اور تاریخ جنوبی ہند کا حصہ بن چکی ہیں۔

Marfat.com

ہندوستان اور خاص کر مسلمان قوم ان نمک حراموں کو نہیں بھول سکتی، جنہوں نے حیلہ سازی، دنیا داری اور لالچ میں آ کر ایک حوصلہ مند، جری اور جلیل القدر مسلمان حکمران کو شہید کرانے میں انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا، ان کی غداریوں اور سیہ کاریوں کی داستان، بہت طویل ہے، یہاں پر ہم صرف ان کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

O

بنگال کے نواب سراج الدولہ کے ساتھ غداری کرنے والوں میں میر جعفر کا نام سرفہرست ہے، بالکل اسی طرح میسور میں جن لوگوں نے سلطان ٹیپو کے خلاف نمک حرامی اور غداری کا مظاہرہ کیا، ان میں سب سے پہلے اور بڑا نام میر صادق کا ہے۔

میر صادق پہلے صوبہ سرا میں رہتا تھا، بعد میں ارکاٹ چلا گیا۔ یہ وہی ارکاٹ ہے جس کا حکمران والا جاہ محمد علی تھا۔

جب ارکاٹ کو حیدر علی نے فتح کیا تو والا جاہ کے بہت سے ملازم حیدر علی کی ملازمت میں آ گئے ان میں یہ میر صادق بھی تھا۔

حیدر علی نے اسے ارکاٹ کا ناظم مقرر کر دیا تھا۔

''عہدِ سلطانی میں میر صادق نے پہلے آصف کے درجہ پر ترقی پائی۔ اس کے بعد سلطان کا چیف سیکرٹری اور وزیر بنا۔

میسور میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ میر صادق دراصل نظام دکن کے وزیراعظم میر عالم کا بھائی تھا۔ یہ عجمی النسل اور اہل تشیع سید تھا۔

صاحب تاریخ سلطنت خداداد محمود بنگلوری کا بیان ہے کہ:

> ''میر فارسی لفظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کے لیے سید کیونکہ عربی لفظ ہے اس لیے اس کے بجائے میر کا لفظ جو کہ فارسی ہے، اسے رواج دیا تھا۔''

میر صادق کی سلطان سے دشمنی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سلطان نے اسے ایک بار معزول کر دیا تھا، پھر بعد میں اسے بحال کر دیا تھا مگر یہ میر زادہ اس توہین کا در پردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔

اس بات میں کچھ زیادہ وزن معلوم نہیں ہوتا۔ میر صادق فطرتاً کینہ پرور اور کمینی فطرت کا انسان معلوم ہوتا ہے، اس لیے جب حیدر علی خان نے نواب ارکاٹ کو شکست دے کر ارکاٹ پر قبضہ کیا تھا تو اس شخص نے حیدر علی کو خوش کرنے کے لیے کہا تھا:

> ''نواب بہادر، میں نے اتنے روز والا جاہ محمد علی کی اس قدر خدمت کی مگر اس نے

Marfat.com

میری ان خدمات کا کوئی صلہ نہ دیا، مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اب تک قید خانہ میں تھا اور آج آزاد ہوا ہوں۔"

میر صادق نے اپنی چالاکی اور چاپلوسی سے بہت جلد حیدر علی کے مزاج میں دخل حاصل کر لیا اور نواب نے اسے ارکاٹ کا ناظم مقرر کر دیا۔

انگریز مؤرخ ملکس اور بورنگ لکھتے ہیں:

"میر صادق نے میسور کی تیسری جنگ کے بعد رعایا پر تشدد شروع کر دیا تھا، مقصد یہ تھا کہ رعیت کو سلطان کے خلاف کیا جائے۔"

میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے ایک مجلس شوریٰ بنا کے رعایا کو حکومت کی ذمہ داری دے دی تھی۔ اس پارلیمنٹ یا مجلس شوریٰ کا نام "زمرہ غم نباشد" رکھا گیا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ جب رعایا کو حکومت کا ذمہ دار کر دیا گیا یعنی حکومت عوام کی ہو گئی تو پھر نہ تو عوام کوئی سازش کریں گے اور نہ ترقی کے کاموں میں دخل اندازی کریں گے۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ:

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بیکار بنا دیا تھا اور تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ رقم ہے:

"یہ میرزادہ (میر صادق) جب سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا، اس لیے سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔"

سیو گزیٹر کا مصنف بحوالہ کرمانی لکھتا ہے:

"میر صادق، سلطان تک کوئی خبر پہنچنے نہیں دیتا تھا۔"

یہی وجہ تھی کہ سلطان کو میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں مسلسل شکستیں اٹھانا پڑیں۔

محاصرے کے آخری دن یعنی 4 مئی 1799ء کو جب سلطان کو انگریزوں کے قلعہ میں آنے کی اطلاع ملی تو سلطان سوار ہو کر ڈڈی دروازے سے باہر نکلا۔

اس وقت اس نمک حرام میر صادق نے ڈڈی دروازے کو اندر سے بند کرا دیا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں سلطان واپس آ کر انگریزوں سے صلح نہ کر لے۔

دروازہ بند کرانے کے بعد اس ایمان فروش نے انگریزوں کو فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی خبر بھیجی جس کے نتیجہ میں انگریز فوجوں نے سمٹ کر تین اطراف سے سلطان پر گولیوں کی بارش کر دی اور سلطان شہید ہو گیا۔

Marfat.com

میر صادق کی غداری کا پتہ اس تصویر سے بھی چلتا ہے جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب لگی ہے۔

اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ میر صادق، گھوڑے پر سوار سلطان کے آگے ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا، منہ پھیر کر انگریز فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ:

''سلطان یہی ہے۔''

اس تصویر میں دوسرے غداروں کو بھی دکھایا گیا ہے جو دائیں اور بائیں سے اشارے کرتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ:

''سلطان یہی ہے۔''

یہ تصویر کرنل ولزلی کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

تاریخ نشانِ حیدری میں لکھا ہے:

''نمک حرام میر صادق نے سلطان کو مورچہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر ڈڈی دروازہ کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا بند کرا دیا اور خود گنجام کا راستہ لیا (تا کہ قلعہ کے باہر جا کر اپنی کوٹھی میں رہے) لیکن جب وہ قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہنچا تو سلطان کے ایک جانثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہو چکا تھا، اسے گھوڑے سے کھینچ کے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا، اس کے چار دن بعد اس کی بے گور و کفن لاش اسی جگہ گاڑ دی گئی۔

آج بھی لوگ آتے جاتے اس کی قبر پر تھوکتے، پیشاب کرتے اور لعنت سے یاد کرتے ہیں۔''

جس سپاہی نے نمک حرام میر صادق کو قتل کیا تھا، اس کا نام احمد خاں تھا، وہ کڑپہ کا باشندہ تھا۔ عام طور پر یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کر دی گئی جہاں وہ قتل ہوا تھا اور آج بھی لوگ قلعہ کے مشرقی دروازے کے قریب مٹی کے ایک ڈھیر پر پتھر اور جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں۔

محمود بنگلوری کا خیال ہے کہ:

''جس طرح میر معین الدین کی قبر کو یہ کہہ کر لوگوں کی لعنت اور غصہ سے محفوظ کر لیا گیا کہ وہ ایک بڑے پیر کی قبر ہے اسی طرح میر صادق کی اصلی قبر کو چھپا لیا گیا ہو اور یہ بات مشہور کر دی گئی ہو کہ وہ غدار جس جگہ قتل ہوا تھا اسی جگہ دفن ہے لیکن اس بارے میں کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی، یہ ضرور ہے کہ لوگ میر صادق سے

Marfat.com

اس قدر برافروختہ تھے کہ اس کی قبر بھی نہیں بنانے دیتے تھے۔''
ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ:
''میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھوا کر قلعہ کے شمال مشرق میں برج سے تھوڑے فاصلے پر دفن کرا دیا تھا مگر انگریزوں کو یہ علم نہ تھا کہ مسلمانوں کے مردے شمالاً جنوباً دفن ہوتے ہیں اس لیے ہوا یہ کہ انگریزوں نے اسے شرقاً غرباً دفن کرا دیا اور اس کی یہ قبر آج تک اسی طرح (شرقاً غرباً) موجود ہے۔''
کچھ بھی ہو مگر اس کی قبر عبرت کا ایک نمونہ ہے اور اس پر ایسی ویرانی برستی ہے کہ دیکھنے والے پر خوف اور دہشت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔
علامہ اقبال نے ''جاوید نامہ'' میں عالم خیال میں دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچی ہے جہاں ارواح رذیلہ رکھی جاتی ہیں۔ وہاں بنگال کے غدار میر جعفر اور میسور کے غدار میر صادق کو اس طرح رکھے ہوئے دکھایا گیا ہے:

اندرونِ اُو دو طاغوت کہن
روح قومے کشتہ از بہر وطن
جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دیں، ننگِ وطن

ترجمہ:۔ یہاں (دوزخ) میں دو ایسے پرانے شیطانوں کی روحیں موجود ہیں جنھوں نے قوم اور وطن کی روحوں کو قتل کر دیا تھا۔
ان میں ایک روح بنگال کے مرد مجاہد اور شہید آزادی سراج الدولہؒ کے قاتل میر جعفر کی ہے اور دوسری روح شیر دکن سلطان ٹیپوؒ اور سلطنت خداداد کے قاتل میر صادق کی ہے۔
علامہ اقبال کی اس نظم ہی میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ میر جعفر اور میر صادق دونوں مر چکے ہیں لیکن ان کی روحیں زندہ ہیں اور ملتوں اور قوموں کو غارت کرنے کے لیے آج بھی جگہ جگہ میر جعفر اور میر صادق موجود ہیں۔
اس فریاد کو سن کر دوزخ بھی ان شیطانوں کی ارواح کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔
اس پر یہ غدار دہائی دیتے اور فریاد کرتے ہیں تو دوزخ جواب دیتی ہے کہ:
''یہ دنیا بے ابتداء اور بے انتہا ہے اور غدار کے لیے کوئی جگہ نہیں اور نہ اس کا کوئی مولا ہے۔''

Marfat.com

O

سلطان کے جن بڑے بڑے امراء اور وزراء نے سلطان اور ملک وملت سے غداری کی میر غلام علی لنگڑا ان میں دوسرے نمبر پر ہے۔

جس وقت نواب حیدر علی خان نے ارکاٹ فتح کیا تھا تو میر لنگڑا بھی میر صادق اور دوسرے ملازمین سرکار ارکاٹ کے ساتھ، خوشامد کر کے حیدر علی کی ملازمت میں آ گیا تھا اور یہاں آتے ہی میر صادق کا دست و بازو بن گیا تھا۔

سلطان کے دربار میں میر صاحبان کی جو ایک فوج نظر آتی ہے، یہ سب کے سب نواب بہادر کے نمک خوار تھے جو ارکاٹ کی فتح کے بعد سلطنت خداداد کی خدمت میں آ گئے تھے۔

میر غلام علی لنگڑا بھی عجمی سید زادہ تھا اور اس کا تعلق شیعہ فرقے سے تھا۔ سلطان نے باپ کے انتقال پر ان کے تمام امراء وزراء کو اپنی ملازمت میں قبول کر لیا تھا، سلطان نے اس لنگڑے کو افواج کا ناظم اعلیٰ (آئی جی) بنا دیا تھا، بعد میں یہ میر یم (لارڈ آف دی ایڈ میر یلٹی) اور وزیر بنا۔

میر لنگڑا بڑا تیز طرار چالاک اور زود فہم تھا، سلطان نے دربار ترکی اور دیگر شاہوں و بادشاہوں کے درباروں میں جو سفارتیں بھیجی تھیں، یہ ان میں شامل رہا تھا۔

یہ شخص حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ جب یہ قسطنطنیہ (ترکی) کی ایک سڑک پر جا رہا تھا تو اچانک بارش آ گئی، یہ پناہ لینے کے لیے تیز تیز بھاگنے لگا۔

اس کے ساتھ جو ترکی افسر تھا، اس نے کہا:

''بارش تو خدا کی رحمت ہوتی ہے تم اس سے کیوں بھاگ رہے ہو؟''

میر لنگڑے نے فوراً جواب دیا:

''بے شک بارش رحمت الٰہی ہے مگر میں اس وجہ سے بھاگ رہا ہوں کہ کہیں بارش میرے قدموں تلے نہ آ جائے اور یہ بات اس کی بے حرمتی کا باعث ہو گی۔''

اسی میر لنگڑے کے بارے میں یہ قصہ بہت مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ کے بعد مصر و عرب سے واپس آ رہا تھا تو اس کے پاس بہت سے قیمتی تحائف اور مال و دولت تھی جو اسے ترکی اور مصر میں نذر کی گئی تھی۔

شریف مکہ جو انتہائی لالچی آدمی تھا، اتنا مال و دولت دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے میر لنگڑے سے کہا:

''میر غلام علی، تمہاری سفارت کا اتنا بڑا خزانہ لے کر سفر کرنا مناسب نہیں ہے، میرا خیال

Marfat.com

ہے کہ تم یہ خزانہ فی الحال قرض دیدو، پھر بوقت ضرور یہ قرض تمہیں بھجوا دیا جائے گا۔''
میر لنگڑا، شریف مکہ کی نیت بھانپ گیا۔
اس نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ عرب میں اپنے قیام کو طویل کر دیا تا کہ وہ شریف مکہ کو یہ اطمینان دلا سکے کہ اسے شریف مکہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔
دوسری طرف اس نے سلطان سے ایک جعلی خط خود اپنے نام لکھ کر چند آدمیوں کو وہاں سے باہر بھجوا دیا۔
یہ لوگ وہ جعلی خط جو میر لنگڑے کے نام تھا لیکر مکہ پہنچے، مکہ میں باہر سے آنیوالوں کو سخت تلاشی لی جاتی تھی چنانچہ وہ جعلی خط شریف مکہ کے آدمیوں نے برآمد کر کے شریف مکہ کو لکھا تھا:

''میر غلام علی کو معلوم ہو کہ خدا کے فضل و کرم سے پورا ہندوستان ہم نے فتح کر لیا ہے، اب ہم بہت جلد ایک زبردست فوج کے ساتھ ساحل عرب پر حملہ کرنے والے ہیں تا کہ مقامات مقدسہ پر بھی سلطنت خداداد کا قبضہ رہے۔''

یہ خط پڑھ کر شریف مکہ کے ہوش اڑ گئے اور اس کے عزم و ارادے ٹھنڈے پڑ گئے، اس نے میر لنگڑے کی بہت زیادہ خدمت کرنا شروع کر دی، مبادا وہ سلطان کے حملہ کی صورت میں کہیں اس کی شکایت سلطان سے نہ کر دے۔
میر غلام علی کے لنگڑا ہونے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بے انتہا مغرور اور خود پرست تھا، کسی کے سامنے سر جھکانا وہ اپنی توہین سمجھتا تھا، اس لیے اس نے اپنی انا کی تسکین کے لیے کسی حکیم سے کوئی دوا لے کر استعمال کی جس سے اس کے پیر میں لنگ پیدا ہو گیا۔
چنانچہ جب بھی اسے دربار میں جانا ہوتا تو وہ چاندی کی ایک چوکی پر بیٹھ کے جاتا تھا اور انگریزوں میں وہ ''غلام آف دی سلور چیئر'' (نقرئی چوکی کا غلام) کے نام سے مشہور تھا۔
نواب حیدر علی کے زمانے میں طرز معاشرت اور درباری کے اصول کچھ اور تھے، ان کے دربار میں تعظیم و تکریم لازمی خیال کی جاتی تھی اور یہی وجہ میر غلام علی کے پیر خشک کر لینے کی تھی کہ دربار میں تعظیم بجالانے سے اسے معذور سمجھا جائے۔
سلطان کے برسر اقتدار آنے تک میر غلام علی یا تو واقعی لنگڑا ہو گیا تھا یا لوگوں نے اسے ہمیشہ کا لنگڑا تسلیم کر لیا تھا۔
سلطان نے لارڈ کارنوالس سے معاہدے کی شرائط طے کرنے کے لیے میر لنگڑے ہی کو بھیجا تھا، جب یہ انگریزی کیمپ میں پہنچا تو اس طرح کہ وہ چاندی کی چوکی پر بیٹھا تھا اور چوکی اٹھائے دو آدمی چل رہے تھے، وہاں لارڈ کارنوالس کے علاوہ مرہٹہ سردار اور میر نظام علی خان بھی بیٹھے تھے۔

Marfat.com

غلام علی خان چوکی سے اترا اور فرش پر پاؤں پھیلا کے بیٹھ گیا، بہانہ یہ تھا کہ وہ لنگڑا ہے، معذور ہے۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قسطنطنیہ سے واپسی پر اس کے پاس اتنا بڑا خزانہ اور قیمتی تحائف جمع ہو گئے تھے کے شریف مکہ کی نیت بدل گئی تھی، جب یہ تمام تحائف اور خزانہ کے ساتھ سرنگا پٹم پہنچا تو اس نے لاکھوں کے وہ قیمتی تحائف گھر رکھ لیے اور سلطان کو پیش نہ کیے۔

جاننے والوں نے یہ خبر سلطان تک پہنچا دی اور یہاں تک مخبری ہوئی کہ میر لنگڑا نے چوری کیا ہوا سامان اپنے گھر کے کس کمرے میں رکھا ہے؟

پس۔۔۔

سلطان نے کوتوال شہر کو میر لنگڑے کے محل پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا، مخبری بالکل صحیح ہوئی تھی۔ تمام تحائف برآمد کر لئے گئے۔

سلطان نے بڑے افسوس کے ساتھ اسے نظر بند کر دیا۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ اپنے قسطنطنیہ میں قیام کے دوران میر لنگڑے نے وہاں موجود انگریز سفیر سے رشوت لے کر اسے سلطان کے اس خط کے مندرجات سے آگاہ کر دیا تھا جو سلطان نے ترکی کے خلیفہ کو لکھا تھا۔

اب یہ سلطان کی کمزوری تھی یا عفو و درگزر کی انتہا کہ سلطان نے اسے چند ہی دنوں بعد معافی دیکر رہا کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کے عہدے میں اضافہ کر کے اسے وزیر بحر بنا دیا۔

سلطان کو اس پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ ہر کام میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

ان تمام نوازشات کے باوجود یہ ایسا نمک حرام تھا کہ یہ سلطان کا شدید مخالف ہو گیا اور جب سلطان کی شہادت کے بعد سلطنت تقسیم ہونے لگی اور سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے پر غور شروع ہوا تو یہی غدار تھا جس نے کمیشن کے سامنے کہا تھا کہ:

افعی کشتن و بچہ اش رانگہداشتن کارِ خردمنداں نیست

(سانپ کو مارنا اور اس کے بچہ کو پالنا کوئی عقلمندی کی بات نہیں)

مشہور ہے کہ میر لنگڑے کی اسی رائے کے پیش نظر کمیشن نے سلطان کے شہزادوں کو نہ صرف سلطنت سے محروم کر دیا بلکہ پورے شاہی خاندان کو معہ جمعہ متعلقین اور غلام اور لونڈیوں کے سرنگا پٹم بدر کر کے کلکتہ بھیج دیا۔

اپنے محسن و آقا کو سانپ سے تشبیہ دینا اور اس کے بچوں کو سلطنت سے محروم کرانا میر غلام علی لنگڑے جیسا نمک حرام اور ایمان فروش ہی کر سکتا تھا۔

Marfat.com

بقول محمود بنگلوری:

”میر غلام علی لنگڑے کو دراصل یہ خطرہ تھا کہ اگر سلطان کے کسی شہزادے کو حکومت مل گئی تو وہ اس سے ضرور انتقام لے گا۔ اس لیے میر لنگڑا اور اس قبیل کے تمام لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ حکومت شہزادوں کو نہ دی جائے اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔“

میر غلام علی کی قبر اس کے بنوائے ہوئے مقبرے میں ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں، ایک بڑی اور دوسری چھوٹی، بڑی قبر میر لنگڑے کی ہے۔

لوگوں کے ڈر سے بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ طرز کی بنی رہی، پھر بعد میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔

کتاب ”سرنگا پٹم“ کے مصنف پارسنس نے میر لنگڑے کا مقبرہ دیکھا تھا اور اس نے 1931ء میں یہ لکھا تھا کہ:

”گنبد میں دو زنانہ قبریں ہیں۔“

لیکن جب وہ 1939ء میں وہاں دوبارہ گیا تو بڑی قبر مردانہ طرز کی بنا دی گئی تھی چنانچہ اس نے واپس آ کر لکھا کہ:

”اب وہ قبر مردانہ طرز پر بن گئی ہے جو دس سال پہلے زنانہ طرز کی تھی۔“

میر غلام علی لنگڑا، زوال سرنگا پٹم کے بعد دس سال تک زندہ رہا، کرنل کرک پیٹرک نے لکھا ہے کہ:

”میں نے میر غلام علی لنگڑے کو 1809ء میں سرنگا پٹم میں دیکھا تھا، اس کے عزیز واقارب اب بھی ویلور اور حیدر آباد میں موجود ہیں۔“

انگریز اس شخص کی چالاکی اور بددیانتی سے اس قدر خائف تھے کہ انہوں نے زوال سلطنت کے بعد اسے کوئی سرکاری عہدہ نہیں دیا، اسے صرف تین ہزار طلائی پگوڈا سالانہ دے کر کاروبار سلطنت سے ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا گیا۔

O

سلطنت خداداد کا تیسرا بڑا غدار اور ایمان فروش بدر الزماں نائطہ اور اس کے خاندان کو بیان کیا گیا ہے۔

جس طرح ارکاٹ کی فتح کے بعد میروں کا خاندان (میر صادق، میر لنگڑا، میر قمر الدین وغیرہ) سرنگا پٹم آیا تھا، اسی طرح اہل نوائط بھی ارکاٹ سے سرنگا پٹم آ گئے تھے۔

اس خاندان نے نواب حیدر علی خان کے افسروں میں سب سے پہلے بددلی پھیلائی تھی،

Marfat.com

فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی اہل نوائط کی سازشوں ہی کا نتیجہ تھی۔

اہل نوائط آداب گفتگو اور آداب نشست و برخاست کا بہت خیال رکھتے تھے۔ جب یہ لوگ حیدر علی خان کی ملازمت میں آئے تو انہوں نے دربار کے آداب میں انقلاب پیدا کر دیا۔

حیدر علی کو پہلے درباری آداب کا اتنا خیال نہ تھا لیکن اہل نوائط کے آنے سے اس کے دربار میں شاہانہ طور طریقے برتے جانے لگے۔

ان لوگوں کو اپنے ذاتی حسب و نسب کو سب پر بھی بڑا ناز تھا۔ اہل نوائط کا دکن میں بے حد اثر و رسوخ اور پہنچ تھی۔

بدر الزمان نائطہ اور اس کے خاندان والے سلطان سے اس لیے ناراض اور جوش انتقام میں بھرے ہوئے تھے کہ سلطان نے اپنے برادر نسبتی برہان الدین کی شادی بدر الزمان کی بیٹی سے طے کر دی تھی۔

اہل نائطہ اپنے خاندان کو دنیا کا سب سے معزز اور اپنے نسب کو سب سے اعلیٰ سمجھتے تھے، سلطان نے جب بدر الزماں کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو بدر الزماں انکار تو نہ کر سکا مگر اسے بہت ناگوار گزرا۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حیدر علی خاں کو مخالفین اور ہندوؤں نے بدنام کرنے کے لیے یہ مشہور کر دیا تھا کہ وہ نائیک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہ کم ذات ہیں۔

ممکن ہے کہ ہندوستان یا ہندوؤں میں نائیک کوئی ذات ہو مگر حیدر علی خاں خاندانی طور پر نائیک نہیں تھے بلکہ اس کے والد نے بحیثیت نائیک فوج میں نوکری کی تھی، یہ عہدہ اس وقت بھی فوج میں موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔

بہر حال۔۔۔ برہان الدین اور بدر الزماں کی بیٹی کی شادی ہوئی اور ایک بیان کے مطابق شادی ہی کے دن لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی۔

ایک اور بیان کے مطابق لڑکی کے عزیزوں نے اپنی جھوٹی انا اور خاندانی عظمت پر اس بے گناہ لڑکی کو قربان کر دیا۔

یہ وہ داغ تھا جس نے اہلِ نائطہ کو سلطان کا دشمن بنا دیا۔

اس عداوت اور دشمنی کا بدلہ لینے کے لیے میسور کی تیسری جنگ میں مہدی علی نائطہ نے عید گاہ کا مورچہ غداری کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔

اسی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان نے چیتل درگ جانے کا فیصلہ کیا تو محمد مراد

Marfat.com

نائطہ کے بیٹے بدر الزماں نائطہ نے باقاعدہ سازش کے تحت سلطان کو وہاں جانے سے روک دیا، یہی وجہ ہے کہ میسور کے مسلمان سلطنت خداداد کی تباہی کا ذمے دار اہل نائطہ کو گردانتے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل نائطہ نے سلطان کی مکمل تباہی کا منصوبہ پہلے سے ہی تیار کر رکھا ہو مگر جب انگریز فصیل پر بغیر کسی مزاحمت کے چڑھ آئے اور سلطان کی واپسی کا راستہ بند ہو گیا تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سب اہل نوائطہ کی غداری سے ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ان غداروں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

سلطان کے وفاداروں نے چار رشتے داروں اور محمد درویش کو قتل کر دیا، علی رضا، غلام علی نائطہ اور بدر الزماں خاں کہیں چھپ گئے اور وفاداروں کے ہاتھ نہ آسکے۔ اس وجہ سے بچ گئے، مگر میر صادق اور شیر خاں قتل کر دیے گئے۔

عام طور پر سلطان کی شکست اور شہادت کی ذمہ داریاں میر صادق پر ڈالی گئی ہے اور یہ محض اتفاق تھا کہ یہ غدار سب سے پہلے قتل ہوا ورنہ اس کی پوری ذمہ داری اس کی مجلس وزارت پر آجاتی، جس میں غلام علی نائطہ، بدر الزماں نائطہ اور علی رضا اور اس کے رشتہ دار تھے، گویا ان سب نے مل کر سلطان کو تخت سے الگ کرنے کی سازشیں کیں مگر وہ تو سلطان کی اولو العزمی اور حوصلہ مندی تھی کہ ان کی ایک نہ چلتی تھی چنانچہ انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ سلطان کسی صورت شہید ہو جائے تو قصہ ہی ختم ہو جائے، ان کا خیال تھا کہ سلطان کے جانشین اتنے طاقتور نہیں کہ ان کی سازشوں کا مقابلہ کر سکیں۔

انگریزوں نے نوائطہ کی غداری کے صلہ میں انہیں پنشنیں اور جاگیریں دے کر سرنگاپٹم سے رخصت کر دیا۔

بدر الزماں خاں کو تین ہزار پگوڈے سالانہ پنشن ملی جس کے لیے اس نے اپنا دین اور ایمان بیچا تھا۔ زوال سلطنت کے بعد وہ ایک عرصہ تک زندہ رہا۔

ولکس نے اپنی تاریخ مرتب کرنے میں بدر الزماں نائطہ سے مدد لی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ایک جگہ لکھا تھا کہ:

''بدر الزماں نائطہ کی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔''

بدر الزماں کی سلطان سے عداوت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سلطنت کے وزیر اعظم میر صادق نے سلطان سے بدر الزماں کی شکایت کی تھی اور سلطان نے بدر الزماں کو دو ہفتے کے لیے نظر بند کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سلطان کا دشمن ہو گیا تھا۔

بالفرض اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا بھی تھا اور بدر الزماں کو سلطان سے پرخاش ہو گئی تھی تو

Marfat.com

اسے سلطان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا چاہیے تھی نہ کہ اس نے سلطنت خداداد ہی کو اپنی اس دشمنی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

سلطنت خداداد میسور اور سلطان ٹیپو کے ساتھ غداری کرنے والے نمک حراموں میں میر صادق، میر غلام علی لنگڑا اور بدرالزماں نائطہ کے بعد چوتھے نمبر پر دو نام آتے ہیں:

1- میر معین الدین

2- میر قمرالدین

تمام انگریز تواریخ میں میر معین الدین کا نام ''سید صاحب'' لکھا گیا ہے اور یہ ایمان فروش اسی نام سے مشہور تھا۔

سید صاحب جس نے ملک وقوم اور سلطان سے غداری کر کے ''سیدوں'' کا نام بھی ڈبو دیا، یہ پہلے کرناٹک کی فوج میں ایک معمولی عہدے پر تھا، پھر جب نواب حیدر علی نے کرناٹک پر قبضہ کیا تو یہ نواب حیدر علی کی ملازمت میں آ گیا۔

مؤرخ رئیس لکھتا ہے:

''نواب حیدر علی خان کے زمانے میں میر معین الدین نے حیدر علی سے غداری کی تھی اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی، گرم کنڈہ کی جاگیر دراصل حیدر علی خان کی جاگیر تھی جو نواب بسالت جنگ (دکن) نے اس وقت حیدر علی کو دی تھی جب انہیں صوبہ سرا کا صوبیدار بنایا گیا تھا۔''

لیکن ولکس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:

''گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانہ سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آ رہی تھی، میر علی رضا کی ہمشیرہ سے حیدر علی خان نے شادی کی تھی جب میر علی رضا کی محمود بندر میں وفات ہو گئی تو یہ جاگیر سلطنت خداداد میں شامل کر لی گئی۔''

اصل بات یہ تھی کہ گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، جنگی نقطہ نظر اور اپنے محل وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور اور پائیں گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا، گویا جس کے پاس گرم کنڈہ کا قلعہ ہو وہ میسور اور پائیں گھاٹ پر دباؤ ڈال سکتا تھا۔

میر معین الدین اس قلعہ کی اہمیت سے واقف تھا اور وہ اپنی ایک الگ حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، اسی لیے اس نے مرہٹوں سے سازش کر کے گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوائی تھی۔

میسور کی چوتھی جنگ میں بھی میر معین الدین نے اسی جاگیر کے حصول کے لیے سلطان سے غداری کی تھی۔

Marfat.com

حیدر علی خان نے میر معین الدین کو غداری کے باوجود معاف کر کے اس کے عہدہ پر بحال کر دیا تھا، پھر میسور کی تیسری جنگ میں میر معین الدین نے بڑی وفاداری اور بہادری دکھائی۔

اسی وفاداری کی بناء پر سلطان نے اسے سپہ سالار بنا دیا۔ اور 1795ء میں سلطان نے اس کی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے عقد کیا تھا، اس بیگم سے 1797ء میں ایک بچہ پیدا ہوا مگر چند ہی دن بعد زچہ و بچہ دونوں انتقال کر گئے۔

O

میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان کے وفادار کون ہیں اور غدار کون ہیں؟ چنانچہ میسور کی چوتھی جنگ کے موقع پر انگریزوں نے سلطان کے تمام وفاداروں پر ڈورے ڈالنا شروع کر دیئے تھے۔

انگریزوں کو یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ میر معین الدین کے علاوہ میر قمر الدین بھی گرم کنڈہ کی جاگیر کا خواہشمند ہے، پس۔۔ مکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان دونوں کو الگ الگ اس بات کا یقین دلایا کہ سلطنت خداداد کے خاتمہ پر گرم کنڈہ اسے دیا جائے گا۔

اس فریب کے تحت ہی دونوں ''میر'' سلطان کے خلاف میسور کی چوتھی جنگ میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔

میر قمر الدین نے غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کر لی مگر معین الدین اپنے آقاؤں ہی کے ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔

میر معین الدین نے مالوبلی (گلشن آباد) کے میدان میں سلطانی فوج کو انگریزی توپ خانے کی زد پر لگا کر سلطان کے ساتھ غداری کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے بعد پھر جب ایک اور غدار میر قاسم نے جنرل ہارس کی فوج کو جنوب مغربی گوشہ میں ایک گھنے باغ کی آڑ میں ٹھہرایا تھا تو اس وقت اس گوشہ کی مدافعت میر معین الدین کے سپرد ہوئی تھی۔

غدار میر قاسم قلعہ کے اس گوشہ کی کمزوری سے واقف تھا کیونکہ ایک زمانے میں وہ قلعہ دار رہ چکا تھا۔

میر معین الدین نے اس گوشہ قلعہ کی مدافعت کی ہی نہیں۔ اس نے یہاں سے سلطان کے وفادار سپہ سالار سید غفار کو ہٹایا۔ پھر فوج کو تنخواہ لینے کے بہانے فصیل سے نیچے بھیج دیا اور اپنی کمینہ طبع کا ثبوت دیتے ہوئے جھنڈیوں کے ذریعے انگریزوں کو میدان صاف ہونے کی اطلاع دیدی اور انگریز فوج بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ میں داخل ہو گئی۔

میر معین الدین نے ہی وفادار ملک و ملت سپہ دار سید غفار کے سر پر سبز چھتری لگوا کر

Marfat.com

انگریزوں کو اس جانباز کی نشاندہی کی تھی جس پر انگریزوں نے اس جوانمرد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

قلعہ پر انگریزوں کے قبضہ کے دوران افراتفری کے عالم میں میر معین الدین انگریزوں ہی کے ہاتھوں سخت زخمی ہوا۔ میجر ڈلاس اور میجر آلن نے اسے پالکی میں ڈلوا کر گھر بھجوانے کی کوشش کی مگر وہ وہیں دم توڑ گیا۔

دوسرے دن میجر آلن اس کے بھائی کے ہمراہ اس کے گھر گیا، اس کی حویلی بڑی ناگفتہ بہ حالت میں تھی کیونکہ اسے لوٹ کر برباد کر دیا گیا تھا۔ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی بڑی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا تھا۔

میر معین الدین کی لاش ایک ہمسائے کے گھر پڑی تھی اور اس کے پاس میر معین الدین کا آٹھ سالہ بچہ بیٹھا رو رہا تھا۔

لاش کو وہاں سے اٹھوا کر ارکاٹ باغ کے احاطہ میں دفن کیا گیا اور قبر کو توہین سے بچانے کے لیے یہ مشہور کر دیا گیا یہ کسی پیر کی قبر ہے۔

اس طرح یہ غدار گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کرنے کی خواہش دل ہی میں لیے ہوئے تہ خاک پہنچ گیا۔

میر معین الدین کی قبر کے تعویذ کو سبز رنگ سے رنگا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے یہ قبر سید کی ہے قبر کے چاروں طرف ایک مختصر سی چہار دیواری اور سائبان ہے، سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے۔

یہ قبر اسی غدار کی ہونے کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ یہ اسی جگہ واقع ہے، جہاں اس کی کوٹھی تھی، میجر آلن کی تحریر بھی اس کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

میر معین الدین اور میر قمر الدین، دونوں غدار، آپس میں رشتہ دار بھی تھے۔

OOO

Marfat.com

●

میر میراں خاندان کا ایک اور بڑا نمک حرام میر قمر الدین تھا۔
یہ میر علی رضا کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی ہوتا تھا۔
قارئین جانتے ہیں کہ سلطان کے والد حیدر علی خان نے میر علی رضا کی بہن سے شادی کی تھی، یوں میر علی رضا، سلطان کا ماموں تھا۔
میر قمر الدین کی نظر شروع ہی سے گرم کنڈہ پر تھی بلکہ اس ایمان فروش کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ وہ سلطنت خداداد کا حکمران بننا چاہتا تھا۔
اس سلسلے میں میر قمر الدین نے کوششیں بھی شروع کی تھیں، اس نے سلطان کی ایک بیٹی کا رشتہ بھی کسی کے ذریعے مانگا تھا مگر سلطان نے انکار کر دیا تھا۔
تخت و تاج کی ہوس میں میر قمر الدین نے میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی یعنی آخری جنگ میں سلطان سے غداری کی اور انگریزوں سے مل گیا۔
میر قمر الدین نے بھی گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی جبکہ یہ جاگیر انگریزوں نے میر معین الدین کو بھی دینے کا وعدہ کر رکھا تھا، اس سے انگریزوں کی بد دیانتی، مکاری، دوغلی پالیسی اور عیاری پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔
یہاں پر یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ انگریزوں نے ایک ہی جاگیر دو آدمیوں کو دینے کا وعدہ کس طرح کر لیا جبکہ یہ دونوں آدمی یعنی میر قمر الدین اور میر معین الدین آپس میں رشتہ دار بھی تھے؟
یہ چیز ہمیں معیوب معلوم ہوتی ہے لیکن انگریز قوم اسے ایک سیاسی چال قرار دیتی ہے۔
انگریزوں نے مختلف اوقات میں اس قسم کی حرکات کی ہیں، موجودہ دور میں فلسطین کے معاملہ میں بھی انگریزوں نے اسی پالیسی نما کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ایک طرف انہوں نے فلسطین عربوں کو دینے کا وعدہ کیا تھا اور دوسری طرف یہودیوں سے بھی یہی وعدہ کر رکھا تھا، پھر وقت آنے پر فلسطین یہودیوں کو دے دیا گیا اور عرب منہ دیکھتے رہ گئے۔
یہاں گرم کنڈہ کی جاگیر بھی ایک وقت میں انگریزوں نے میر معین الدین اور میر قمر الدین

Marfat.com

کو دینے کا وعدہ بلکہ تحریری معاہدہ کیا مگر معین الدین چونکہ 4 مئی کو مارا گیا اس لیے گرم کنڈہ کی جاگیر قمر الدین کو مل گئی۔

قمر الدین نے فتح نرکنڈہ کے موقع پر بھی سلطان سے غداری کی تھی اور حیدر آباد سے سلطان کے خلاف خط و کتابت کرتا رہا تھا جس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے سلطان کو بھیجی تھی اور قمر الدین کو چند دن کے لیے نظر بند بھی کر دیا گیا تھا مگر پھر بحال کر کے معافی دیدی گئی تھی۔

کرنل ولکس نے اپنی تاریخ میں میر قمر الدین کا ایک واقعہ بھی لکھا ہے جس سے اس کی غداری، مکاری اور ایمان فروشی ظاہر ہوتی ہے۔

ایک دوسرے واقعے کے تذکرے سے میر قمر الدین کی تخت و تاج سے بے پناہ محبت اور چاہت کا اظہار ہوتا ہے۔

کرنل ولکس لکھتا ہے:

”جس وقت سلطان قلعہ ادھونی پر حملہ میں مصروف تھا تو ارکاٹ کے مفتی سراج الدین محمود خاں کا انتقال ہو گیا۔ مفتی صاحب سے لوگوں کو بے حد عقیدت تھی، اس لیے ان کا جنازہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سرنگا پٹم روانہ کیا گیا مگر نا معلوم یہ افواہ کس طرح اڑی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کا جنازہ بڑی شان سے سرنگا پٹم بھیجا گیا ہے۔

یہ افواہ ایسی مشہور ہوئی کہ مسٹر میکفرسن جو کلکتہ میں عارضی طور پر گورنر تھا، اس نے مدراس کے گورنر کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ سلطان کے جانشین کے پاس مبارکباد دینے کے لیے کسی خاص آدمی کو دربار میسور میں بھیجے۔ اس وقت قمر الدین کسی اور جگہ تھا۔

اسے جو معلوم ہوا کہ سلطان فوت ہو گیا ہے تو جس قدر فوج اس کے پاس تھی اور جتنی وہ حاصل کر سکتا تھا، اسے لے کر سرنگا پٹم پہنچ گیا، سلطان نے اس کی بغاوت کو بڑی مشکل سے فرو کیا تھا اور دو سال کے لیے قمر الدین کو نظر بند کر دیا تھا۔“

○

میسور کے ایمان فروشوں اور نمک حراموں میں ایک اور بڑا نام میر قاسم علی بن پٹیل نور الدین کا ہے، یہ بھی میر صادق اور میر لنگڑے کی طرح عجمی النسل سید زادہ تھا، اس کی تمام زندگی سلطان کی خدمت میں گزری تھی، اس کا وطن حیدر آباد کی سرحد پر تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم نے سلطان سے گھر جانے کی اجازت مانگی، سلطان نے اجازت دے

Marfat.com

دی اور وطن روانہ ہوا۔

اس کی روانگی کے بعد پورنیا اور میر صادق نے سلطان سے شکایت کی کہ میر قاسم بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔

اس اطلاع پر سلطان نے میر قاسم کو معہ سامان کے واپس لانے کا حکم دیا چنانچہ اسے پکڑ کر واپس لایا گیا اس کے ساتھ مختصر سا سامان تھا۔

سلطان کے حکم سے میر قاسم کے سامان کی تلاشی لی گئی مگر اس کے پاس سے کوئی سرکاری مال برآمد نہ ہوا، سلطان نے اسے دوبارہ وطن جانے کی اجازت دیدی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ پورنیا اور میر صادق نے سلطان سے میر قاسم کی جھوٹی شکایت کی تھی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ میر قاسم اس وقت تک سلطان کے وفاداروں میں سے تھا۔ پورنیا اور میر صادق اپنی چالبازیوں سے سلطان کے تمام وفاداروں کو سلطان کے خلاف کرتے جا رہے تھے۔

میر قاسم کی شکایت اس وجہ سے کی گئی تھی کہ سلطان اسے گرفتار کر کے دربار میں بلوائے گا اور دربار میں سب کے سامنے اس کی تلاشی ہوگی، ایک امیر کے لیے یہ بڑی سبکی اور بدنامی کی بات تھی اور یہی پورنیا اور میر صادق کا مقصد تھا۔

سلطان نے میر قاسم کو تلاشی کے بعد جانے دیا مگر وہ کم ظرف تھا وہ اسی وقت سے سلطان کے خلاف ہو گیا اور انتقام کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔

میر قاسم جب وطن سے واپس آیا تو سلطان نے اسے مطمئن کرنے کے لیے سرنگا پٹم کا قلعہ دار بنا دیا۔ چند برسوں کے بعد میر قاسم نے پھر وطن جانے کی اجازت مانگی اور یہ درخواست بھی کی کہ اب اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے آخری ایام اپنے وطن میں گزارے۔

یہ 1798ء کے آخر ایام تھے۔

نیک دل سلطان نے میر قاسم کو نہ صرف جانے کی اجازت دی بلکہ اس کا اعزاز بڑھانے کے لیے ایک دن دربار عام میں میر قاسم کو مخاطب کر کے کہا:

''تم نے اپنے سلطان کی وفاداری سے خدمت کی ہے۔ اس لیے تمہارا سلطان تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جا کر آرام سے زندگی کے بقیہ دن گزارو۔

''جو لوگ وفاداری سے سلطان اور سلطنت کی خدمت کرتے ہیں، ان کی خدمت کے اعتراف کے طور پر ان کی قدر کرنی چاہیے۔ اس لیے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ سلطان کے دل

Marfat.com

میں تمہاری قدر و منزلت ہے تا کہ کبھی یہ نہ کہا جائے کہ سلطان نے تمہاری قدر نہیں کی تھی۔''

اس خطاب کے بعد سلطان نے میر قاسم کو خود اپنے دست خاص سے مندرجہ ذیل انعامات سے نوازا:

دو عدد زریں شالیں

ایک دوپٹہ

ایک مرصع زیور

ایک گھوڑا خاص شاہی اصطبل کا

ایک مرصع تلوار

ایک ڈھال:

اس کے بعد سلطان نے فرمایا:

''تمہارا سلطان قدر دانی بھی کرتا ہے اور انعام بھی دیتا ہے۔''

میر قاسم آداب بجالایا اور خوش خوش رخصت ہوا۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ میر قاسم کو پورنیا اور میر صادق نے اپنے منصوبے کے تحت سرنگا پٹم سے رخصت کرا دیا تھا کیونکہ یہ وہی وقت تھا کہ جب انگریزوں اور غداروں کی سازشیں بارآور ہونے والی تھیں اور میر قاسم کو سلطان سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کا موقع مل رہا تھا۔

سلطان کے اس الطاف شاہانہ کا بدلہ اس نمک حرام نے جس طرح دیا وہ میڈوز کے اس خط سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

وہ لکھتا ہے:

> ''میر قاسم اپنے وطن حیدر آباد جانے کے بجائے انگریزوں سے جا کر ملتا ہے اور انگریز فوج کو موسلی کے محفوظ راستے سے لا کر قلعے کے جنوب مغربی گوشے میں عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے، جہاں سے انگریزی فوج 4 مئی 1799ء کو قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔
>
> قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا، انگریز سپہ سالار کو جس شخص نے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا وہ یہی میر قاسم تھا۔''

اس نمک حرام نے فقط اتنا ہی نہیں کیا بلکہ پوری ایمان فروشی کا ثبوت دیا، میڈوز آگے چل کر اس کی غداری کی اس طرح تشریح کرتا ہے:

> ''دوپہر کا وقت تھا (4 مئی کو) جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج

Marfat.com

کو خندقوں سے لے کر نکلا اور دریا پار کر کے فصیل قلعہ پر چڑھا، انگریز فوج میں جو سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا، اس کی رہنمائی کے لیے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ میر قاسم تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی پہلے چڑھا تھا۔''

اس سازش کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمک حراموں کی کارروائی پر پورا پورا اعتماد اور یقین تھا کہ یہ لوگ سلطان کو ضرور دھوکہ دیں گے۔ اسی لیے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ:

''جب تک سرنگا پٹم پر قبضہ نہ ہو جائے صلح کی گفتگو نہ کی جائے کیونکہ اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آ جانے سے ہندوستان کی قسمت کا دروازہ ہمارے لیے کھل جائے گا۔''

پس۔۔۔

جنرل ہارس نے سلطان کو صلح کے لیے جو شرائط بھیجی تھیں، وہ کامل اطاعت بلکہ غلامی کے زمرے میں آتی تھیں۔

اگر ہم مندرجہ بالا تحریر پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو جنگ سے پہلے ہی اس سازش کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔

○

ہندو ذات کے نمک حراموں میں یوں تو بہت سے نام شامل ہیں جنہوں نے نواب بہادر حیدر علی خان اور پھر سلطان ٹیپو کے عہد میں سلطنت خداداد کو ختم کر کے میسور کے پرانے ہندو راجہ کو برسر اقتدار لانے کی کئی منظم سازشیں کیں۔

ان میں خاص خاص کھانڈے راؤ، ترمل راؤ، رنگیا اور شامیا وغیرہ شامل ہیں، لیکن نواب بہادر اور سلطان کو کوشش کے باوجود نقصان نہ پہنچا سکے، ان تمام لوگوں کی سازشیں پکڑی گئیں، اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

لیکن۔۔۔ ان سب کے علاوہ ایک اور نام پورنیا کا بھی ہے۔

پورنیا نے اگرچہ اپنی ترقی کے لیے بہت جدوجہد کی لیکن یہ اس قدر خطرناک سازشی تھا کہ آخر وقت تک سلطان کو فریب دیتا رہا اور آخر سلطنت خداداد کا خاتمہ کرنے میں اس نے میر صادق کا ہی کردار ادا کیا۔

پورنیا، حیدر علی کے زمانے میں سرکاری ملازمت میں آیا، پہلے رسل و رسائل کا افسر اعلیٰ ہوا، پھر وزیر مالیات اور دیوان (وزیراعظم) مقرر ہوا۔

Marfat.com

وزیر مال ہونے کی وجہ سے اسے تمام سرکاری محکموں اور ان محکموں کے افسران بالا تک رسائی حاصل تھی، اس لیے اکثر غدار اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔

پورنیا نے افسروں کو رشوت دے کر سلطان کے محکمہ جاسوسی کو ناکام بنا دیا تھا، پھر آخر میں یعنی میسور کی چوتھی جنگ کے دوران عین جنگ کے لمحات میں اس نے تنخواہ تقسیم کرنے کے لیے فصیل سے فوج کو جس طرح نیچے اتارا تھا، اس کا حال بیان کیا جا چکا ہے۔

ماڈرن میسور کا مصنف پورنیا کا حال یوں بیان کرتا ہے۔

''پورنیا 1746ء میں ضلع ترچناپلی کے موضع تردکمبور میں پیدا ہوا تھا، اس کے باپ کا نام غورطلب اور ماں کا نام لکشمی اما تھا۔

پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اس کا باپ مر گیا، یہ بہت غریب تھا، اس لیے اس کی ماں دوسروں کے گھروں میں کام کاج کرتی تھی، پورنیا کا ایک بڑا بھائی ونکٹاراؤ بھی تھا۔

1760ء میں یہ خاندان تردکمبور چھوڑ کر ستی منگل آ گیا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنیے رنگیا کی ملازمت کر لی۔

رنگیا کے تعلقات سرنگا پٹم کے ایک بنیے سے تھے جس کے تعلقات آگے شاہی محلات سے تھے۔ اس تعلق سے پورنیا اکثر سرنگا پٹم جاتا آتا رہتا تھا۔ بعد میں پورنیا سرنگا پٹم کے اس بنیے کے پاس ملازم ہو گیا، اب اس کی آمد و رفت شاہی محلات میں ہو گئی۔

یہاں اس کی شناسائی داروغہ محلات شاہی کرشنا راؤ سے ہوئی۔ کرشنا نے نواب حیدر علی خاں سے سفارش کر کے اسے سرکاری ملازمت دلوا دی۔ یہاں سے اس کی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔

حیدر علی خان اور سلطان کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ اس کو نوبت، نقارہ، پالکی اور عماری کے علاوہ طلائی چیز پکڑنے کی بھی اجازت تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ سلطان نے اتنی نوازشیں کیں، آخر اس نے ایسی غداری، کمینگی اور نمک حرامی کا مظاہرہ کیوں کیا؟

اس سلسلے میں ماڈرن میسور میں لکھا ہے کہ:

پورنیا چونکہ ہندو تھا، اس لیے میسور کی سابق رانی لکشم ما نے اس سے درخواست کی کہ وہ میسور میں دوبارہ ہندو راج قائم کرنے میں اس کی مدد کرے۔ پورنیا نے

Marfat.com

رانی سے وعدہ کیا اور سلطان کے خلاف سازشوں میں شامل ہو گیا۔
مگر ۔۔۔ پورنیا بہت چالاک تھا اس لیے اس نے کھانڈے راؤ کی طرح کھل کر بغاوت نہیں کی (یعنی پوشیدہ رہ کر غداری کی)۔ اس کی اس پالیسی ہی کی وجہ سے انگریزوں نے اسے میسور کی نئی ہندو ریاست کا دیوان مقرر کیا اور اس کے تقرر کو رانی نے فوراً قبول کر لیا۔''

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پورنیا کی غداری کس قدر گہری تھی۔ سلطان کو پورنیا پر آخر وقت تک اعتماد رہا اور اس غدار پر ذرا بھی شک نہ ہوا۔

میسور میں مشہور ہے کہ حیدر علی خان نے اپنے آخری وقت میں سلطان کو ایک خط لکھا تھا جس میں تحریر تھا کہ:

''پورنیا اور میر صادق کو قتل کر دیا جائے۔''

۔۔۔ مگر افسوس کے سلطان نے باپ کی اس تحریر کو درخور اعتنا نہ سمجھا بلکہ اس نے ان پر اور زیادہ نوازشوں کی بارش شروع کر دی۔

اس سے سلطان کی طبیعت کے اس پہلو کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ حیدر علی کے برعکس غداروں اور ایمان فروشوں کو اخلاقی نار دے کر اپنا ہمنوا بنانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں سلطان کی ہر کوشش ہمیشہ ناکامی سے دوچار ہوئی۔

غلام علی لنگڑا، قمر الدین، معین الدین وغیرہ کے بارے میں سلطان کو علم تھا کہ وہ غداری کر رہے ہیں، بعض کو تو ایمان فروشی اور غداری کرتے ہوئے پکڑا بھی گیا لیکن سلطان نے ان کے ساتھ الطاف خسروانہ کا مظاہرہ کیا اور معاف کر دیا۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

یہی کہ ان غداروں اور نمک حراموں نے سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا۔

ماڈرن میسور کے مصنف کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ پورنیا کے دماغ میں خود ہی میسور میں ہندو راج قائم کرنے کا خیال تھا، اس لیے جب رانی لکشم مانے اسے اپنی سازشوں میں شریک ہونے کی دعوت دی تو پورنیا انکار نہ کر سکا۔

یہ ضرور ہے کہ پورنیا نے کسی سازش میں کھل کر حصہ نہ لیا لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ بند اور در پردہ سازش کھلی ہوئی سازش سے بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پورنیا کو کرشن راؤ کی سفارش سے سرکاری ملازمت ملی تھی اور کرشن راؤ اپنی سازش میں ناکام ہو کر گرفتار ہوا تھا اور اسے قتل کرنے کے لیے لے جایا

Marfat.com

جا رہا تھا تو اس نے کہا تھا:

......میں نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکے گی۔''

اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کرشن راؤ کے دوسرے ساتھیوں میں پورنیا بھی شامل تھا جو اپنی چالاکی کی وجہ سے پکڑا نہ جا سکا، اس طرح کرشن راؤ کا یہ کہنا صحیح ثابت ہوا کہ اس کی لگائی ہوئی آگ کو سلطان نہ بجھا سکے گا، اس لیے کہ کرشن راؤ کے بعد پورنیا جیسے بہت سے لوگ اس آگ کو جلانے اور ہوا دینے کے لیے موجود تھے۔

ہندوؤں کی سازش کا مرکز ''سری رنگا'' کا مندر تھا، وہاں یہ ہندو سازشی جمع ہوتے تھے، ایک مصنف نے ''سری رنگا'' کے بت کے بارے میں کیا خوب جملہ لکھا ہے:

''اگر اس بت کے زبان ہوتی تو وہ کہہ سکتا کہ اس کے سینے میں کس قدر راز پوشیدہ ہیں۔''

اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ سلطان اور فرانس کے درمیان جو عہد نامہ ہوا تھا، اس کی نقل رانی میسور کو سوائے پورنیا کے اور کوئی نہیں پہنچا سکتا تھا، رانی نے اس عہد نامے کی نقل اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کے ہاتھ گورنر مدراس کو بھیجی تھی جس نے انگریزوں کو سلطان کے خلاف چوکنا اور پہلے سے زیادہ ہوشیار کر دیا تھا۔

پورنیا اس قدر گہرا تھا کہ اس کی سازش آخری وقت تک بے نقاب نہیں ہوتی لیکن جب سب کچھ ہو چکا ہوتا ہے اور پورنیا کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اب سلطنت خداداد کا خاتمہ یقینی ہے وہ بالکل محفوظ ہے تو پھر یہ نمک حرام علی الاعلان اپنی غداری کو ظاہر کرتا ہے اور فصیل قلعہ میں شگاف پر اور جنوبی فصیل پر متعین فوج کو تنخواہ کے بہانے مسجد اعلیٰ کے پاس بلوا لیتا ہے اور اس طرح انگریز فوج کو قلعہ پر چڑھ آنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔

پورنیا نے کرشن راؤ کے اعلان اور انچے شامیا کی سازش کو عملی جامہ پہنا کر ثابت کر دیا کہ کرشن راؤ نے ٹھیک کہا تھا کہ جو آگ اس نے لگائی ہے وہ سلطان سے نہ بجھے گی۔

پس۔۔۔

پورنیا کی گہری سازش کامیاب ہوئی اور سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کارگزاری کے صلہ میں پورنیا کو میسور کی نئی ہندو ریاست کا وزیر اعظم بنا دیا گیا!

مؤرخ باسو نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

''یہ اسی سازش کا نتیجہ تھا کہ پورنیا کو میسور کا دیوان بنا دیا گیا۔''

مؤرخ رئیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

Marfat.com

''جب سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا تو پورنیا کو نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔ اگرچہ ترمل راؤ کو رانی کی سفارش حاصل تھی مگر مسٹر وب نے رانی کو ایک خط لکھ کر سمجھا دیا۔ یہ خط مرہٹی زبان میں تھا اور اس پر ''سری دب'' کے دستخط تھے۔

ایک اور تاریخ میں مذکور ہے:

''پورنیا'' حیدر علی خان اور سلطان دونوں کی ملازمت میں رہ چکا تھا لیکن وہ بغیر کسی حسرت اور افسوس کے اب اپنے نئے ہندو آقا کی ملازمت سے اس طرح منسلک ہو گیا ہے جیسے ملک میں کوئی انقلاب ہی رونما نہیں ہوا۔''

غداری اور نمک حرامی خواہ ہندو میں ہو خواہ مسلمان میں، ہے یہ بدترین گناہ! اس لیے جس طرح مسلمانوں میں میر صادق کا نام بطور منافق، غدار اور نمک حرام مشہور ہے، اسی طرح پورنیا کا نام بھی ہندوؤں میں منافق، نمک حرام اور غدار کے طور پر مشہور ہے، یہاں تک کہ وہاں کی ایک علاقائی زبان میں ایک شاعر نے میر صادق اور پورنیا پر ایک نظم لکھی ہے جو ہر جگہ گراموفون پر گائی جاتی تھی، (واضح رہے کہ آج کل گراموفون کا رواج متروک ہو گیا ہے)

O

4 مئی 1799ء کے ہنگامہ میں جو لوگ زندہ رہے ان غداروں میں خاص طور پر جو افراد قابل ذکر ہیں ان کے نام یہ ہیں:

پورنیا

قمر الدین

راجہ خاں

میر غلام علی لنگڑا

بدر الزماں نائطہ اور

غلام علی خاں بخشی

ان غداروں کو (سوائے پورنیا کے) کمپنی کی جانب سے پنشنیں دی گئیں۔ پورنیا کو غداری کے صلہ میں میسور کی نئی ہندو ریاست کا دیوان بنایا گیا، اس کے ساتھ ہی اس کو یلندور میں جاگیر بھی دی گئی جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپے تھی۔

یہ غدار سرنگاپٹم میں 1811ء میں مرا تھا۔

پورنیا کی کوٹھی سرنگاپٹم میں اسکاٹ باغ کے جنوب مشرق میں دریائے کاویری کی ایک شاخ کے کنارے واقع ہے اور اس پر اس کے نام کا پتھر بھی لگا ہوا ہے، یہ کوٹھی آجکل ''پورنیا باغ''

Marfat.com

کے نام سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ ہی ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات لکھنا بھی ضروری ہیں کیونکہ یہ دونوں بھائی تنجاور میں رہ کر سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔

یہ دونوں سگے بھائی تھے، ان میں سے ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد لیا تھا کہ سلطنت کی بحالی کے بعد اسے میسور کا دیوان بنایا جائے گا لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بنا کر نہ صرف اس کی ساری خواہشوں پر پانی پھیر دیا بلکہ ریاست میسور میں اسے قدم رکھنے سے بھی روک دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ مدراس ہی میں مقیم رہے۔

پروہانس آف میسور میں لکھا ہے کہ:

''جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کی خبریں ان دونوں بھائیوں کو ملیں تو انہوں نے گاڑیوں میں بھر کر لوگوں میں شکر بانٹی تھی۔''

OOO

Marfat.com

●

4 مئی 1799ء بمطابق 28 ذیقعد 1213 ہجری کو جو معرکہ سرنگا پٹم میں ہوا اور جس میں سلطان فتح علی خان ٹیپو نے شہادت پائی، اس معرکہ میں کام آنے والوں اور خاص خاص لوگوں کا ذکر الاعراس میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ قارئین کی معلومات کے لیے ذیل میں دیا جا رہا ہے:

بست و ہشتم ماہ ذی قعد 1213ھ بروز شنبہ در حرب نصاریٰ یورش قلعہ پٹن ٹیپو سلطان برحمت حق پیوست و قریب دوازدہ ہزار سپاہ (بارہ ہزار 12000) خاص و عام در آں روز شہید و کشتہ شدند

تاریخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

1213ھ

خاص خاص مرنے والوں اور شہیدوں کے نام ذیل میں دیئے جا رہے ہیں:

1- میر میراں محمد رضا خاں

2- میر میراں سید اشرف

3- میر میراں محمد حسین

4- میر میراں میر محمد صادق علی (ننگ ملت، ایمان فروش غدار)

5- آصف[1] سید محمد خان

6- نواب حسین علی خان شہید فرزند قطب الدین خان

7- غلام حسین داروغہ توشک خانہ

8- محمد یوسف داروغہ نعمت خانہ

9- غلام حیدر خان، میرزائے دفتر در مسجد

10- میر میراں سید غفار شہید

11- میر خازن شیخ اسماعیل

[1]۔۔۔ آصف بمعنی سیکرٹری

Marfat.com

12- آصف[1] شیر خاں
13- خازن سید بڈھن
14- میر نواب میر معین الدین
15- محمد ابراہیم عرض بیگی
16- مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد
سپہدار و تپدار و نوردار سپاہی وغیرہ دوازدہ ہزار کس کشتہ شدند از فرمانِ حق۔

○

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے، اس میں ایک نام میر میراں سید غفار کا ہے۔

سید غفار کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ سلطان کے سب سے زیادہ قابل اعتماد اور وفادار افسروں میں سے ایک تھا، اس کی تعیناتی 4 مئی کو فصیل کے شگاف اور فصیل کے قریب اس باغ کے سامنے تھی جس میں ایک غدار میر قاسم نے انگریز فوج کو لا کے چھپا دیا تھا۔

چونکہ قلعہ کا یہی حصہ سب سے زیادہ کمزور تھا، اس لیے حملہ اسی سمت سے ہونا تھا مگر میر میراں سید غفار کی موجودگی میں انگریز فوج کی ہمت نہ تھی کہ وہ فصیل پر آسکتی۔

چونکہ سازش تیار ہو چکی تھی، اس لیے میر معین الدین جو میر میراں سید غفار کا افسر تھا، اس نے سید غفار سے کہا کہ وہ سلطان کے پاس جا کے انہیں مطلع کر دے کہ آج قلعہ پر حملہ ہوگا، اس لیے محتاط اور تیار رہیں۔ سید غفار کو کیا پتہ تھا کہ اس کا افسر ہی ملک و ملت اور وطن سے غداری کر رہا ہے، وہ تعمیل حکم کے لیے سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی ایمان فروش میر معین نے انگریزوں کو اشارہ کر دیا اور انگریز فوج بغیر کسی مزاحمت کے باغ سے نکل کر فصیل پر پہنچی اور اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

ٹھیک اس وقت سید غفار، سلطان کو اطلاع دے کر واپس آیا تو انگریز فوج کو فصیل پر چڑھتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

ابھی وہ حالات کا اندازہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اس کے سر پر ایک سبز چھتری تان دی گئی جو اس بات کی نشانی تھی کہ سید غفار اس چھتری کے نیچے موجود ہے۔

یہ کام میر معین الدین نے کرایا تھا۔

سید غفار کی نشان دہی ہوتے ہی اس پر انگریز فوج کی طرف سے گولیوں کی بارش شروع ہو

---

[1] آصف بمعنی سیکرٹری

Marfat.com

گئی اور یہ وفادار اپنے ہی خون میں نہاتا ہوا شہید ہو گیا۔
اس کے ساتھ ہی انگریز فوج بے دھڑک فصیل قلعہ پر دوڑنے لگی۔

○

4 مئی کی اس قیامت عظمیٰ کا دوسرا شہید نواب حسین علی خان تھا، یہ وفادار 4 مئی کی صبح شہید ہوا تھا، اس سے پہلی شب میں جواں سال حسین علی خان کا نکاح ہوا تھا، ایک شب کا دولہا صبح ہی صبح اپنے مقام تعیناتی پر پہنچا، پھر دن کے تقریباً دس بجے اس کی لاش سلطان کے سامنے لائی گئی، مورچہ کی حفاظت کرتے ہوئے اسے گولہ لگا تھا۔

سلطان اس جواں سال اور صرف ایک شب کے دولہا کو لاش بنا دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔
''ہفت خوانِ حیدری'' کا مصنف لکھتا ہے کہ:

''جب نوجوان دولہا کی لاش گھر پر لائی گئی تو اس کی ایک شب کی دلہن کی آہ وزاری سن کر دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ سوگوار دلہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کر دی، وہ مدت العمر زندہ رہی مگر ہر دم اس کی زبان پر 4 مئی کے واقعات رہتے تھے۔''

اب تک ہم سلطان ٹیپو کو بحیثیت ایک حکمران اور سلطان دیکھتے اور پرکھتے رہے ہیں، اب آیئے سلطان شہید کو ایک انسان کے پیمانے پر جانچتے اور تولتے ہیں، اس میں ہم سلطان کے چہرے مہرے سے خدوخال، مشاغل اور عادات واطوار کا جائزہ لیں گے۔

سلطان کی شکل وصورت کے بارے میں میجر آلن کی ایک تحریر پہلے لکھی جا چکی ہے۔
''نشان حیدری'' کے مصنف اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلطان کا رنگ گندمی تھا، ناک خمدار اور آنکھیں پرآب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرے کے خدوخال نہایت نازک تھے اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ سلطان داڑھی منڈاتا تھا، گردن پر بل پڑتے تھے، قد پانچ فٹ اور آٹھ انچ تھا۔''

سلطان کے خدوخال کے اس تذکرہ سے سلطان کی اس طاقت کا قطعی اندازہ نہیں ہوتا جو اس کے بازوؤں، پٹھوں، کلائیوں اور خصوصیت سے پنجوں میں تھی۔

سلطان کی جسمانی طاقت ہی نے اسے ایک پھرتیلا، شمشیر زن اور ماہر شہسوار بنایا تھا، اس کی کلائیوں اور پنجوں میں یہ طاقت تھی کہ وہ شیروں اور چیتوں سے زور آزمائی کرتا تھا، ان درندوں کو سلطان نے پال رکھا تھا اور ان سے روزانہ زور آزمائی کرتا تھا۔

سلطان لباس بہت سادہ استعمال کرتا تھا، اس کا لباس شرعی ہوتا تھا۔ ٹھوڑی کے نیچے ایک

Marfat.com

سفید رومال باندھا کرتا تھا، کمر کی پٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔

گھوڑے کی سواری سلطان کو بہت پسند تھی، انتہائی مجبوری کی حالت میں پالکی یا کوئی دوسری سواری استعمال کرتا تھا۔

سلطان کا طرز کلام نہایت شیریں اور ملائم تھا، اس کی زبان سے کبھی کوئی سخت یا فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا اور اکثر اس کی زبان پر جملہ رہتا تھا:

''گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔''

سلطان عام طور پر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا حالانکہ اسے کنڑی اور دکھنی زبان پر بھی عبور حاصل تھا چنانچہ صاحب حملاتِ حیدری لکھتے ہیں:

''وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدر ضرورت بہرہ ور تھا، گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا، محتاط ایسا کہ کسی امر میں بمطابق خیر الامور اوسا طہا کے اعتدال سے باہر قدم نہ رکھتا تھا، ایسی مزاح و ہزل کا جس سے کسرِ شانِ اسلام پائی جائے، کیا امکان کہ اس پیر شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے۔''

سلطان ٹیپو غیرت وحمیت کا پتلا تھا۔ اس نے تمام عمر کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کی اور نہ دوسرے کو ایسے سلام کی اجازت دی۔[1]

1792ء میں جب سلطان کو میسور کی تیسری جنگ میں محصور ہو کر مجبوراً صلح کرنا پڑی اور لارڈ کارنوالس کو ایک لاکھ کی رقم اور دو بیٹے یرغمال کے طور پر انگریزوں کی تحویل میں دینا پڑے، اس دن سے سلطان نے بستر پر سونا چھوڑ دیا، وہ فرش زمین پر ایک کھدر کا موٹا کپڑا بچھا کر سوتا تھا، اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک انگریزوں سے انتقام نہ لے لوں گا، اس وقت تک چارپائی پر نہ سوؤں گا۔

سلطان شہید ہو گیا مگر اس نے دم آخریں تک چارپائی سے پیٹھ نہیں لگائی۔

سلطان کو تضحیک اور تمسخر کی باتیں بالکل پسند نہ تھیں، کسی کو اس کے سامنے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سلطان نے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں میں عجمی اور خصوصیت سے ہندو خصلتیں اس قدر سرایت کر گئی ہیں اور انہوں نے غیر اسلامی رسم و رواج کو اتنا زیادہ اختیار کر لیا ہے کہ انہیں شناخت کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جب تک یہ اپنی موجودہ حالت بدل کر زمانہ قدیم کے مسلمانوں جیسی سادگی اختیار نہیں کریں گے یہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے۔

1۔ اسلام میں اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت ہے یقیناً سلطان اسی اسلامی حکم کی متابعت میں ایسا کرتا تھا۔

Marfat.com

چنانچہ۔۔۔ سلطان نے تمام تکلفات کو برطرف کر دیا اور اپنی نشست و برخاست، سلام و آداب اور تحریر و تقریر میں ایسی سادگی اختیار کی جو آپ اپنا نمونہ بن گئی۔

سلطنت مغلیہ کے اثر سے درباریوں کو بادشاہ کے سامنے کئی بار جھک کے بلکہ زمین بوس ہو کے سلام پیش کرنا پڑتا تھا، بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہونا تو ایک عام بات تھی، یہاں تک کہ مسجدوں کے اندر بھی امیر و غریب کی تفریق پیدا ہو گئی تھی اور لوگ مسجد میں داخل ہونے والے امرا اور وزراء کو تعظیم پیش کرتے تھے۔

سلطان نے اس طریقے کو ختم کرنے کے لیے خود اپنے لیے یہ قاعدہ بنایا کہ وہ خاموشی سے سر جھکائے مسجد میں داخل ہو جاتا اور جہاں پر جگہ ملتی وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتا۔

سلطان کے معمولات بھی بہت سادہ مگر بے حد منظم تھے۔

سلطان علی الصبح بیدار ہوتا اور نماز فجر کے بعد کم از کم ایک گھنٹہ تلاوت کرتا، پھر نصف گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائنہ کرتا، اس کے بعد سیر کو جاتا۔

سیر سے واپسی پر سلطان ناشتہ کرتا، ناشتہ پر سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شہزادے اور ایک منشی ہوتا تھا۔

سلطان اکثر خطوط ناشتہ کے دوران ہی لکھاتا تھا، ان کے ناشتہ میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتا تھا۔

ناشتہ کے بعد سلطان فوج کے معائنہ کو جاتا۔

وہاں سے فارغ ہو کر محل آتا، اس وقت باہر سے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹیں سلطان کے سامنے پیش کی جاتیں اور اسی وقت احکامات صادر ہوتے تھے۔

رات کے کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور موجود ہوتے تھے۔ کھانے پر فنِ تاریخ اور شعرائے کرام کا ذکر رہتا۔

کھانے کے بعد چہل قدمی کی جاتی، پھر سلطان بستر پر چلا جاتا اور نیند آنے تک کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتا رہتا۔

سلطان پہلے مسہری اور چھپر کھٹ پر سوتا تھا لیکن میسور کی تیسری جنگ کے بعد، جس میں سلطان کو محصور ہو کر انگریزوں سے صلح کرنا پڑی تھی اور اس کے دو بیٹے انگریزوں کی تحویل میں بطور یرغمال چلے گئے تھے، تب سے سلطان نے چارپائی سے پیٹھ لگانا چھوڑ دیا تھا، وہ فرش پر موٹا کپڑا اچھا کر سویا کرتا تھا اور اس کا یہ معمول شہادت تک جاری رہا۔

سلطان کے روزانہ معمولات کے متعلق میسور گزیٹر کا مصنف لکھتا ہے:

Marfat.com

''سلطان میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام کیے اپنی سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔
سلطان روزانہ اپنے ہاتھوں سے اس قدر خط و کتابت کرتا تھا کہ دیکھ کر اس کی جفا کشی اور دل و دماغ پر حیرت ہوتی تھی۔''

سلطان بہت بڑا منشی تھا، طب، تجارت، معاملات مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور میں اسے یکساں قابلیت اور درک حاصل تھی، اس کا ثبوت ان خطوط کو پڑھنے سے ملتا ہے جو اس نے دوسرے لوگوں کو لکھے تھے۔

زوال سلطنت خداداد کے بعد سلطان کا ذاتی کتب خانہ کرنل کرک پیٹرک کے حوالے کر دیا گیا تھا، وہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں سلطان کی علمی قابلیت کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہے:

''سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل متمیز تھی، تحریر مختصر مگر اس قدر پر معنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی کئی معنی نکلتے تھے، اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے، الفاظ میں تحکم پایا جاتا تھا۔''

آر ایچ کیمبل لکھتا ہے:

''سلطان نہایت آسانی سے نظم و نثر لکھتا تھا اور اس کے مضمون میں ایک خاص شان پائی جاتی تھی، اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا اور نہ کسی سے سلام قبول کیا۔''

کتاب ''تحفتہ المجاہدین'' اور دوسری کئی کتب، جیسے وقائع منازل، احکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھی گئیں، ان میں بہت سے مضامین اور اشعار خود سلطان کے تصنیف کردہ ہیں۔

سلطان اپنے فرامین اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوتی تھیں، مہر لگا کر آغازِ عبارت پر اپنے ہاتھ سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اپنے قلم سے لکھتا اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کر دیتا تھا تاکہ اس میں کسی قسم کا اضافہ نہ ہو سکے۔

کتاب تحفتہ المجاہدین (فتح المجاہدین) میں فارسی اور اردو ابیات اور احکام ہیں، کتاب میں مصنف کا نام ہے:

''میر زین العابدین شوستری''

مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کی زیر نگرانی لکھی گئی ہے، اس سے اندازہ کیا

Marfat.com

جا سکتا ہے کہ سلطان کس قدر قادر الکلام شاعر اور نثر نگار تھا، اس سے اس کی اعلیٰ جنگی قابلیت اور فراخدلی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

میر زین العابدین، حیدر آباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے میر منشی تھے، ان کے متعلق کوئی ثبوت موجود نہیں کہ وہ زوال سلطنت خداداد کی کسی سازش میں شریک رہے ہوں لیکن حیدر آباد اور میر عالم کی سلطان کے ساتھ کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے سخت تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے انہیں کس طرح اس قدر اہم عہدہ دے رکھا تھا۔

سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی ایسی ہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔

سلطان کی علمیت اور علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگا پٹم میں ''جمیع مور'' کے نام سے اپنی زیرِ نگرانی ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔

اس یونیورسٹی کا کتب خانہ نہایت اہم اور بیش قیمت کتب پر مشتمل تھا۔ زوال سرنگا پٹم کے بعد سرنگا پٹم میں لوٹ مار ہوئی، اس کے بعد بھی اس یونیورسٹی کے کتب خانے میں مندرجہ ذیل ''قلمی کتب'' موجود تھیں:

قرآن مجید	44 جلدیں
کتب وظائف	35 جلدیں
علم اخلاق	24 جلدیں
احادیث	42 جلدیں
علوم وفنون (آرٹس)	19 جلدیں
نجوم	20 جلدیں
حکمت (طب)	62 جلدیں
فرہنگ ولغات	29 جلدیں
تفاسیر	41 جلدیں
تصوف	56 جلدیں
فقہ	95 جلدیں
الٰہیات	46 جلدیں
فلسفہ	54 جلدیں
ریاضی	7 جلدیں

Marfat.com

تحقیق زبان	45 جلدیں
کتب نظم	19 جلدیں
ہندی اور دوسری نظم کی کتابیں	23 جلدیں
ترکی نثر	2 جلدیں
ہندی اور دکھنی انشاء	4 جلدیں
قصص وحکایات	18 جلدیں

یہ کتب خانہ ماسوائے چند کتب کے تمام کا تمام ولایت بھیج دیا گیا، صرف چند کتابیں کلکتہ بھی بھیجی گئی تھیں۔

سلطان کے بارے میں میجر اسٹوارٹ اور پروفیسر آر ایس گھوش لکھتے ہیں:

''کتب خانہ کی ترتیب وتہذیب کے لیے ایک مہتمم مقرر تھا، سلطان کو تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا، اس کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں، یہ کتابیں زیادہ فوجی اور دیوانی معاملات پر مشتمل ہیں، سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے جو آج بھی یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

سلطان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جو کتاب پڑھ چکتا اس پر مہر ثبت کر دیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر اس کی مہریں ثبت ہیں۔

1799ء میں جب سلطنت خداداد زوال پذیر ہوئی تو سرنگا پٹم کا یہ کتب خانہ چھ سال تک نظر التفات سے محروم رہا اور کسی نے اس پر توجہ نہ دی، اس کے بعد میجر اسٹوارٹ نے اردو فارسی اور عربی مخطوطات کی ایک فہرست تیار کرائی جو 1808ء میں کیمرج میں چھپ کے تیار ہوئی۔

سلطانی کتب خانہ کی جو کتابیں اس سوسائٹی کے پاس ہیں، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

1- رسالہ پدکھا
2- منتخب ضوابطِ سلطانی
3- رسالہ کچہری
4- ضابطہ امثال
5- راہ رفتن وسواری
6- فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین)
7- وقائع منازل
8- روزنامہ وکلائے حیدر آباد
9- اتالیق شاہزادہ
10- مجموعہ سندات
11- حکمنامہ وفرامین

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہیں۔

Marfat.com

میجر اسٹوارٹ نے اپنی فہرست میں تمام کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

1- تذکرہ شعرائے ہندی مصنف: فتح علی حسین تصنیف 1165ء
2- علی نامہ مصنف: ملا نصرتی تصنیف 1071ء
3- گلشن عشق " تصنیف 1068ء
4- کلیاتِ قطب شاہ قطب شاہ تصنیف 1068ء

ان کتابوں کی تفصیل بہت طویل ہے اس لیے صرف نام درج کیے جا رہے ہیں۔

5- قصہ رضوان شاہ (فائز)، 6- قصہ ماہ پیکر (فائز)، 7- قصہ بہرام گل اندام (طبعی)، 8- پھول بن (ابن نشاطی)، 9- طوطی نامہ (ابنِ نشاطی)، 10- قصہ بدمات دکھنی (ابنِ نشاطی) 11- قصہ لعل و گہر (عارف الدین خاں)، 12- دیوانِ یقین (انعام اللہ یقین)، 13- بھوگ بل (مترجم شہاب الدین)، 14- مفرح القلوب (مترجم حسین علی)، 15 دیوان سودا، قصائد سودا (مرزا سودا)، 16- سری گنیش (بترجمہ)، 17- شندر سکھار ہندی (ترجمہ)، 18- دھوری ہندی (درویش گجراتی)، 19- روضۃ الشہداء (فارسی سے ترجمہ)، 20- رسالہ سرور وراگ (مترجم سیوا گلبرگہ)، 21 نشاط العشق ترح غوثیہ (ترجمہ)، 22- مفتاح الصلوٰۃ (مترجم فتح محمد برہانی)، 23- خلاصہ سلطانی (سید امام الدین و محمد صدِ قاضی سرنگا پٹم)، 24- کلید زبان تلنگی۔

ان کتب کے علاوہ ونڈسر کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی ہے جو شہنشاہ اورنگزیب کا لکھا ہوا ہے اور سلطان ٹیپو کے خزانے سے دستیاب ہوا تھا، یہ قرآن شریف کا نسخہ اس وقت دس ہزار روپے ہدیہ کا تھا۔ نہایت ہی نفیس خط میں لکھا ہوا اور عمدہ نقش و نگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کے لیے فتوے مرتب کروائے تھے، اس نے جمیع الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قائم کی تھی اس میں مذہبی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

سلطان کو ایجاد و اختراع کا بہت شوق تھا چنانچہ اس نے مہینوں کے نام ابجد کے حساب سے رکھے تھے۔ اس نے میسور کے تمام شہروں کے نام بھی بدل دیئے تھے۔

ذیل میں وہ چند نام دیئے جا رہے ہیں جو سلطان نے پرانے ناموں کو تبدیل کر کے رائج کرائے تھے۔

پرانا نام	نیا نام
جیش	عسکر
بندوق	تفنگ

Marfat.com

توپ	درخش
بان	شہاب
اشرفی	راحتی، احمدی، صدیقی
ہُن	فاروقی
اٹھنی	باقری
دونی	کاظمی
آنہ	آیہ

O

سلطان ٹیپو، سلطان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت زاہد اور متقی انسان بھی تھا، وہ بلا ناغہ نماز فجر کے بعد تلاوت کرتا تھا اور نماز کا اس قدر پابند تھا کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے گا؟

اس موقع پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ موجود تھے، طے یہ ہوا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے مگر وہاں صاحب ترتیب کوئی بھی نہ تھا۔

اس وقت سلطان نے کہا:

الحمدللہ، میں صاحب ترتیب ہوں۔"

اس طرح مسجد اعلیٰ میں پہلی نماز کی امامت خود سلطان ٹیپو نے کی۔

ایک بار ایسا ہوا کہ سلطان نماز عید کے بعد والدہ ماجدہ کی محلسرا میں سلام کے لیے گیا، بعد تسلیم و نیاز کے سلطان وہیں ایک کمرے میں لیٹ گیا اور اسے نیند آ گئی۔

اس دوران نواب بہادر حیدر علی خان کی دو منظور نظر کنیزیں اپنے حجروں سے نکل کے پاس پہنچیں اور اس کے پیر دبانے لگیں۔

سلطان کی آنکھ کھل گئی اسے کنیزوں کی اس حرکت پر سخت طیش آیا، اسے اندازہ ہو گیا کہ کنیزوں کا ارادہ کیا ہے:

وہ خوف خدا سے کانپ اٹھا۔

پھر اس نے ان کنیزوں سے کہا:

"یہ تم نے کیا کیا، تم میری مائیں ہو، میں اس روسیاہی پر قیامت کے روز اپنے باپ کو کیا جواب دوں گا؟"

پھر سلطان نے ان کنیزوں کو خواجہ سرا کے حوالے کیا اور حکم دیا

Marfat.com

''انہیں ایسی سزا دو کہ دوسروں کو عبرت ہو۔''

زنا سے سلطان کو اس قدر نفرت تھی کہ اس نے زانیوں کے لیے قتل کی سزا مقرر کی تھی۔

یہ واقعہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے ایک جنگ کے دوران معلوم ہوا کہ پائیں گھاٹ میں چند مسلمان عورتیں انگریزوں کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوئی ہیں، پس۔۔۔سلطان نے ان عورتیں کے قتل کا حکم دیا تھا۔

صاحبِ نشان حیدری لکھتے ہیں:

''سلطان اس قدر کامل الجہاد تھا کہ سوائے اس کے پیروں کے ٹخنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کسی نے برہنہ نہ دیکھا، یہاں تک کے وہ حمام میں بھی اپنے جسم کو چھپائے رکھتا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان حیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔''

سلطان کی یہ شرم و حیا داری صرف اس کی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے اس کا پرچار کیا، حیا کا احیا کیا، اس کے لیے قانون وضع کیا۔

مالا بار اور کرگ کی عورتیں قدیم زمانے سے سر اور سینہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور صرف ایک مختصر ساتہ بند باندھتی تھیں۔

سلطان نے فرمان جاری کیا کہ کوئی عورت سر اور سینہ کھول کر باہر نہ نکلے، اگر کسی نے فرمان کی خلاف ورزی کی تو اسے سزا دی جائے گی۔

چنانچہ، اس فرمان کے جاری ہوتے ہی وہاں کی عورتیں سر اور سینے پر کپڑا ڈال کر باہر نکلنے لگیں اور تہ بند بھی لمبا کر دیا گیا۔ میسور میں چولی پہننے کا رواج بھی سلطان کے اسی فرمان کا رہین منت ہے۔

رئیس نے اپنی تاریخ میں ہندو خواتین کی سلطنت خداداد کے قیام سے پہلے کے حالات پر ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

وہ لکھتا ہے:

''ہندو راج کے زمانہ میں عورتوں کی حالت حد درجہ گری ہوئی تھی، وہ ذلت اور خوف سے سہمی زندگی گزارتی تھیں، سر بازاران کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

بڑے بڑے شہروں میں سرکاری طور پر عورتوں کی فروخت کے لیے منڈیاں قائم تھیں، اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی جو ''سمایا چار'' کہلاتی تھی۔

Marfat.com

سلطان نے عورتیں کی فروخت کو ممنوع قرار دے دیا اور عورت کا گھر سے بے چادر باہر نکلنا جرم قرار دے دیا۔

انگریز مؤرخ مشرقی بادشاہوں کو بدنام کرتے ہیں کہ شاہی محل سراؤں میں سینکڑوں عورتوں کو بادشاہ اپنے عیش و آرام اور بدکاری کے لیے رکھتے تھے مگر سلطان کی ذات اس طرح کے کسی بھی عیب سے بالکل پاک اور مبرا تھی۔

ولکس جیسا متعصب مؤرخ بھی سلطان کی پاک بازی کا اعتراف کرتا نظر آتا ہے، وہ اپنی تاریخ میں اس کے متعلق لکھتا ہے:

> ''سلطان کے محل میں ایک وقت میں تین سے زیادہ بیگمات کبھی نہیں رہیں، سلطان کی شادی دو خواتین سے ہوئی تھی، ان میں جب ایک کا انتقال ہوا تو سلطان نے ایک اور شادی کی تھی، سلطان کی شہادت کے وقت اس کی کوئی بیگم زندہ نہ تھی۔''

اس سے پہلے دو کنیزوں کا سلطان کے پیر دبانے کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے، اس سے بھی سلطان کی کمال حیاداری اور پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے۔

والدین کی اطاعت گزاری میں سلطان اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ والدین، خاص کر والدہ کے ان احکامات کی بھی تعمیل کرتا تھا جو اس کے مزاج کے خلاف ہوتے تھے۔

میسور گزیٹر نے اس کی تصدیق اس طرح کی ہے:

> ''سلطان کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا، ماں کی نصیحت سے اس نے کبھی بے اعتنائی نہیں کی۔ اگرچہ بعض اوقات والدہ کی خواہشات اس کی مرضی کے بالکل خلاف ہوتی تھیں۔''

سلطان کی انسانی ہمدردی پر تو میسور کو آج بھی فخر ہے، شہر کے قریب چامنڈی کی پہاڑی پر کالی دیوی کا مندر تھا، اس مندر میں ہندو دیوی کی خوشنودی کے لیے انسانوں کی قربانی دیتے تھے۔

یہ رسم ہندوؤں میں قدیم زمانے سے چلی آ رہی تھی مگر سلطان نے اس رسم کو ''توہین آدم'' قرار دیا اور اس رسم کو قانوناً بند کرا دیا۔

میسور گورنمنٹ کی شائع کردہ کتاب ''راہنمائے میسور'' میں لکھا ہے کہ:

> ''اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا تھا، کالی کی پوجا اس مندر میں ہوتی تھی جو پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔
>
> زمانہ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی جو سلطنت حیدری (سلطنت

Marfat.com

خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی۔''

اس ہمدردی کے تحت سلطان نے پوری سلطنتِ خداداد میں سرکاری خرچ پر یتیم خانے قائم کیے، اس کام کی ابتدا حیدر علی خان کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ سلطان نے اس میں اضافے اور باقاعدگی پیدا کی۔

ان یتیم خانوں کے بارے میں ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

''سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان بچوں کو داخل کیا جو کرگ کی بغاوت کے بعد اپنے والدین کے ساتھ اسیر ہو کر آئے تھے۔ ان بچوں کو اسلامی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے سلطان کا مقصد اشاعتِ اسلام تھا، اس کے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ بھی تھی کہ جو بچے یہاں سے جوان ہو کر نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر لیے جائیں۔''

سلطان ترکی کے سلطان سلیم کی تقلید میں پنگچری فوج کی طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔''

ترکی کے سلطان سلیم نے حکم دے رکھا تھا کہ عیسائیوں سے جنگ میں جو لڑکے (بچے) گرفتار ہو کر آئیں ان کو ایک الگ جگہ پر رکھ کر پرورش کیا جائے۔ یہ بچے سلطان ترکی کے اپنے بچے کہلاتے تھے اور انہیں یہی بتایا جاتا کہ ان کے والدین سلطان اور سطانہ ہیں۔

ان بچوں کو بہترین غذا اور عمدہ ترین سپہ گری کی تعلیم دی جاتی تھی، جوان ہو کر یہ بچے انتہائی بہادر اور سلطان کے سب سے زیادہ وفادار فوجی ہوتے تھے۔

سلطان نے ان کی الگ فوج قائم کی اور اس کا نام پنگچری رکھا، سلطان خاص فوجیوں سے اپنی اندرونی بغاوتوں کو ختم کراتا اور انہیں بہت خاص خاص جنگوں میں استعمال کرتا تھا۔

پنگچری فوج کے سواروں کے سروں پر لمبی چونچ دار ٹوپیاں ہوتی تھیں اور یہ فوج دور ہی سے پہچان لی جاتی تھی۔

سلطان ترکی کی یہ فوج بہادر اور وفادار تو ضرور تھی لیکن آگے چل کر یہ اتنی خودسر ہو گئی کہ اسے مجبوراً ختم کر دیا گیا۔

سلطان شہید کی تخت نشینی سے پہلے میسور میں ''غلامی'' کا بھی رواج تھا، سلطان نے انسداد غلامی کا ایک فرمان جاری کر کے اس برائی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

اس حکم میں وضاحت کی گئی کہ لوگ اپنی مرضی سے دوسرے کی ملازمت اور نوکری تو اختیار کر سکتے ہیں مگر کسی کو ہمیشہ کے لیے غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

Marfat.com

سلطان کی رحم دلی کی ہزاروں داستانیں مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں، مرہٹوں سے جنگ کے دوران کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ:

سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ سپاہیوں کی زیادتی سے خوفزدہ ہو کر ایک گاؤں کی عورتوں نے دریا میں ڈوب کر اپنی جانیں دیدیں۔

سلطان یہ خبر سن کر غصے سے دیوانہ ہو گیا، اس نے ملزموں کو عبرتناک سزائیں دیں تاکہ آئندہ ایسا واقعہ رونما نہ ہو۔

اس جنگ کے دوران مرہٹوں کی بہت سی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں، سلطان نے ان عورتوں کو بڑی عزت کے ساتھ الگ خیموں میں رکھا۔

اگرچہ اس وقت مرہٹوں کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی مگر سلطان نے دوران جنگ ہی ان عورتوں کو گراں بہا تحائف دے کر سخت پہرے میں مرہٹوں کے مرکز پونا بھجوا دیا۔

ایک شب میدان جنگ میں سلطان اپنے خیمے میں آرام کر رہا تھا کہ اسے کسی کے کراہنے کی آواز آئی، سلطان بے چین ہو گیا، اٹھ کے باہر گیا اور خود حال دریافت کیا۔

معلوم ہوا کہ قیدی پیاس سے بے حال ہیں۔

سلطان نے انہیں خود پانی پلایا اور اس وقت تک خیمے کے اندر واپس نہیں گیا جب تک وہ قیدی سو نہیں گئے۔

سلطان ٹیپو بیک وقت کئی قسم کے علوم و فنون کا ماہر تھا، بورنگ اپنی تاریخ میں سلطان کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''وہ وزارت کا کام کر سکتا تھا، سپہ سالاری میں طاق تھا، امیر البحر تھا اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔
>
> اس کی جنگی مہارت اور قابلیت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ جس وقت جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے امیرانِ یم میں جہازوں کے نمونے تک بھیج دیئے تھے کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کیے جائیں۔
>
> جہازوں کے پیندے کے متعلق ہدایت ہوتی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں نیز جہازوں کی لکڑی کے لیے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا۔''

میدان جنگ میں سلطان کی قابلیت اور شہرت محتاج بیان نہیں، مدراس پر اس کا مشہور دھاوا ،بیلی، بریتھ وائٹھ' فلوٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت مہیا کرتی ہیں مگر 1799ء کی جنگ میں میڈوز نے شکست کے متعلق ایک انگریز افسر لکھتا ہے:

Marfat.com

''اس نے میدان جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا جو حیدر علی کا طرہ امتیاز تھا، اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اپنی سوار فوج میں نمایاں کمی کر دی اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا جس کی وجہ سے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے نہیں ہو پائے جو ان جنگوں سے پہلے حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے۔''

کرنل آرتھر ولز لی جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا، لکھتا ہے:

''اس کی سوار فوج دنیا کی بہترین فوج ہے ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں سے ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا، اگر یہ نہ ہوتا تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم بنگلور کو چھوڑ کے آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔''

کرنل آرتھر نے بھی اس تحریر میں صاف طور پر اعتراف کیا ہے کہ اس نے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا اس لئے قلعہ سرنگا پٹم تک بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گیا، یہ غیر معروف راستہ اسی غدار میر قاسم کا بنایا ہوا تھا جو کہ انگریز فوج کو اس باغ تک لے گیا جس میں چھپی ہوئی فوج قلعہ سے دکھائی نہ دیتی تھی۔

اس کے بعد اسی ایمان فروش نے اس فوج کو اس وقت بھی راستہ دکھایا تھا، جب سید غفار کو میر معین الدین نے سبز چھتری کے نیچے انگریز فوج کی گولیوں سے چھلنی کرا دیا تھا۔

سلطان کی شکست کی وجہ اس کی جنگی قابلیت کا فقدان نہیں بلکہ اس کے امرا اور وزراء کی غداری تھی، بالکل اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترک سلطنت اور ملا شور بازار کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ الٹا گیا تھا۔

جس طرح نواب حیدر علی خاں قلعہ بنانے میں مشاق تھے، اسی طرح سلطان ٹیپو بھی قلعے تعمیر کرانے کے فن سے پوری طرح واقف تھا۔ اس کے بنائے ہوئے قلعے آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح سلطان انجینئرنگ کے فن میں بھی طاق تھا۔

کرنل ولز لی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

''جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں پہنچے تو یہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نقشہ، چند کاغذات جن پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا۔''

Marfat.com

سلطان کی شجاعت اور بہادری میں تو کوئی شبہ کر ہی نہیں سکتا، وہ دست بدست جنگوں میں بذاتِ خود شریک ہوتا اور شمشیر زنی کے جوہر دکھاتا تھا۔

شیر کا شکار سلطان کی بہترین تفریح تھی، سلطان کی بہادری کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔

ایام شہزادگی میں شہزادہ ٹیپو ایک فرانسیسی کے ساتھ جنگل میں شیر کا شکار کھیلنے گیا، یہ دونوں انتظار میں تھے کہ اچانک شیر سامنے آ گیا۔

فرانسیسی نے فوراً اپنی بندوق سنبھالی اور چاہا کے شیر پر گولی چلائے، شہزادے کو اس کی یہ بات سخت ناگوار گزری، اس نے فرانسیسی سے بندوق چھین لی، پھر خود دودھاری تلوار سونت کر شیر کی طرف بڑھا، شیر جست لگا کر شہزادے پر گرا۔

شہزادہ پینترا بدل کر ایک طرف ہوا اور تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ شیر کی اگلی دونوں ٹانگیں قلم ہو گئیں زخمی شیر زور سے دھاڑا اور کٹی ٹانگوں کے ساتھ دوبارہ شہزادے پر چھلانگ لگا دی۔

شہزادہ اس بار بھی پینترا بدل کر ایک طرف ہو گیا اور اس پر ایسا وار کیا کہ شیر کی پچھلی دونوں ٹانگیں بھی کٹ گئیں۔

اب شیر بغیر ٹانگوں کے زمین چاٹ رہا تھا۔

اور...... فرانسیسی شکاری کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

سلطان کی یہی وہ مردانگی تھی کہ وہ آخری وقت تک دادِ شجاعت دیتا ہوا لڑتا رہا اور اس نے اپنے قول کی تصدیق کر دی کہ:

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔''

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے، شیر کی لڑائی، صفات اور اس کا رنگ سلطان کو اس قدر پسند تھا کہ اس کے محلات، اس کی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

سلطان کے تمام ہتھیاروں پر:

''اسد اللہ غالب''

کندہ تھا۔

○

میسور میں یہ روایت بھی زبان زدِ خاص و عام ہے کہ نواب بہادر علی خان نے نظام الملک میر نظام علی خان والی دکن کو پیغام بھیجا تھا کہ:

''گر آپس میں شادیاں ہو جائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہے گا۔''

Marfat.com

اس سلسلہ میں نواب نے تجویز پیش کی کہ نظام الملک کی دختر سے سلطان ٹیپو کی شادی کر دی جائے چنانچہ حیدر آباد سے شہزادے کی تصویر طلب کی گئی اور چند مشہور مصور حیدر آباد سے سرنگا پٹم بھیجے گئے تا کہ شہزادے کی تصویر بنا سکیں۔

شہزادہ ان مصوروں کو محل کے اس حصے میں لے گیا جہاں اس نے اپنے شیر پال رکھے تھے، ایک مصور نے حیران ہو کر پوچھا:

''شہزادہ بہادر، ان شیروں کا آپ کی تصویر سے کیا تعلق ہوگا؟''

شہزادہ نے جواب دیا:

''میں ان شیروں سے کشتی لڑوں گا اور تم تصویر بناؤ گے کیونکہ مردوں کی بہترین تصویر، ان کی جوانمردی ہوتی ہے۔''

کاش!

شہزادے کی شادی نظام کی دختر سے ہو جاتی تو ممکن تھا کہ سرنگا پٹم اس عظیم المیہ سے دوچار نہ ہوتا جو 4 مئی 1799ء کو سلطان کی شہادت سے شروع ہوا۔

مگر۔۔۔ کارخانہ قدرت کے نظام پر کسی کو اختیار نہیں۔ اس وحدہ لاشریک کے سب ہی رنگ نرالے اور نیارے ہوتے ہیں۔

میسور گزیٹر کا مصنف سلطان کے اوصاف کے ذیل میں لکھتا ہے:

''اس کی سپاہیانہ زندگی، ذاتی بہادری اور بے جگری اور ایسے وقت میں بھی جب اس کی شکست یقینی تھی اس کا اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ نہ کرنا، شجاعت اور جوانمردی کی وہ بینظیر مثال ہے جس کے لیے وہ حد درجہ تعریف کا مستحق ہے۔

ان لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا، اس نے کبھی بے وفائی نہیں کی۔

میسور کی چوتھی لڑائی میں (1799ء) انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں اُن کے حوالے کر دیئے جائیں تو اس کا تخت و تاج بچ سکتا ہے۔

لیکن۔۔۔ اس کی شجاعت نے اسے گوارا نہ کیا۔

یہ بات مشہور ہے کہ سکندر اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بونا پارٹ دنیا کا سب سے عظیم سپہ سالار فاتح اور جنرل تھا۔

بے شک نپولین بہت بڑا فاتح تھا لیکن اگر نپولین اور سلطان شہید کے آخری لمحات کا موازنہ کریں تو یہ حیرت ناک بات سامنے آتی ہے کہ سلطان شہید کی شخصیت، نپولین کی

Marfat.com

شخصیت سے کہیں زیادہ عظیم، ذی وقار اور شاندار ہے۔

یہ درست ہے کہ نپولین نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں مگر جب اسے اپنے امراء کی سازش اور غداری کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے اپنے وطن کو دشمن کے سپرد کرتے ہوئے دشمن کی اطاعت قبول کرلی۔

نپولین کو قید کر دیا گیا اور اسی قید میں وہ مر گیا۔

مگر۔۔۔

جب سلطان پر یہ وقت آیا اور اسے بھی اپنے امرا اور وزراء کی سازشوں اور غداریوں کی وجہ سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو اس نے انگریز کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے اپنی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدانِ جنگ میں ملک وملت کا دفاع کرتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا۔

اس طرح سلطان شہید نے اپنے لیے وہ موت پسند کی جس کے لیے اس کا ہم عصر دوست نپولین بونا پارٹ ہمیشہ ترستا رہا

O

سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی اور اسی دولت نے انہیں راہ راست سے بھٹکا دیا تھا، ان میں آرام طلبی اور عیش پرستی حد درجہ بڑھ گئی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حکومت سے لاپرواہ ہوتے چلے گئے اور ان کا زیادہ وقت بے وقت اور بے مقصد خانہ جنگیوں میں گزرنے لگا۔

اس سے ہندوستان میں آنے والی مغربی قوموں کو یہ موقع ملا کہ وہ تجارت کے نام پر اپنی حکومتیں ہندوستان میں قائم کرنے لگے، انہیں اپنی سلطنت کے قیام اور وسعت کا خیال مسلم حکمرانوں کے آئے دن کی آپس کی لڑائیوں سے پیدا ہوا۔

سلطان نے اپنے والد نواب حیدر علی خان کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی شاطرانہ چالوں کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔

اور خود ان سے نبرد آزما بھی ہوا تھا۔

کرناٹک کے والا جاہ محمد علی دکن کے نظام الملک اور مرہٹوں کی انگریز دوستی اس کے سامنے تھی۔ نواب حیدر علی خان نے چوتھی جنگ لڑی تھی۔ انہوں نے انگریزوں، نظام اور مرہٹوں سے الگ الگ بھی جنگ کی تھی، اور ان کی متحدہ طاقت کو بھی پاش پاش کیا تھا۔

پھر سلطان ٹیپو کا زمانہ آیا تو یہی تمام طاقتیں اس کے آگے صف آرا ہوگئیں۔ سلطان

Marfat.com

جوانمردی اور شجاعت میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا مگر نواب مرحوم کے دربار میں ملک و ملت فروش کم تھے، پھر نواب مرحوم اپنے دشمنوں اور غداروں کی سخت پکڑ کرتا تھا اور انہیں معاف کرنے کی بجائے سخت سزائیں دیتا تھا جس سے دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی تھی۔

حیدر علی خان چونکہ ان پڑھ تھے اس لیے ان کے مزاج میں سختی اور اکھڑ پن تھا جبکہ سلطان شہید ایک عالم فاضل اور بڑا انسان تھا۔

چنانچہ سلطان ٹیپو نے مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے سختی اور سنگین سزاؤں کے بجائے ان میں جوشِ جہاد پیدا کرنے اور ابھارنے کا قصد کیا اور اس کے لیے عملی اقدامات کیے۔

سلطان نے مسلم قوم کی برائیوں کا واحد علاج یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد کا درس بھی غیر ملکیوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔

پس۔۔۔۔

سلطان نے یہ بات مسلمانوں کو سمجھائی کہ اسلام اور آزادی دو الگ الگ نظریے نہیں ہیں، اسی لیے اس نے اپنی کتاب ''فتح المجاہدین'' میں مسلمانوں کو خاص طور پر جہاد کی تعلیم دی۔

اس کتاب میں بہت سے مسائل ہیں جن میں سے صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کتاب کے صفحہ 21 پر تحریر ہے۔

''جہاد با کفار از برائے نصرت دین محمد ﷺ اسلام است۔''

ترجمہ: کافروں سے جہاد دراصل نصرت اسلام کا دوسرا نام ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ 50 پر لکھا ہے۔

''نیکو نیست باج دادن با کفار با قاعدہ بر جہاد''

ترجمہ:

''جہاد کی طاقت رکھتے ہوئے کافر کو خراج دینا نیکی نہیں ہے۔''

○

سلطان نے مسلمانوں میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کے لیے ''زید المجاہدین'' کے نام سے اپنے جمعہ کے خطبات کی تدوین کا حکم دیا، یہی خطبات مسجدوں میں بھی پڑھے جاتے تھے۔ اس کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو خطبے عیدین کے ہیں۔

سلطان نے اس کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں، خود اس طرح بیان کیا ہے۔

''اس زمانہ میں کہ تیرھویں صدی ہجری ہے اور اس وجہ سے سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ زادوں اور نمک حراموں کی وجہ سے تباہی آ گئی ہے اور ایک غیر قوم روز بروز غلبہ پاتی ہوئی ملک

Marfat.com

پر مسلط ہوئی جا رہی ہے، خطہ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس اوراحکام مذہب سے بے نیاز ہو گئے ہیں، اس لیے بحکم سلطانی خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔

اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں تھے مگر اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہوگئی ہے اس لیے فارسی کو موزوں سمجھا گیا۔''

○

ایک بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ سلطان اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے باوجود بے انتہا روادار اور بے تعصب تھا لیکن متعصب مؤرخین نے سلطان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس میں انگریزوں کا ایک مقصد پوشیدہ تھا۔

دراصل انگریز ہندوستان میں ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل پیرا تھے چنانچہ انہوں نے ایسی تواریخ مرتب کرائیں جنہیں پڑھ کر ہندو، مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔

چونکہ انگریز اور ہندو دونوں ہی مسلمانوں کے خلاف تھے، اس لیے ان کے گٹھ جوڑ سے جنوبی ہند کی تاریخ ایک خاص ڈھب سے ترتیب دے کر لکھی گئی، ایسی لکھی جانے والی تاریخوں میں کوئی حوالہ یا کوئی سند نہ ہوتی تھی۔

پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور بعد میں آنے والی نسلوں میں یہی غلط تواریخ رواج پاتی گئیں، ورنہ اگر ذرا سی بھی تحقیق کر کے تاریخ لکھی جاتی تو میسور کا ذرہ ذرہ سلطان کی رواداری کا شاہد تھا۔

ریاست میسور میں داخل ہوتے ہی ہمیں ہندوؤں کے مندر دکھائی دیتے ہیں، ان میں سے بعض مندر ہزار ہا ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔

اگر سلطان ذرا بھی متعصب ہوتا تو ان مندروں اور عبادت گاہوں کو زمین بوس کرا سکتا تھا، لیکن اس نے تو اپنے زمانے میں ان مندروں کے لیے جاگیریں مقرر کی تھیں، ان جاگیروں کے کاغذات اور اس سلسلے میں سلطان کے فرامین اب بھی ان مندروں میں موجود ہیں اور ان کی بناء پر آج تک ان مندروں کو مراعات حاصل ہیں۔

ریاست کے دارالسلطنت سرنگا پٹم پر اترتے ہی سب پہلے نظریں دو بڑے بڑے مندروں پر پڑتی ہیں جو سٹیشن کے بالکل قریب ہیں۔

سلطان کا محل ان مندروں کے بالکل پاس تھا، محل کے پیچھے بلکہ محل سے بالکل ملا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے بنگلور میں بھی محل سے بالکل متصل ایک مندر آج بھی موجود ہے۔

ان مندروں کے علاوہ سرنگری، بیلور، نجن گڑھ اور السور (بنگلور) وغیرہ میں سینکڑوں سال

Marfat.com

پرانے مندر موجود ہیں، سلطان نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے ان کے اخراجات کے لیے جاگیریں عطا کیں، سلطان ان مندروں کے پنڈتوں اور پجاریوں کی بہت عزت کرتا تھا جس کا ایک ثبوت ریاست کے آرکولاجیکل کی رپورٹیں سے بخوبی ملتا ہے۔

ایسی ہی ایک رپورٹ میں لکھا ہے:

''سرنگری کے مندر میں حیدر علی خان اور سلطان ٹیپو کے تین تین خطوط اور فرمان ملے ہیں ان خطوط اور فرامین میں سلطان نے سن ہجری کے ساتھ ساتھ سن (یہ سن سلطان نے ایجاد کیا تھا) بھی استعمال ہوا ہے۔

ان میں سرخ رنگ کا کاغذ استعمال ہوا ہے اور بعض کی لوح پر سلطان کی مہر بھی لگی ہے۔

''ان خطوط میں سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھے ہیں اور اپنے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا القاب نہیں لگایا، ان خطوط سے میسور کی تیسری لڑائی پر روشنی پڑتی ہے۔''

سلطان ٹیپو کی ہندوؤں کے ساتھ رواداری کی مثال ان خطوط سے ملتی ہے جو سلطان اور سرنگری مندر کے گرو نے ایک دوسرے کو لکھے تھے۔

قارئین جانتے ہیں کہ میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں، نظام اور مرہٹوں کی متحدہ فوجوں نے سلطان پر حملہ کیا تھا، اس حملہ میں مرہٹوں کا سپہ سالار اگرچہ پرسورام تھا، مگر اس نے اپنے حملہ کے دوران سرنگری کو لوٹ کر برباد کر دیا تھا۔

چنانچہ مندر کے گرو نے سلطان کو لکھا کہ:

''مرہٹی فوج نے سرنگری کے مندر کو لوٹ کے تباہ کر دیا ہے، مارزا دیوی کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے مندر کا سامان جس کی قیمت 60 لاکھ کے قریب ہے اور مندر کے تمام ہاتھی گھوڑے بھی مرہٹے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

گرو کے اس خط کے جواب میں سلطان نے اسے لکھا:

''ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں، اس لیے یہ آپ کا اور مندر کے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ دشمنوں کی تباہی کے لیے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور رعایا خوش و خرم رہے۔''

ان لوگوں کو، جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے باز نہیں آتے، بہت جلد

Marfat.com

انہیں اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔
لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں مگر خمیازہ روتے ہوئے بھگتنا ہوگا۔
گروؤں سے دغابازی خود اپنی نسل منقطع کرنے کے برابر ہے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکم نامہ آصف کے نام بھیجا تھا جس میں حاکمِ علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دو سو راستی (سونے کی اشرفیاں) نقد اور 200 راحتی کی اجناس گرو کی خدمت میں پیش کرے، ایک دوسرے خط میں سلطان نے گرو کو تحریر کیا تھا کہ:

"آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی آپ کو ضرورت ہو وہ حاصل کر لیں، اس رقم سے مارزا دیوی کے بت کو نصب کرتے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کے لیے دعا کریں، آپ کا بھیجا ہوا پرساد اور شالیں موصول ہوئیں۔
آپ کے استعمال کے لیے ایک جوڑی شال اور دیوی کے بت کے لیے کپڑے ارسال کیے جاتے ہیں، آپ کی سواری کے لیے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے۔"

گرو نے سلطان سے شکایت کی تھی کہ ان کے چیلوں پر باہر جانے پر سرکاری افسروں نے پابندی لگا دی ہے، سلطان نے اپنے ایک حکم میں اس پابندی کو فوراً منسوخ کر دیا۔

ماہِ حیدری کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ گرو نے مندر میں دو خاص رسوم ادا کرنے کے لیے سلطان کو درخواست پیش کی تھی یہ رسوم مسلسل 48 دن تک جاری رہتی تھیں۔

اس کے جواب میں سلطان نے ایک طرف تو نگر کے آصف کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ گرو کے پاس جا کر اندرسومات کے جملہ انتظامات کرائے اور ہر طرح ان کی مدد کرے۔
اس کے ساتھ ہی سلطان نے گرو کو لکھا۔

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق آصف کو حکم بھیج دیا گیا ہے۔"

○

ملباڑی یا سگالی نام کی ایک جنگلی قوم سرنگری کے مندر کے قریب واقع جنگل میں رہتی تھی، وہ اکثر مندر پر حملہ کر کے لوگوں کو پریشان کرتی رہتی تھی، اس سے محفوظ رہنے کے لیے گرو نے سلطان کو خط لکھا، سلطان نے فوراً سپاہیوں کا پہرہ مندر کے گرد لگوا دیا، پھر جنگلیوں کو باہر آنے یا مندر پر حملہ کرنے کی دوبارہ ہمت نہ ہوئی۔

مندر کے ایک اور ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مارزا دیوی کے بت کے

Marfat.com

استعمال کے لیے ایک پالکی اور ایک دوسری پالکی گرو کے استعمال کے لیے بذریعہ چوبدار فقیر محمد، گرو کو سرنگری بھیجی تھی۔

اس مندر کے ریکارڈ میں ایک اور خط موجود ہے جس میں سلطان نے ضلع کے عامل سید محمد کو حکم دیا ہے:

''سوامی جی سمندری غسل کے لیے جانے والے ہیں، انہیں سفر میں تمام ضروریات مہیا کی جائیں۔''

میسور کی تیسری جنگ میں مرہٹے اس مندر کا تمام سامان لوٹ کر لے گئے تھے، گرو نے سلطان سے درخواست کی کہ اسے مرہٹوں کے مرکز پونا جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ خود وہاں جا کر پرسورام بھاؤ سے مندر کے سامان کی واپسی کے لیے گفتگو کر سکیں۔

سلطان نے فوراً ان کے جانے کے لیے راہداری اور تمام سفری ضرورتوں کا انتظام کرا دیا، گرو آرام سے پونا پہنچ گئے۔

وہاں انہوں نے سامان کی واپسی کی بہت کوشش کی مگر انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی حالانکہ پونا میں انہوں نے ایک طویل عرصہ گزارا۔

سرنگری کا مندر جنوبی ہند اور میسور میں بہت متبرک خیال کیا جاتا تھا، اس مندر کا گرو وہاں کے راجاؤں مہاراجاؤں کا رہنما تصور کیا جاتا تھا اور اسے تمام شاہی تقریبات میں مدعو کیا جاتا تھا۔

سلطان نے اپنی غیر مسلم رعایا اور ان کے مندروں کو جو مراعات دی تھیں ان کی تفصیل کے لیے الگ سے ایک کتاب کی ضرورت ہے، مختصر یہ کہ سلطان کے وہاں کے مندروں کو جو نقارے اور برتن عطا کیے تھے وہ آج بھی وہاں موجود ہیں اور اپنی زبان حال سے سلطان کی رواداری کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

OOO

Marfat.com

●

سلطان ٹیپو شہید کی زندگی اور سلطنت خداداد کے عروج وزوال کی کہانی اس قدر تفصیل سے بیان کرنے کے باوجود اب بھی تشنہ اور نامکمل ہے کیونکہ سلطان کی ذات میں خداوند کریم نے اس قدر صفات سمودی تھیں کہ اس کے ہر وصف کے بیان کے لیے ایک باب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

سلطان ٹیپو پر اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ اگرچہ کچھ کم نہیں مگر اس کی زندگی کے ابھی اور بہت سے ایسے گوشے ہیں جن پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

سلطان کی ذات وصفات پر لکھنے والوں نے تو یہ لکھا ہے کہ:

> ''ہندوستان کی پرانی تاریخوں میں سلطان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ سے تیار ہونے والی ایک مکمل سازش کے تحت لکھا گیا تھا جس کا مقصد سلطان کو ہندوؤں، مسلمانوں اور عالم اسلام میں بدنام کرنا تھا، ضرورت اس بات کی ہے کہ سلطان پر نہ صرف مزید تحقیق کی جائے بلکہ ہمارے دور کی تاریخوں میں غفلت یا کسی اور وجہ سے سلطان شہید کے بارے میں جو غلط بلکہ بے سروپا باتیں لکھی گئی ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور انہیں تاریخوں سے حذف کرنے کا سرکاری اور غیر سرکاری طور پر انتظام ہونا چاہیے۔''

سلطان کے حالات اور واقعات کے ذکر کے بعد یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا بھی مختصر حال بیان کیا جائے جسے سرنگا پٹم کہا جاتا ہے۔

اس شہر کو نہ صرف سلطنت خداداد میسور کے دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ اپنے دور کا ایک عظیم الشان شہر تھا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ سرنگا پٹم،

ماضی میں کس حالت میں تھا؟

اور۔۔۔آج کس حال میں ہے؟؟

اس صفحہ کے بالمقابل سرنگا پٹم کا ایک نقشہ دیا جا رہا ہے جس میں ان تمام مقامات کی نشاندہی

Marfat.com

کی گئی ہے جہاں 4 مئی 1799ء کو قیامت صغریٰ برپا ہوئی تھی اور سلطان ٹیپو اپنے ایمان فروش، نمک حرام اور غدار امراء اور وزراء کے ہاتھوں اپنے ہی خون میں نہا کر شہید ہو گیا تھا۔

سلطنت خداداد میسور کے دارالسلطنت سرنگا پٹم کا جو حال سلطان ٹیپو کی زندگی میں تھا، اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''سرکار خداداد میسور سرنگا پٹم کا نام سلطان نے ظفر آباد رکھا تھا، یہ میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک جزیرہ ہے، اس کی لمبائی چار میل سے کچھ زیادہ اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے۔

اس شہر کی بنیاد نویں صدی عیسوی میں پڑی تھی۔

جنوبی ہند میں عہد قدیم میں وجیانگر کی ایک عظیم ہندو ریاست تھی سرنگا پٹم کا راجہ وجیانگر کے ماتحت تھا، اس نے 1454ء میں راجہ کی اجازت سے سرنگا پٹم میں قلعہ تعمیر کرایا اور 1460ء میں اسے اپنی راجدھانی بنایا، اس وقت سے 1799ء تک یہ شہر دارالسلطنت ہی رہا۔

1761ء میں نواب حیدر علی خان میشور کے قدیم راجہ خاندان کو معزول کر کے خود برسر اقتدار آئے، اس وقت سے لے کر زوال سلطنت خداداد یعنی 40 سال تک اس شہر کو جو عروج حاصل رہا وہ تاریخ کا ایک درخشاں اور تابندہ باب ہے۔

حیدر علی خان نے سرنگا پٹم کے پرانے قلعہ کو گرا کر اس کی جگہ نیا قلعہ تعمیر کیا۔

حیدر علی خان کے بعد ان کے بیٹے سلطان ٹیپو نے اس میں متعدد تبدیلیاں کیں، قلعہ کے اندر دوسری فصیل اور خندق بنوائی، انگریزوں نے اس فصیل کو گرا کر خندق پر کروادی تھی۔''

زوال سے قبل 1792ء میں سرنگا پٹم کی جو کیفیت تھی اسے کارنوالس کا سٹاف آفیسر میجر ڈیرام یوں بیان کرتا ہے:

''اس وقت قلعہ سے لے کر لال باغ تک آبادی ہی آبادی تھی، اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے گھرا ہے۔ (یہ وہی گنجام ہے جہاں غدار میر صادق کا محل تھا، گنجام جاتے ہوئے اسے ایک وفادار سپاہی نے جہنم رسید کر دیا تھا) اس کے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم ہے اور ہر مربع کے چاروں طرف وسیع، فراخ اور خوش نما سڑکیں ہیں جن کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگے ہیں، اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری

Marfat.com

ضروریات کے لیے ہر قسم کی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

گنجام سے مشرقی جانب وہ باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے، یہ نہایت خوش نما باغ ہے اور اس میں انواع واقسام کے پھل دار درخت لگے ہیں، روشوں کے دونوں طرف شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں۔

شہر کے مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں جن کے اوپر سے قدیم مندروں اور مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں، یہ ایک بے حد دل کش منظر پیش کرتے ہے۔

قلعہ اور باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کو دیکھا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہند کا یہ عروس البلاد اس دور کا متمول ترین خوبصورت ترین اور سب سے زیادہ سکون بخش خطہ زمین تھا۔"

1804ء میں یعنی سرنگا پٹم کے زوال کے بعد ایک انگریز مورخ یہاں آیا، وہ لکھتا ہے:

"شہر کی آبادی 3 لاکھ کے قریب ہے۔"

سلطنت خداداد میسور کے اس خوبصورت دارالسلطنت میں داخل ہونے کے لیے دریائے کاویری پر دو پل ہیں۔ ایک شمالی جانب اور دوسرا جنوب میں ہے۔ شمال مغربی سمت میں سلطان نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پل کی بنیاد رکھی تھی جواب بھی موجود ہے۔

قلعہ میں داخل ہونے کے لیے متعدد دروازے ہیں۔

مشرق میں بنگلوری دروازہ

جنوب میں میسوری دروازہ اور ہاتھی دروازہ

شمال میں پانی دروازہ اور،

شمال مغرب میں دہلی دروازہ ہے۔"

آج ۔۔۔ اس جزیرے میں مسجد اعلیٰ، اوریا باغ، مقبرہ اور مسجد کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں، قلعہ کے اندر پٹن میں تھوڑی سی آبادی ہے۔

قلعہ کا مشرقی حصہ جو گنجام باغ کہلاتا تھا آج ویران ہے۔ اس کے قریب لال باغ تھا لیکن اس کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔

سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے۔ صرف ایک شکستہ دیوار کتبہ لگانے کے لیے چھوڑ دی گئی ہے، کتبہ پر صرف یہ لکھا ہے:

"یہاں سلطانی محل تھا۔"

Marfat.com

سلطانی محل ایک عالی شان، خوبصورت مگر سادہ اور چھوٹی سی عمارت تھا، وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا جس میں سلطان کی رہائش تھی اس کے اندر چاروں طرف ایک سنہری کارنس بنی ہوئی تھی اور اس پر ایک فٹ چوڑے اور لمبے الفاظ میں آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ ان آیات پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

محل کے مشرق میں مسجد اعلیٰ تک چھوٹے چھوٹے محلات تھے جن میں شہزادے اور سلطان کے دوسرے عزیز و اقارب رہتے تھے۔

محل کے عین مغرب میں سری رنگا کا مندر تھا، ساتھ ہی راجہ کا محل تھا، جنوب میں محل سے ملحق ایک اور مندر ہے، اس طرح شمال مشرق میں ایک قدیم مندر ہے۔

سلطانی محل کے تین اطراف میں گودام تھے۔ زنانہ حصے کو جانے والے راستے پر شیر بندھے ہوتے تھے، محل کے انہدام کے وقت بے شمار چیزیں فروخت کر دی گئیں، ان میں سے سنگ سیاہ کے ستون آج بھی بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں۔

سلطانی محل کے ساتھ بنگلوری دروازے سے ملحق مسجد اعلیٰ کی بنیاد 1202ھ میں رکھی گئی تھی، اس کے سر بفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کرتے ہیں۔

یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر فدایان آزادی کے لہو کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں، اس عمارت کے دو حصے ہیں:

اوپر کے حصے میں مسجد جس پر پہنچنے کے لیے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہیں، میناروں پر جانے کے لیے بھی سیڑھیاں بنی ہیں۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام راستے سے داخل نہیں ہوتا تھا تا کہ نمازیوں کے استغراق میں یا مسجد کے احترام میں کوئی فرق نہ پڑے۔

مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا، جواب بند کر دیا گیا ہے۔ سلطان اس دروازے سے داخل ہو کر پہلی جگہ پر فی الفور عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا تا کہ خدا کے گھر میں تمام بندے ایک ہی صف اور ایک ہی مقام پر ہیں۔

سلطان کا دیوان عام دریا دولت کے نام سے مشہور ہے، یہ دریائے کاویری کی شمالی شاخ سے 200 گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ عمارت دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل کے ایک جھروکے میں سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدہ ہے جس میں امراء و وزراء کی نشستیں تھیں۔

دیواروں پر معنی خیز تصویریں ہیں، ان میں مندرجہ ذیل افراد کی تصاویر شامل ہیں:

نانا فرنویس، مرہٹہ وزیر پونا

Marfat.com

محمد علی والا جاہ

نظام الملک

نواب کڑپہ

نواب شاہنور

ایک فریم میں سرنگا پٹم کا نقشہ بھی دیا گیا ہے جس پر سلطان کے دستخط کا عکس بھی ہے۔ دریا دولت باغ سے مشرقی سمت گزرتے ہوئے سلطان شہید کا مقبرہ آتا ہے جو سلطان نے خود تیار کرایا تھا۔

مقبرہ کے اندر بیری (شیر کا) رنگ کیا گیا ہے، اس میں تین قبریں ہیں:

1- نواب حیدر علی خان کی

2- سلطان کی والدہ ماجدہ کی

3- خود سلطان کی۔

مقبرہ کی عمارت سطوت و جلال کا عبرت افزا منظر ہے، مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں درج ہیں، یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین ملی کی کہی ہوئی ہیں اور کتبے 1213ھ میں سید عبدالقادر نے بنائے تھے۔

صحن میں مسجد اقصیٰ ہے۔ اس میں بھی بیری رنگ کیا گیا ہے جو سلطان شہید کی شیروں کے ساتھ دلچسپی کا مظہر ہے۔

گنجام کے راستے میں عید گاہ کے قریب ایک مینارہ ہے جس پر انگریز مقتولین کے نام درج ہیں، جو 1792ء کی جنگ میں ہلاک ہوئے تھے

اس کے قریب ہی ننگ وطن میر غلام علی لنگڑا کی کوٹھی اور ایک مقبرہ ہے جس میں دو زنانہ قبریں ہیں اس کے مغربی جانب غدار نمک حرام پورینا کا باغ ہے۔

سلطان شہید کی جائے شہادت پر ایک چوبی کٹہرا ہے۔ لوگ اس جگہ بیٹھ کر ماتم کناں ہوتے ہیں امریکی مؤرخ برنارڈ وائی کلف نے یہیں بیٹھ کر اپنا مرثیہ لکھا تھا۔

انگریزوں نے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے پانی دروازہ کے قریب ایک کتبہ لگا دیا تھا کہ سلطان اس دروازے کے شمال میں شہید ہوا تھا، حالانکہ حقیقت میں سلطان مشرقی دروازے یعنی بنگلوری دروازے کے قریب شہید ہوا تھا۔

یورپ میں سلطان کی زیادہ تر باقیات ونڈ سر کیسل اور برگ شائر میں موجود ہیں جن کی تعداد 23 بتائی جاتی ہے۔

Marfat.com

ان میں اہم اشیا یہ ہیں:

1- سلطان کے تخت ہما کے قدموں کا ایک طلائی شیر

2- جواہرات سے مزّین ہما

3- جواہرات سے مزّین کلاہ

4- جامنی رنگ کا چغہ اور اسی رنگ کی مخملیں خود جس پر طلائی کام ہے۔

5- ایک ٹوپی

6- گھوڑے کا ساز اور گھوڑے کا خود وغیرہ!

یہ چیزیں تو اس قیمتی سرمائے کا عشر عشیر بھی نہیں جو سلطان کے محل سے لوٹی گئی تھیں، ان اشیاء کی مالیت کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان ہی کو اس کے امرا اور وزراء نے شہید کرا دیا تو اس کی باقیات کا کیا غم! یہ تو ایک کائناتی حقیقت ہے کہ مسلمان کو کبھی کسی دوسری قوم نے اس قدر نقصان نہیں پہنچایا جس قدر نقصان خود اسے اپنے ہی مسلمان ہم قوموں کی غداریوں کی وجہ سے اٹھانا پڑا۔

عمار

اوپر

جانے کے لیے

سلطان مسجد اعلیٰ

مسجد کے احترام میں کوئی

مسجد کے بڑے کمرے میں

سلطان اس دروازے سے داخل ہو کر

کے گھر میں تمام بندے ایک ہی صف اور ایک

سلطان کا دیوان عام دریا دولت کے نام سے

سے 200 گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ عمارت دو منزلہ

میں سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدہ ہے جس میں

دیواروں پر معنی خیز تصویریں ہیں، ان میں مندرجہ ذیل افراد

نانا فرنویس، مرہٹہ وزیر پونا

Marfat.com

Marfat.com

ان میں اہم اشیا یہ ہیں:

1- سلطان کے تخت ہما کے قدموں کا ایک طلائی شیر

2- جواہرات سے مزّین ہما

3- جواہرات سے مزّین کلاہ

4- جامنی رنگ کا چغہ اور اسی رنگ کی مخملیں خود جس پر طلائی کام ہے۔

5- ایک ٹوپی

6- گھوڑے کا ساز اور گھوڑے کا خود وغیرہ!

یہ چیزیں تو اس قیمتی سرمائے کا عشر عشیر بھی نہیں جو سلطان کے محل سے لوٹی گئی تھیں، ان اشیاء کی مالیت کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان ہی کو اس کے امرا اور وزراء نے شہید کرا دیا تو اس کی باقیات کا کیا غم! یہ تو ایک کائناتی حقیقت ہے کہ مسلمان کو کبھی کسی دوسری قوم نے اس قدر نقصان نہیں پہنچایا جس قدر نقصان خود اسے اپنے ہی مسلمان ہم قوموں کی غداریوں کی وجہ سے اٹھانا پڑا۔

رفیقو کیا کہوں رونا میں اپنی چشمِ گریاں کا
بہیں کتنے ہی دریا گر نچوڑوں پاٹ داماں کا

(ختم شد)

Marfat.com

Marfat.com

سرزمین جنوبی ہند سے اُٹھنے والا وہ بگولا جس نے مرہٹوں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی آنکھیں چندھیا دیں

برِّصغیر کا سپوت۔ آزادی کا متوالا

مُسلمانانِ ہند کا رکھوالا

شہید

سُلطان ٹیپُو رح

جس کی دہشت سے انگریز سوتے سے جاگ پڑتے تھے
اور انگریز بچے سُلطان ٹیپُو کا نام سُن کر چُپ ہو جاتے تھے

- ○ ایک بہادر
- ○ ایک مجاہد
- ○ ایک شہید

ایک ناول ایک تاریخ

المّاس ایم۔اے کے قلم سے

*****

مکتبۃ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲
فون: 224665

Marfat.com